

بیمہ کی شرعی حیثیت

نالیف

ڈاکٹر حسین حامد حسّان

ترجمہ

عبدالرحیم اشرف بلوچ

ادارۃ تحقیقاتِ اسلامی

(اسلام آباد — پاکستان)

marfat.com

Marfat.com

Serial No.
Price
Date

بیمہ کی شرعی حیثیت

اردو ترجمہ

حکم الشریعۃ الاسلامیہ فی عقود التأمین

تالیف

ڈاکٹر حسین حامد حسّان

ترجمہ

عبدالرشید اشرف بلوچ

ادارہ تحقیقات اسلامی، جامعہ اسلامیہ اسلام آباد

بج



marfat.com

Marfat.com

حقوق طبع محفوظ ہیں

سلسلہ مطبوعات ادارہ تحقیقات اسلامی۔ نمبر ۵۸

ڈاکٹر حسین حامد حسنان

تالیف :

عبد الرحیم اشرف بلوچ

ترجمہ :

ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ / اگست ۱۹۸۵ء (گیارہ سو)

طبع اول :

ادارہ تحقیقات اسلامی پریس

مطبع :

ادارہ تحقیقات اسلامی۔ پوسٹ بکس ۱۰۳۵
اسلام آباد

ناشر :



قیمت :

marfat.com

Marfat.com

فہرست عنوانات

۱	۱ - مقدمہ
۷	۲ - فصل اول : بیمہ قانون کی نظر میں
۹	۳ - بحث اول : بیمہ کی تعریف
۱۰	۳ - پہلا باب : بیمہ کا نظام
۱۶	۵ - دوسرا باب : کاروبار بیمہ اور اس کی خصوصیات
۱۷	۶ - اول : کاروبار بیمہ کے عناصر
۱۷	۷ - ۱ - خطرہ
۲۳	۸ - ۲ - بیمہ کی قسط
۲۵	۹ - ۳ - بیمہ کی رقم
۲۸	۱۰ - دوم : کاروبار بیمہ کی خصوصیات
۲۸	۱۱ - ۱ - باہمی ذمہ داری کا معاہدہ
۲۹	۱۲ - ۲ - معاوضہ والا کاروبار
۳۰	۱۳ - ۳ - دھوکا کا کاروبار
۳۲	۱۴ - ۴ - یکطرفہ زبردستی کا کاروبار
۳۳	۱۵ - سوم : خدمات بیمہ
۳۳	۱۶ - ۱ - تحفظ
۳۳	۱۷ - ۲ - اعتماد
۳۵	۱۸ - ۳ - بچت

۳۶	۱۹۔ بحث دوم :	بیمہ کی اقسام
۳۷	۲۰۔ پہلا باب :	اقسام بیمہ باعتبار خطرات
۳۸	۲۱۔ ۱۔	زندگی کا بیمہ
۳۸	۲۲۔ (الف)	تاحیات بیمہ
۳۸	۲۳۔ (ب)	معیادی بیمہ
۳۹	۲۴۔ (ج)	بیمہ زندگی بشرط بقا
۴۰	۲۵۔ (د)	مخلوط بیمہ
۴۰	۲۶۔ ۲۔	حادثات کا بیمہ
۴۰	۲۷۔ ۳۔	نقصانات کا بیمہ
۴۱	۲۸۔ ۴۔	ذمہ داریوں کا بیمہ
۴۳	۲۹۔ دوسرا باب :	عملی اعتبار سے کاروبار بیمہ کی اقسام
۴۳	۳۰۔ ۱۔	اجتماعی بیمہ
۴۴	۳۱۔ ۲۔	تبادلہ بیمہ
۴۵	۳۲۔ ۳۔	مقررہ قسط والا بیمہ
۴۹	۳۳۔	بیمہ کا شرعی حکم
۵۱	۳۴۔ بحث اول :	بیمہ کی وجہ اختلاف کی تعریف
۵۲	۳۵۔ اول :	بیمہ کا نظریہ
۵۳	۳۶۔ دوم :	اجتماعی بیمہ
۵۵	۳۷۔ سوم :	تبادلہ بیمہ
۵۷	۳۸۔ چہارم :	مقررہ قسط والا بیمہ
۶۳	۳۹۔ بحث دوم :	بیمہ کمپنیوں کے کاروبار بیمہ کے دلائل بطلان

۶۳	باب اول : پہلی دلیل	- ۴۰
۶۵	۱۔ پہلا مقدمہ : کاروبار بیمہ مالی معاوضہ ہے	- ۴۱
۶۶	۲۔ دوسرا مقدمہ : کاروبار بیمہ میں بہت زیادہ دھوکہ موجود ہے	- ۴۲
۶۶	رضامندی صحت تصرف کی بنیاد ہے	- ۴۳
۶۶	رضامندی کے صحیح ہونے کے لئے علم کا ہونا ضروری ہے	- ۴۴
۶۹	اول : کاروبار بیمہ کا دھوکہ کی تعریف کے تحت آنا	- ۴۵
۶۹	۱۔ مالک کے نزدیک دھوکہ کی تعریف	- ۴۶
۶۲	۲۔ شواہع کے نزدیک دھوکہ کی تعریف	- ۴۷
۶۵	۳۔ احناف کے نزدیک دھوکہ کی تعریف	- ۴۸
۶۹	۴۔ حنابلہ کے نزدیک دھوکہ کی تعریف	- ۴۹
۸۰	۵۔ اہل ظاہر کے نزدیک دھوکہ کی تعریف	- ۵۰
۸۳	دوم : کاروبار بیمہ میں موجود دھوکہ اقسام	- ۵۱
۸۴	۱۔ خورد خورد میں دھوکہ کا پایا جانا	- ۵۲
۸۵	۲۔ حصول خسی میں دھوکہ کا پایا جانا	- ۵۳
۸۶	۳۔ معاوضہ کی مقدار میں دھوکہ	- ۵۴
۹۳	۴۔ مدت میں دھوکہ	- ۵۵
۹۵	سوم : کاروبار بیمہ میں موجود دھوکہ شدید نوعیت کا ہوتا ہے	- ۵۶
۹۶	۱۔ کاروبار بیمہ میں قابل معافی دھوکہ کی تعریف	- ۵۷
۹۸	۲۔ غیر مؤثر دھوکہ کے عناصر	- ۵۸
۹۹	(الف) پہلا عنصر : دھوکہ کا معمولی ہونا	- ۵۹
۱۰۳	(ب) دوسرا عنصر : دھوکہ کا غیر مقصود ہونا	- ۶۰
۱۰۶	(ج) تیسرا عنصر : دھوکہ کا ارتکاب ناگزیر ہونا	- ۶۱

۱۰۹	دوسری دلیل : معاہدات بیمہ کا جوئے پر مشتمل ہونا	- ۶۲
۱۰۹	۱- جوئے کی تعریف	- ۶۳
۱۱۰	۲- جوئے کی خصوصیات	- ۶۴
۱۱۱	۳- بیمہ کا جوئے کے تحت آنا	- ۶۵
۱۱۶	۴- جوئے کی خصوصیات کا بیمہ میں ہونا	- ۶۶
۱۱۶	تیسری دلیل : کاروبار بیمہ میں ریلو کا پایا جانا	- ۶۶
۱۱۹	بیمہ دراصل ادھار کو ادھار سے فروخت کرنا ہے	- ۶۸
۱۱۲	تیسری بحث : بیمہ کے حرام ہونے کے مخالف حضرات	۶۹
	کے شبہات کا رد	.
۱۲۲	پہلا باب : دھوکہ والی دلیل پر وارد شبہات اور ان کا جواب	- ۷۰
۱۲۶	۱- کاروبار بیمہ کا مالی معاوضہ نہ ہونا	- ۷۱
۱۳۶	۲- کاروبار بیمہ میں موجود دھوکہ کا معمولی ہونا	- ۷۲
۱۳۶	پہلا مقدمہ : کاروبار بیمہ کا دھوکہ باعث نزاع نہیں	۷۳
۱۳۹	دوسرا مقدمہ : جو دھوکہ باعث نزاع نہ ہو وہ معمولی ہے	۷۴
۱۴۶	۳- کثرت کاروبار کی وجہ سے بیمہ میں سے دھوکہ کا انتقال	۷۵
۱۴۹	۴- پہلے سے متوقع ہونے کی وجہ سے بیمہ کا دھوکہ معمولی ہوتا ہے	- ۷۶
۱۵۲	۵- بیمہ دار کی طرف سے دھوکہ کا انتقال	- ۷۶
۱۶۵	۶- بیمہ دار کا دھوکہ پر رضامند ہونا	- ۷۸
۱۶۹	دوسرا باب : جوئے کی دلیل پر وارد اعتراضات اور ان کا جواب	- ۷۹
۱۷۰	پہلا شبہ : جوئے میں وقت اور صلاحیتوں کا فیاع ہوتا ہے بخلاف بیمہ کے	- ۸۰
۱۷۳	دوسرا شبہ : جو اخلاقی و اجتماعی برائی ہے بخلاف بیمہ کے	- ۸۱

۱۶۸	۸۲ - تیسرا شبہ : بیمہ کی بنیاد بھرانہ کے اثرات کے ازالے پر ہے
۱۸۷	۸۳ - تیسرا باب : سود کی دلیل پر وارد شبہات اور ان کا جواب
۱۸۸	۸۴ - پہلا شبہ : بیمہ بحیثیت ایک نظریہ کے سود سے پاک ہے
۱۹۱	۸۵ - دوسرا شبہ : بیمہ دار معاوضہ پر سود نہیں لیتا بلکہ یہ پیشن کی طرح ہے
۱۹۷	۸۶ - اختتامیہ : نتائج بحث
۲۰۳	۸۷ - حوالہ جات
۲۰۹	۸۸ - اصطلاحات
۲۱۰	۸۹ - اشاریہ

مقدمہ

معاهدہ بیمہ ان جدید کاروباری معاہدوں میں سے ایک ہے جن کا اسلامی فقہ کے ابتدائی دور میں کوئی وجود نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ حاضر کے جن فقہاء نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے ان کی آراء مختلف ہیں۔ شریعت اسلامیہ کی روشنی میں انہوں نے اس موضوع پر مفقود بھرتی تحقیق اور بحث و تجسس کی ہے۔ ان علماء میں سے بعض اس کے جواز کے قائل ہیں اور بعض نے اس کے عدم جواز اور حرمت کا فتویٰ دیا ہے، جبکہ ایک تیسرا گروہ اس کو مطلقاً حرام قرار نہیں دیتا بلکہ عدم جواز کو اس کی بعض اقسام کے ساتھ مخصوص کرتا ہے اور بعض کو اس سے مستثنیٰ گردانتا ہے۔

اہل علم کے کہنے کے مطابق کسی چیز کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا خود اس کے تصور کا ایک حصہ ہوتا ہے، لہذا جو شخص بھی معاہدات بیمہ کے بارے میں جواز یا عدم جواز کے فیصلہ کی ذمہ داری اپنے سر لیتا ہے اس پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ان معاہدات کی اصل حقیقت تک رسائی حاصل کرے اور ان تمام بنیادی خصوصیات کا گہری نظر سے جائزہ لے جو ان معاہدات کو دوسرے کاروباری معاہدوں سے ممتاز اور جدا کرتی ہیں۔ اس کی تعریف میں افراط و تفریط سے گریز کرے اور مفروضات پر کوئی رائے قائم کرنے سے بچے تاکہ اس کاروبار

کے بارے میں فیصلہ خالصتاً اسی حیثیت سے ہو جس طرح یہ عملی طور پر سرانجام پاتا ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ کوئی محقق اپنی تحقیق اور رائے کی بنیاد پر کوئی ایسی متبادل صورت پیش کرے جو اس مقصد کو پورا کر سکے جو معاہدات بیمہ سے وابستہ ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بعض علماء اس حد تک مفروضوں میں گم ہوئے کہ انہوں نے اس مسئلہ کا شرعی حکم بیان کرنا ہی چھوڑ دیا۔

مناسب یہ تھا کہ وہ کاروبار بیمہ پر اسی طرح حکم لگاتے جیسا کہ خود اس کے اصول و قواعد سے ثابت ہوتا ہے اور جس طرح اس کاروبار کو چلانے والے ادارے اس کو چلاتے ہیں، پھر وہ اسی صورت کو پیش کرتے جو شرعی نقطہ نظر سے ان کی تحقیق کے مطابق مروجہ بیمہ کا متبادل ہے۔ وہ معاملات کی گہرائی تک پہنچ کر ان کا شرعی حکم بیان کرنے کے بجائے ایسے فرضی معاہدوں کی تحقیق میں الجھ گئے جو ان کے خیال کے مطابق نافذ العمل ہیں۔ اور پھر انہی مفروضوں کو بنیاد بنا کر انہوں نے اس کاروبار کے بارے میں شرعی حکم بیان کیا۔ محققین کے نزدیک بیمہ کا جو موضوع محل بحث ہے، وہ محدود ہے اور اس ضمن میں جب ہر محقق دوسرے کے دلائل اور دعاوی کو سامنے رکھ کر اس مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو بسا اوقات ان کے آراء بعض ایسے مسائل میں بھی متفق ہو جاتے ہیں جن میں پہلے وہ باہم مختلف تھے۔

ان وجوہ کی بنا پر میں نے مناسب سمجھا کہ زیر نظر کتاب کی فصل اول میں بیمہ کے طریق کار کو خود ان اصول و قواعد کی روشنی میں پیش کروں جن کے تحت انہیں منظم کیا جاتا اور رو بہ عمل لایا جاتا ہے۔

اس مقصد کے لئے پہلے ان خدمات کی وضاحت کروں گا جو کاروبار بیمہ سرانجام دیتا ہے، اور ان اغراض و مقاصد کو بیان کروں گا جو لوگوں نے اس

کاروبار سے وابستہ کر رکھے ہیں، بعد ازاں ان وسائل کا ذکر کروں گا جو ان اغراض و مقاصد کے پورے ہونے اور اس خدمت کے ادا کرنے کے لئے عملی طور پر سامنے آتے ہیں۔ میری مراد معاہدات بیمہ اور وہ بیمہ کمپنیاں ہیں جو اس کاروبار کو منظم کرتی اور چلاتی ہیں۔

ہم اپنی تمام تر تحقیق کو اسی نقطہ پر مرکوز رکھیں گے کہ بیمہ ایک نظریہ اور نظام کے اعتبار سے تعاون و کفالت کی بنیاد پر قائم ہے۔ یہی چیز اسے شریعت کے اغراض و مقاصد سے ہم آہنگ کرتی ہے۔

البتہ اس موقع پر یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ شریعت نے اگرچہ تعاون کو ایک اہم مقصد قرار دیا ہے لیکن اس کے ساتھ اس لئے ان طریقوں کو بھی واضح طور پر بیان کر دیا ہے جن کے ذریعے یہ تعاون وجود میں آتا ہے۔

شریعت نے اسے انسانوں کی مرضی اور خواہش پر نہیں چھوڑا ہے۔ لہذا وہ شخص غلطی پر ہے جو اغراض و مقاصد کے جائز ہونے سے یہ استدلال کرتا ہے کہ ان کے حصول کے تمام طریقے جائز ہیں۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ نے جہاں اغراض و مقاصد بیان کئے ہیں وہاں ان ذرائع کو بھی بیان کر دیا ہے جو ان کے حصول کے لئے وہ جائز اور مباح قرار دیتی ہے۔

مال کا حصول، اس میں اضافہ اور اس کی جائز سرمایہ کاری سے نفع کمانا، یہ جائز مقصد ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ یہ سب کچھ ان وسائل کے تحت ہو جنہیں شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔ لہذا کسی کا یہ کہنا کہ سود لینا جائز ہے کیونکہ یہ بھی مال میں اضافہ کا ایک ذریعہ ہے۔ یا یہ کہنا کہ غیر موجود چیز کی تجارت جائز ہے، اس دلیل کی بنا پر کہ یہ بھی مال کے تبادلہ کے ذرائع ہیں سے ایک ذریعہ ہے، قطعاً درست نہیں۔ اس لئے کہ اس طرح کی باتیں اور دعوے

اصول استدلال سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بعض محققین نے ان معاہدات بیمہ کے جواز کے دلائل میں مبالغہ سے کام لیا ہے جنہیں بیمہ کمپنیاں عملی جامہ پہناتی ہیں، بایں طور کہ بیمہ ٹونیکلی اور بھلائی کے کام میں تعاون کا نام ہے، اور اس سے وہ مقاصد پورے ہوتے ہیں جو خود شارع کا منشاء ہے اور جس پر وہ لوگوں کو ابھارتا ہے۔ ان حضرات نے اپنے دلائل بایں طور پیش کئے ہیں:

”بیمہ کمپنیاں جن معاہدات کو عملی جامہ پہناتی ہیں ان کے ذریعہ وہ دوسروں کو مدد اور تعاون فراہم کرتی ہیں، اور مدد اور تعاون ہتیا کرنا شریعت کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔ لہذا یہ معاہدے بھی مقاصد شریعت کو پورا کرنے والے ہوں گے اور انہیں ناجائز اور ممنوع قرار نہیں دیا جائیگا۔“

ان حضرات کے دوسرے دعوے سے تو اتفاق کیا جاسکتا ہے مگر پہلے دعوے سے اتفاق ممکن نہیں۔ اس لئے کہ غرض اور مقصد کے جواز سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے حصول کا کوئی مخصوص اور معین ذریعہ بھی لازماً جائز ہوگا۔ دوسری فصل کو میں نے موجودہ دور میں رائج ان وسائل و ذرائع کے بارے میں شرعی حکم بیان کرنے کے لئے مختص کر دیا ہے جن پر آج کل عمل کر کے بیمہ کے اغراض و مقاصد کو عملی شکل دی جا رہی ہے، میری مراد اس سے معاہدہ بیمہ ہیں۔ یہ بات ہمارے علم میں ہے کہ ان معاملات کو یا تو خود حکومت سرانجام دیتی ہے یا اپنی مقرر کردہ کسی ایجنسی کے ذریعہ ان کا نظم و نسق چلاتی ہے۔ اور بعض اوقات یہ کام امداد باہمی کی انجمنیں چلاتی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان ذرائع میں سے کون سے ذرائع ایسے ہیں جو شریعت کے احکام سے مطابقت رکھتے ہیں؟ کیا موجودہ ذرائع سے بہتر اور محفوظ تر ایسے ذرائع ہیں جو بیمہ کے نظریہ کو عملی جامہ پہنا سکیں؟ جب ہم اس بات

پر متفق ہیں کہ بیمہ ایک جائز کاروبار ہے، جس کا مقصد ارفع
اور اعلیٰ ہے، تو ان جائز ذرائع کی تلاش ضروری ہو جاتی ہے
جو مقصد حقیقی تک پہنچا سکیں۔

فصل اول

بیمہ قانون کی نظریں

(نظریہ و نفاذ)

فصل اول

بیمہ قانون کی نظر میں - (نظریہ و نفاذ)

قانونی نقطہ نظر سے بیمہ کے مطالعہ کا مقصد یہ ہے کہ اس صورت حال کا تعین ہو جائے جس کا حکم شرعی بیان کرنے کے لئے ہم کوشاں ہیں۔ اس کی ضرورت کا احساس اس لئے ہوا کہ کاروبار بیمہ کا نظام عملی طور پر نافذ کر دیا گیا ہے اور مخصوص قوانین کے ذریعہ اسے منظم کیا جا چکا ہے۔ لہذا اگر محقق یہ چاہتا ہے کہ اس بارے میں صحیح فیصلہ کرے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کاروبار کی اسی صورت کو پیش نظر رکھے جس میں ان قوانین نے اسے ڈھالا ہے، اور جس پر بیمہ کے ادارے عمل پیرا ہیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو اسے ایسے امور فرض کرنے پر مجبور ہونا پڑے گا جن کا عملی دنیا میں کوئی وجود نہیں ہے۔ کاروبار بیمہ کی تحقیق میں مصروف بعض لوگوں نے ٹھوکر کھائی ہے۔ انہوں نے اس کاروبار کے بارے میں یہ تصور کر کے اپنا فیصلہ دیا ہے کہ :

”وہ بیمہ جسے بیمہ کمپنیاں کرتی ہیں، وہ تعاون کے ایک ایسے معاہدے میں شامل ہونا ہے جسے بہت محنت سے منظم کیا گیا ہے۔ اور جس میں ایسے بہت سے لوگ شامل ہیں جن میں سے ہر ایک کو خطرہ کا سامنا ہے۔“ اور یہ کہ: ”جو کچھ بیمہ کمپنیوں کو اتساق کی شکل میں

ادا کیا جاتا ہے اس کی حیثیت اس مال کی طرح ہے جسے گویا اس کی حفاظت اور تصرف میں دے دیا گیا ہو۔ اور یہ کہ: کاروبار بیمہ میں جو معاوضہ دیا جاتا ہے وہ اس نسط کا بدلہ ہے جو بیمہ دار ادا کرتا ہے۔ اور یہ معاوضہ بیمہ دار کو تحفظ کی شکل میں ملتا ہے۔ "نیز یہ کہ: یہ معاوضہ بیمہ دار کو صرف معاہدہ بیمہ کی وجہ سے ملتا ہے نہ کہ کسی خطرہ میں گھرنے کی وجہ سے۔ اور وہ معاہدہ جس کی رو سے بیمہ کمپنی اور زندگی کا بیمہ دار باہم متفق ہوتے ہیں، وہ معاہدہ بیمہ کے ساتھ ساتھ معاہدہ مضاربت بھی ہے۔ اور جو اقساط بیمہ دار کمپنی کو ادا کرتا ہے وہ مضاربت کا مال ہے۔ کمپنی اس کی مالک نہیں ہوتی بلکہ اس سے تجارت کرتی ہے اور اس سے جو نفع حاصل ہوتا ہے وہ کمپنی اور بیمہ دار دونوں کے درمیان مشترک ہوتا ہے۔"

"بیمہ زندگی کی صورت میں جب بیمہ دار مقررہ مدت گزرنے کے بعد زندہ رہتا ہے تو بیمہ کمپنی اسے جو رقم واپس کرتی ہے وہ دراصل مضاربت کا رأس المال ہے، جس کے ساتھ نفع بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اور یہ کہ شریعت میں ایسی کوئی پابندی نہیں کہ مضاربت کے کاروبار میں نفع کی مقدار رأس المال کی مناسبت سے متعین ہونے کے نفع کی نسبت سے۔" یہ سب کے سب ایسے مفروضے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں، اور شارحین قانون کی نظر میں جن کا کوئی مقام نہیں۔ لہذا ایسی صورت میں وہ ایسے مسئلہ پر حکم لگاتے ہیں جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے جبکہ جو مسئلہ موجود ہے اور جس میں شرعی حکم کی وضاحت مطلوب ہے، اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ اس فصل کو ہم دو مباحث میں تقسیم کرتے ہیں، جس کی بحث اول میں بیمہ کے نظریہ و نفاذ کے بارے میں گفتگو کریں گے اور دوسری بحث میں اس کی اہم اقسام پر گفتگو ہوگی۔

بحثِ اول

بیمہ کی تعریف - نظریہ و نفاذ

بیمہ کا موجودہ طریقہ اپنے مقاصد کے حصول اور اپنے نظریہ کے نفاذ کے سلسلہ میں ایک قانونی ذریعہ ہونے کے اعتبار سے خود اپنے نظریہ اور نظام سے متصادم ہے، اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ پہلے باب میں بیمہ کا باعتبار ایک نظریہ و نظام تعارف کراؤں، پھر نظامِ بیمہ کے بنیادی مقصد کے حصول یعنی تعاون کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس کاروبار کی جو قانونی حیثیت ہے، اسے ایک دوسرے باب میں بیان کروں۔

پہلا باب

بیمہ کا نظام

شارحین قانون، بیمہ کے نظریہ اور کاروبار بیمہ کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک کے قول کے مطابق نظریہ بیمہ (۱) ایک ایسے تعاون کا نام ہے جسے بہت محنت سے مرتب کیا گیا ہے۔ یہ لوگوں کی ایک ایسی بڑی تعداد کے درمیان طے پاتا ہے جس میں سے ہر ایک کو ایک ہی نوعیت کے خطرات کا سامنا ہے۔ اب اگر یہی خطرہ ان میں سے بعض کے لئے حقیقت واقعہ بن جائے تو باقی سب ارکان اس سے نمٹنے کے لئے تھوڑی تھوڑی قربانی دے کر ان سے تعاون کرتے ہیں۔ اس طرح وہ ان بہت بڑے نقصانات کی تلافی کر دیتے ہیں جو ان میں سے بعض کو تباہی سے دوچار کر سکتے تھے اگر یہ تعاون نہ ہوتا۔ لہذا بیمہ اچھے تعاون کی ایک عمدہ مثال ہے اور یہ نیکی و بھلائی کے کاموں میں تعاون کرنے کے ضمن میں آتا ہے۔ اسی طرح وہ ایک دوسرے سے تعاون کر کے انہیں درپیش خطرات سے مشترکہ طور پر بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہمارے محترم استاد شیخ علی الخفیف بیمہ کی بحیثیت ایک نظریہ و نظام کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "یہ تعاون کے ایک ایسے معاہدے میں شرکت کا نام ہے جسے ایسے بہت سے افراد کے درمیان بڑی محنت سے تشکیل دیا گیا ہے جن میں سے ہر ایک کو خطرے کا سامنا ہے، بائیں طور کہ اگر ان میں سے بعض کو اس خطرے نے گھیر لیا تو سب کے سب اس کو دور کرنے یا اس کے نقصانات کم کرنے کے لئے تھوڑی بہت قربانی دے کر

باہم تعاون کرتے ہیں اور اس طرح ایک ایسے عظیم نقصان سے بچ جاتے ہیں جس کا ان میں سے بعض کو پہنچنا یقینی تھا۔“

پروفیسر مصطفیٰ الزرقاد نظام بیمہ کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”نظام بیمہ کا جو عام مفہوم قانون والوں کے ذہن میں ہے، وہ یہ ہے کہ: یہ تعاون اور تضامن کا ایک ایسا نظام ہے جو خطرات و مصائب کے اجزاء کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے تمام بیمہ داران پر تقسیم کر دیتا ہے۔ نقصان کی تقسیم کا یہ عمل اس معاوضہ کے ذریعے ہوتا ہے جو اس نقصان یافتہ شخص کو ان سب کی اتساط کے جمع شدہ مجموعہ میں سے ادا کیا جاتا ہے۔ اس طرح اس نقصان کا بوجھ مکمل طور پر صرف اس آفت رسیدہ شخص کے کاندھوں پر نہیں پڑتا۔ اس کا روبرو کو چلانے والے لوگ کہتے ہیں کہ اسلام اجتماعی اور اقتصادی زندگی کی تنظیم کے سلسلہ میں یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے تمام تشریحی احکام کے ذریعے ایک ایسا معاشرہ تشکیل دے جس کی بنیاد حقوق و فرائض میں باہمی تعاون اور کفالت پر ہو۔“

آئندہ صفحات میں یہ بات آپ کے علم میں آنے گی کہ بیمہ اپنے اس معنی میں یعنی باعتبار ایک نظریہ اور نظام کے، اس کے ان عملی ذرائع کو نظر انداز کر کے جو اس کے نظریہ کو حقیقت بنانے اور نظام کے نفاذ کے لئے اختیار کئے گئے ہیں، ایک ایسا امر ہے جو شریعت کے عام مقاصد سے مطابقت رکھتا ہے اور خود شریعت کے جزئی دلائل اس کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ بیمہ اپنی شکل میں نام ہے شرکت کرنے کا تعاون کے ایک ایسے معاہدے میں جسے بہت سے افراد کے درمیان بڑی محنت سے تیار کیا گیا ہے۔ اور اس تعاون کی غرض و غایت یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے ان خطرات کو دور کیا جاسکے یا ان کے نقصانات کو کم کیا جاسکے جو اس سلسلہ میں تعاون کرنے والوں میں سے کسی ایک کو گھیر لیں۔ اور ان کا ذریعہ تعاون اس سلسلہ میں وہ معمولی سی قربانی یا تھوڑی سی امداد ہے جو ہر ایک اس کے لئے ادا کرتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس مفہوم میں بیمہ کے جواز کے سلسلہ میں کوئی اختلاف یا نزاع نہیں ہے، بلکہ مناقشہ اور اختلاف ان بعض عملی ذرائع کے بارے میں

ہے جو اس نظام کے نفاذ اور اس نظریہ کو حقیقت بنانے کے سلسلے میں ظہور میں آئے ہیں۔ اس سلسلہ میں میری مراد خاص طور پر وہ معاہدات بیمہ ہیں جو بیمہ دار اور شرکاتی (تجارتی) بیمہ کمپنیوں کے مابین طے پاتے ہیں، اس لئے کہ محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ ان معاہدوں میں بیمہ کمپنی اور متعین بیمہ دار کے درمیان جو تعلق قائم ہوتا ہے اس کی نسبت سے یہ دھوکہ والے معاملات میں آتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ یہ کاروبار ایک ایسا ادارہ کرے جو اس سے منافع کا خواستگار نہ ہو۔ اور یہ اس بیمہ سے ہی ہوسکتا ہے جسے خود حکومت یا اس کا کوئی مخصوص ادارہ چلاتا ہو، یا جس طرح کہ انجمن ہائے امداد باہمی بدلے کی بیمہ کاری کرتے ہیں، جیسا کہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

اسلام نے باہمی تعاون، ایک دوسرے کی مدد اور قربانی دینے کی خاطر جو عملی صورت جائز قرار دی ہے، وہ معاملات عطیات اور خیرات و صدقات ہیں، جن میں تعاون کرنے اور قربانی دینے والا اس ضمن میں جو کچھ خرچ کرتا ہے اس کے بدلے میں کسی مالی معاوضہ کے حصول کی نیت نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء کے نزدیک یہ معاملات جائز ہیں، چاہے ان میں جہالت دلائلی (اور دھوکہ کیوں نہ پایا جاتا ہو۔ اس لئے کہ جس شخص پر ان معاملات کے ذریعے احسان کیا جاتا ہے اس کے لئے ان سے وابستہ بھلائی کا مقصد فوت بھی ہو جائے تب بھی اسے اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا، کیونکہ اس نے اس احسان کے بدلے کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا۔ بخلاف معاوضہ والے معاملات کے کہ ان میں اگر طرفین کی طرف سے دیئے جانے والے تبادلہ کے مال میں سے ایک طرف کا معاوضہ کسی لاعلمی یا دھوکہ کی بناء پر ضائع ہو جائے تو دوسرے فریق نے معاوضہ میں جو کچھ خرچ کیا ہے، وہ بھی ضائع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے نقصان ہوتا ہے۔ اس قاعدے کی سب سے بہترین تعبیر مالکی فقہ کے امام قرانی نے کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

”تصرفات کی تین اقسام ہیں، ان میں سے دو تو بالکل واضح اور جہاں نوعیت کی ہیں جبکہ ایک درمیانی قسم ہے۔ ان دونوں واضح اقسام میں سے ایک خالص معاوضہ والے تصرفات

ہیں۔ ان میں لاعلمی اور دھوکہ سے بچنا ضروری ہے، الا یہ کہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو۔ اور دوسرا ان میں سے خالص احسان ہے کہ جس سے مال میں اضافہ کی کوئی نیت نہیں ہوتی، جیسے ہبہ، صدقہ اور کسی کو قرض یا مالی ذمہ داری سے بری قرار دینا ہے۔ کیونکہ یہ ایسے تصرفات ہیں کہ جن سے مال میں اضافہ کی نیت نہیں ہوتی بلکہ جس پر وہ احسان کر رہا ہے، اگر اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے تب بھی اس کے لئے کوئی نقصان نہیں۔ اس لئے کہ اس نے کوئی چیز خرچ نہیں کی بخلاف پہلی قسم کے کہ اگر وہ لاعلمی یا دھوکہ کی وجہ سے ضائع ہو جائے تو اس کے بدلے خرچ کیا ہوا مال ضائع ہو جاتا ہے۔ لہذا شریعت کی حکمت ان میں لاعلمی کی ممانعت کا تقاضا کرتی ہے۔ جبکہ خالص احسان میں کسی کو کوئی نقصان نہیں ہے، لہذا شریعت کی حکمت خود اس کی متقاضی ہے۔ اور احسان کے تمام ذرائع میں وسعت پر ابھارتی ہے چاہے وہ معلوم ہوں یا نامعلوم۔ اس لئے کہ یہ بکثرت وقوع پذیر ہونے کی وجہ سے عملی طور پر زیادہ آسان ہے جبکہ اس کی ممانعت سے اس میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ لہذا کسی شخص کا کسی کو کوئی گمشدہ اونٹ ہبہ کر دینا جائز ہے کیونکہ اگر اس نے اسے ڈھونڈ لکا تو اس سے فائدہ حاصل کرے گا اور اگر اسے نہ ڈھونڈ سکا تب بھی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا، اس لئے کہ اس نے اس کے بدلے کوئی چیز خرچ نہیں کی۔ اور یہ؛ یعنی جو کچھ امام مالکؒ نے فرمایا، تفقہ کی بہت عمدہ مثال ہے۔ ہر تیسری قسم جو کہ دونوں انتہاؤں کے درمیان ہے تو وہ نکاح ہے۔“

جیسا کہ عنقریب تفصیل سے بیان کیا جائے گا بیمہ کمپنی بیمہ داروں سے جو کاروبار بیمہ کرتی ہے، اس سے تعاون اور بھلائی کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس سے نفع کا حصول مقصود ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ماہرین قانون اور علماء شریعت کے نزدیک بالاتفاق یہ معاوضہ کا ایک کاروبار ہے نہ کہ خیرات و بھلائی کا۔ اور جو تعلق بیمہ کمپنی اور اس کے بیمہ داروں کے درمیان یا خود بیمہ داروں کے مابین یہ لوگ بیان کرتے ہیں، اس کا عملی اور حقیقی طور پر کوئی وجود نہیں۔ کیونکہ اس کاروبار میں ایسی کوئی شق شامل نہیں ہوتی جو بیمہ کمپنی اور اس کے بیمہ داران کے مابین کسی معاہدے کے تحت اس قسم کا تعلق پیدا کر دے۔ ہاں اگر حقیقت میں ایسی کوئی جماعت ہوتی

جس کے اور بیمہ کمپنی کے درمیان اس طرح کے تعلق کی بنیاد پر معاہدہ ہونا تو ہم یقیناً اس قسم کے معاہدے اور تعلق کے بارے میں شرعی حکم بیان کرنے کی طرف ضرور توجہ دیتے۔

اسی طرح بیمہ داران بیمہ کمپنی سے اس سلسلہ میں جو معاہدہ کرتے ہیں اس میں ایسا کوئی واسطہ نہیں پایا جاتا جو دھوکہ سے پاک ہو، کیونکہ ان کے درمیان تعاون اور احسان کرنے کے لئے اس قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوتا کہ کمپنی کسی ایسے معاوضہ پر جو اس کام کے بدلے میں ملے گا، اس تعاون کو منظم کرے گی۔ یہ تو صرف اور صرف ایک مفروضہ ہے جس کا عملی دنیا میں کوئی وجود نہیں، اور نہ ہی کاروبار بیمہ کو منظم کرنے والے قوانین میں اس کا ثبوت موجود ہے۔

لہذا جو کاروبار عملی طور پر ہوتا ہے، وہ بیمہ کی صرف وہی صورت ہے جس کی تکمیل کے لئے ایک فریق بیمہ کمپنی ہوتی ہے، اور دوسرا فریق مخصوص بیمہ دار ہوتا ہے۔ اور اس معاہدے سے صرف بیمہ کمپنی اور مخصوص بیمہ داران کے مابین ہی ایک تعلق پیدا ہوتا ہے اور معاہدوں کے اثرات کی نسبت کے اصول کے تحت کچھ حقوق و فرائض مرتب ہوتے ہیں۔ اور یہی فقہ اور قانون کے تحت ایک مسلمہ اصول ہے اور اسی کی طرف ہم نے اس وقت بھی اشارہ کیا تھا جب ہم نے یہ بات کہی تھی کہ مفروضات و تصورات میں پڑنے سے محقق اکثر اوقات بحث کے تقاضے اور اس کے بارے میں شرعی حکم بیان کرنے کی راہ سے دور ہو جاتا ہے۔

بعض محققین ایک تعاون کے معاہدے کا ذکر کرتے ہیں اور جو بقول ان کے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کے درمیان طے پاتا ہے، جس کا مقصد اولین یہی ہوتا ہے کہ انہیں درپیش خطرات کے نقصانات کے ازالے یا انہیں کم کرنے کے لئے ایک دوسرے سے تعاون کریں۔ اس تعاون کے لئے ان کا ذریعہ وہ معمولی قربانی ہے جو وہ اس سلسلہ میں دیتے ہیں۔ لیکن اس طرح کے معاہدے کا عملی دنیا میں کوئی وجود نہیں، اور نہ ہی ان قوانین میں اس کی کوئی گنجائش نکلتی ہے جو بیمہ کمپنیاں (تجارتی) شراکتی بیمہ کے کاروبار کے لئے بناتی اور لاگو کرتی ہیں۔

ہاں اگر اس طرح کے کسی معاہدے کا وجود ہوتا تو یہ یقیناً مقاصد شریعت سے ہم آہنگ ہونا، جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔

جیسا کہ آپ اُندہ صفحات میں پڑھیں گے کہ اس قسم کا معاہدہ اس کاروبار میں پایا جاتا ہے جسے تبادلی بیمہ کہتے ہیں اور جسے امداد باہمی کی انجمنیں چلاتی ہیں۔ تبادلی بیمہ کا مقصد مال کمانا اور منافع کا حصول نہیں ہوتا، اور نہ ہی اس میں کوئی امن کا خریدار یا حفاظت کا طلب گار ہوتا ہے، بلکہ ان انجمنوں کا ہر رکن تحفظ دینے والا بھی ہوتا ہے اور خود اسے بھی تحفظ حاصل ہوتا ہے، اس طرح وہ تعاون کی غرض سے مشترکہ طور پر قربانی دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اس قسم کے تعاون کو خود حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر چلائے یا حکومت کا کوئی مخصوص ادارہ اسے منظم کرے، جیسا کہ مزدوروں کے مخصوص گروہوں کے لئے اجتماعی بیمہ کاری کی ذمہ داری بعض اداروں کے سپرد ہے، اور ان کا مقصد اس کاروبار سے منافع کا حصول نہیں ہے۔

دوسرا باب

کاروبار بیمہ کی تعریف اور اس کی خصوصیات

ہم دیکھتے ہیں کہ بیمہ کے اعراض و مقاصد کو حقیقت کا جامہ پہنانے اور اس کے نظریہ کو نافذ کرنے کا واحد ذریعہ بیمہ کا معاہدہ ہے۔ مصری قانون مدنی کی دفعہ ۷۴۷، ۷۴۸ میں بیمہ کی تعریف یوں کی گئی ہے: "یہ ایک ایسا معاہدہ ہے جس کی رو سے تحفظ دینے والے پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس شخص کو جس نے پالیسی خریدی ہے، یا وہ مستفید جس کی خاطر پالیسی خریدی گئی ہے، کو ایک مخصوص رقم یا طے شدہ منافع، یا کوئی دوسرا مالی معاوضہ، حادثہ یا معاہدہ میں بیان کردہ نقصان کے پہنچنے کی صورت میں، بیمہ دار کی طرف سے تحفظ فراہم کرنے والے کو ادا کردہ قسط یا کسی دوسری مالی ادائیگی کی نسبت سے ادا کرے۔"

بیمہ کی اس تعریف سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص جسے بیمہ دار یا بیمہ شدہ کہا جاتا ہے، وہ ایک اور شخص سے معاہدہ کرتا ہے جسے تحفظ فراہم کرنے والا کہتے ہیں، اور اکثر اوقات ایسا معاہدہ کرنے والی شراکتی کمپنی ہوتی ہے، اس شرط پر کہ پہلا شخص اس کمپنی کو ایک مخصوص رقم میعادہ یا قسط کی صورت میں ادا کرے، جس کے مقابلے میں کمپنی یہ ذمہ داری لے گی کہ وہ خود اسے، یا اس شخص کو جسے یہ معین و نام زد کردے (جسے مستفید کہا جاتا ہے) معاہدہ میں تحریر کردہ نقصان پہنچنے کی صورت میں ایک معین رقم ادا کرے گی۔

اب ہمارے لئے یہ ممکن ہو گیا کہ ہم بیمہ کی اس تعریف سے کاروبار بیمہ کے مختلف عناصر کا ذکر کر سکیں اور ان خصوصیات کو اجاگر کر سکیں جن کے سبب یہ دیگر معاملات سے متمیز ہوتا ہے، اور ان خدمات و وظائف کو الگ الگ بیان کر سکیں جو یہ ادا کرتا ہے۔

اول کاروبار بیمہ کے عناصر

بیمہ کی مذکورہ تعریف سے اس کے ان تین بنیادی عناصر کا پتہ چلتا ہے جن کے بغیر یہ متحقق نہیں ہو سکتا۔ اور وہ عناصر شارحین قانون کی صراحت کے مطابق یہ ہیں: خطرہ جس سے تحفظ دیا گیا ہے، بیمہ کی رقم اور بیمہ کی قسط۔ ان عناصر کے اکٹھے ہونے بغیر بیمہ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ ان تین عناصر کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ خطرہ

خطرہ سے مراد کاروبار بیمہ میں وہ امکانی حادثہ ہے جو مستقبل میں پیش آسکتا ہے۔ اور حادثہ کے امکانی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کبھی تو وقوع پذیر ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ اور اس کا وقوع یا عدم وقوع فریقین میں سے کسی ایک کے ارادہ پر موقوف نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے۔ جیسے کسی نے اپنی زندگی کا بیمہ کرایا۔ اب اس شخص کا مر جانا یا مقررہ وقت تک زندہ رہنا فریقین میں سے کسی کے ارادہ اور خواہش پر موقوف نہیں ہے۔ یا اسی طرح بیمہ شدہ مال تجارت کا غرق ہو جانا یا بیمہ شدہ گھر کا جل جانا۔ ان تمام صورتوں میں دونوں پہلوؤں کا احتمال ہے۔ دونوں صورتوں میں سے کوئی ایک صورت کسی بھی وقت واقع ہو سکتی ہے۔ انسان کا مرنا اگرچہ ایک یقینی امر ہے مگر اس کے وقوع پذیر ہونے کا کوئی وقت معین و معلوم نہیں ہے۔

جب شارحین قانون یہ وضاحت کرتے ہیں کہ: خطرہ اور احتمال ہی کاروبار بیمہ میں بنیادی حیثیت کے حامل اور اس کے اصل عنصر ہیں، اور دوسرے دونوں عناصر بیمہ کی رقم اور بیمہ کی قسط کے لئے بنیاد ہیں، تو معلوم ہوا کہ کاروبار بیمہ کا ایک لازمی حصہ ہے جو نہ تو اس سے جدا ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کاروبار کا وجود اس کے بغیر ممکن ہے۔ بلکہ یہ عنصر خود کاروبار بیمہ ہی کو دھوکہ بنا دیتے ہیں۔ کیونکہ بیمہ کی یہ تعریف کسی طور پر بھی نہیں کی جاسکتی کہ یہ ایک ایسا کاروبار ہے جس میں دھوکہ پیدا ہو گیا ہے یا یہ دھوکہ پر مشتمل ہے، جیسا کہ بعض ایسے معاملات کاروبار میں جن کا وجود بغیر دھوکہ کے ممکن ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک شارح قانون کہتا ہے:

” جہاں تک تحفظ فراہم کرنے والے کی ذمہ داری کا تعلق ہے تو وہ ایک غیر حقیقی ذمہ داری (التزام) ہے۔ کیونکہ وہ ایک احتمالی ذمہ داری ہے اور ایسی ذمہ داری نہیں جو کسی موقوفی شرط کے ساتھ معلق ہو اور وہ موقوفی شرط اس خطرے کا ثابت ہو جاتا ہے جس سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ کیونکہ خطرے کا حقیقت بن جانا دراصل التزام میں ایک قانونی رکن کی حیثیت رکھتا ہے نہ کہ عارضی شرط کی، اور اگر خطرے کا وقوع پذیر ہونا ایک موقوفی شرط ہوتا تو یہ ممکن ہو جاتا کہ تحفظ دینے والے کی ذمہ داری کا تصور بغیر خطرے کے ممکن ہو سکتا تھا اور یہ التزام (ذمہ داری) ممکن العمل اور بہت ہی سادہ ہوتا، لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا تصور کرنا ممکن نہیں کیونکہ تحفظ دینے والے کی ذمہ داری ہمیشہ خطرے کے وقوع پذیر ہونے سے وابستہ ہوتی ہے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ممکن نہیں ہے“^(۵)

بیمہ دہانوں کی نظر میں خطرہ اپنے باریک فنی معنی کے اعتبار سے اس خطرہ سے مختلف ہے جو عرف عام میں استعمال ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خطرہ جسے عرف عام میں استعمال کیا جاتا ہے اس سے ایسی تباہی مراد ہوتی ہے جسے انسان پسند نہیں کرتا اور اس کے واقع ہونے سے خوف زدہ رہتا ہے کیونکہ اس کا واقع ہونا اس کے لئے جانی یا مالی نقصان کا باعث ہوتا ہے جیسے آگ لگنا، غرق ہونا یا مال کا ضائع ہو جانا۔ کاروبار بیمہ کرنے والوں کے نزدیک اکثر اوقات خطرہ سے یہی معنی مراد ہوتے ہیں۔ جیسے آگ لگنے اور چوری ہونے سے بچانے کے لئے بیمہ کرنا۔ کیونکہ آگ لگنا یا چوری ہونا بھی تباہی ہیں کیونکہ یہ ایسے امور ہیں جن کے وقوع پذیر ہونے کو انسان پسند نہیں کرتا اور اس واقعے سے اسے نقصان پہنچ جاتا ہے۔

لیکن بیمہ کے کاروبار میں جو خطرہ موجود ہے وہ اس سے وسیع تر معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے ہر احتمال اور امکانی حادثہ مراد لیا جاتا ہے چاہے انسان اسے ناپسند کرے یا پسند کرتا ہو۔ چاہے اس کے وقوع پذیر ہونے سے کوئی نقصان پہنچتا

ہو یا نہیں۔ جیسے زندگی کا بیمہ جبکہ مدت پوری ہونے پر بھی آدمی زندہ رہے یا اولاد اور شادی وغیرہ کا بیمہ۔ بیمہ کی یہ تمام اقسام ایسے خطرات کے مقابلے میں ہیں جنہیں انسان ناپسند نہیں کرتا اور ان کے وقوع پذیر ہونے سے کوئی جانی یا مالی نقصان بھی نہیں پہنچتا۔ کیونکہ زندہ رہنا ایک ایسا امر ہے جس میں سب دلچسپی رکھتے ہیں۔ اسی طرح اولاد کا ہونا اور شادی کرنا بھی ہر ایک کے لئے پسندیدہ کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے بیمہ کی صورت میں جب بیمہ کروانے والا ایک مقررہ تاریخ تک زندہ رہے تو وہ بیمہ کی رقم کا مستحق ٹھہرتا ہے اور اس تاریخ تک زندہ رہنا ایک ایسی صورت حال ہے جسے سب ہی پسند کرتے ہیں اور بیمہ دار تو اسے ہرگز ناپسند نہیں کرتا کیونکہ اس کے زندہ رہ جانے کی صورت میں اسے کوئی مالی یا جانی نقصان نہیں اٹھانا پڑتا۔ اور اولاد کے لئے بیمہ کی صورت میں بیمہ دار بچہ پیدا ہوتے ہی بیمہ کی رقم کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اور یہ بھی ایک ایسی صورت حال ہے جسے بیمہ دار ناپسند ہرگز نہیں کرتا کیونکہ اس سے بھی اسے کوئی جسمانی یا مالی نقصان نہیں پہنچتا۔

یہی وجہ ہے کہ قوانین بیمہ میں اس بات کی مہارت موجود ہے کہ بیمہ جات میں خطرہ کے وقوع پذیر ہونے پر بیمہ دار بیمہ کی رقم کا حق دار بن جاتا ہے، چاہے اس حادثہ کے پیش آنے سے کسی قسم کا نقصان نہ ہوا ہو۔ حتیٰ کہ اگر بیمہ دار یا جس شخص کے لئے یہ پالیسی خریدی گئی ہے، ان کے لئے حادثہ کا پیش آنا فائدہ مند ہی کیوں نہ ہو.....۔ شارحین قانون کے مابین یہ بات عام طور پر تسلیم شدہ ہے کہ افراد کے بیمہ کی صورت میں معاوضہ کی کوئی شکل نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ بیمہ دار حادثہ پیش آتے ہی بیمہ کی رقم کا حق دار بن جاتا ہے اور یہاں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ اس خطرہ کے واقع ہونے کی صورت میں کسی قسم کے نقصان کو بھی ثابت کرے۔ حتیٰ کہ اگر یہ یقینی طور پر کیوں نہ ثابت ہو جائے کہ اسے سرے سے کوئی نقصان ہی نہیں پہنچا۔

اسی سلسلہ میں ڈاکٹر سنہوری کہتے ہیں (۶): "افراد کا بیمہ حقیقت میں معاوضہ

کاروبار نہیں ہے کیونکہ اس سے کسی نقصان کا ازالہ بصورت معاوضہ مقصود نہیں ہوتا۔ چاہے یہ زندگی کا بیمہ ہو یا بیماری اور بیماری سے پہنچنے والے نقصانات کا بیمہ ہو بلکہ زندگی کے بیمہ کی بعض صورتوں میں تو بیمہ دار کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا۔ جیسے زندگی کے بیمہ کی صورت میں جب بیمہ دار مقررہ تاریخ کے بعد بھی زندہ رہے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کی جان ایک ایسے حادثے سے محفوظ رہتی ہے جس سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ یہ حادثہ یعنی اس کا زندہ رہنا خود اس کے لئے اچھی چیز ہے اسی طرح افراد کے بیمہ کی بعض دیگر شکلیں ہیں جیسے شادی اور اولاد کا بیمہ..... اسی وجہ سے شہرین قانون اس پر متفق ہیں کہ افراد کے بیمہ میں اس طرح کی کوئی شرط نہیں ہوتی کہ بیمہ دار کی اس پالیسی لینے کے پس پشت کوئی مصلحت کار فرما ہو۔ یعنی ایسی مصلحت جو اس حادثہ کے عدم وقوع کے پیچھے کار فرما ہو جس سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے (۷)

جیسا کہ آگے چل کر آپ ملاحظہ کریں گے کہ شراکتی بیمہ کمپنیوں کے کاروبار کو جائز سمجھنے والے حضرات کہتے ہیں کہ کاروبار بیمہ میں معاوضہ دراصل بیمہ دار کی طرف سے ادا کی جانے والی اقساط اور اس رقم کا نام نہیں جس کی ادائیگی کا بیمہ کمپنی حادثہ واقع ہونے کی صورت میں ذمہ لیتی ہے بلکہ معاوضہ بھی بیمہ میں قسطوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس طرح یہ (معاوضہ) بیمہ دار کی طرف سے ادا کردہ قسط، اور اس قسط کی ادائیگی کی وجہ سے اسے حاصل شدہ تحفظ کے درمیان ہوتا ہے۔ یہ تحفظ بیمہ دار کو صرف معاوضہ بیمہ ہی سے حاصل ہو جاتا ہے اور یہ اس حادثہ پر موقوف نہیں ہوتا جس کے لئے تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ کیونکہ جو تحفظ اسے حاصل ہو گیا ہے اور جس سے یہ مطمئن ہو چکا ہے اس کی وجہ سے حادثہ کے وقوع اور عدم وقوع سے اب کوئی فرق نہیں پڑتا یہی وجہ ہے کہ اگر حادثہ نہ پیش آئے تب بھی اس کا مال اس کے مصارج اور حقوق محفوظ رہتے ہیں۔ اور اگر حادثہ پیش آ گیا تو ان حقوق و مفادات کو معاوضہ کی صورت میں

تحفظ حاصل رہے گا۔ لہذا اس کے لئے حادثہ کا وقوع اور عدم وقوع معاہدہ بیمہ کے بعد برابر ہیں۔ یہ سب کچھ اس تحفظ اور اطمینان کا نتیجہ ہے جو تحفظ دینے والے نے معاہدہ کے تحت اسے فراہم کیا ہے اور یہ سب کچھ اسی قسط کے بدلے میں حاصل ہوتا ہے جو بیمہ دار اس تحفظ کے حصول کے لئے ادا کرتا ہے۔ اور اسی میں معاوضہ کی حقیقت پنہاں ہے (۸)

یہ کہنا کہ معاوضہ تو بیمہ دار کی طرف سے ادا کردہ قسط اور بیمہ کمپنی کی طرف سے فراہم کردہ تحفظ کے درمیان طے پاتا ہے اور یہ کہ جسے تحفظ فراہم کیا گیا ہے اس معاہدہ کے بعد حادثہ کا وقوع یا عدم وقوع اس کے لئے برابر ہیں، نہ صرف ایک تصور اور خیال محض ہے بلکہ یہ تو اس کے بھی منافی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے کہ افراد کے بیمہ کی صورت میں وہ خطرہ جس کے وقوع پذیر ہونے پر بیمہ دار بیمہ کی رقم حاصل کر سکتا ہے بعض اوقات تو ایک پسندیدہ حادثہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے بیمہ دار بیمہ کی رقم کا حق دار بن جاتا ہے، اور اس میں ایسی کوئی شرط نہیں ہوتی کہ یہ رقم حادثہ پیش آنے کی وجہ سے اسے جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی کے ساتھ لازم ہو۔ اس لئے کہ (جیسا کہ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں) یہ تو ایک خوش کن حادثہ ہے جبکہ اس کا عدم وقوع اس کے لئے ایک غیر پسندیدہ شے ہے کیونکہ اس سے بیمہ دار کی وہ قسطیں ضائع ہو جائیں گی جو اس نے بیمہ کی اس رقم کے حصول کے لئے ادا کی تھیں جو ان اقساط کی رقم سے زیادہ ہے۔ جب اصل صورت حال یہی ہے کہ خطرہ کا عدم وقوع بیمہ دار کے مفاد میں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اس کا مال اور اس کے منافع و حقوق محفوظ رہتے ہیں، یہ کہنا درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فرض تو یہ کر لیا گیا تھا کہ خطرہ کے وقوع اور عدم وقوع سے ان اموال و حقوق کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ لہذا خطرہ کا وقوع اور عدم وقوع ان اموال اور حقوق و مصالح کے اعتبار سے تو برابر ہیں لیکن بیمہ دار کے اعتبار سے برابر نہیں کیونکہ اس کا وقوع پذیر ہونا ہی اسے بیمہ کی وہ رقم دلا سکتا ہے جس کے لئے

اس نے قسطیں ادا کی ہیں اور جس کے حصول کی اس کے دل میں تمنا رہی ہے۔ اور اس کا عدم وقوع تو اسے اس رقم سے محروم کر دے گا اور جو قسطیں اس کی خاطر اس نے ادا کی ہیں وہ اس کے لئے حقیقی خسارہ ثابت ہوں گی۔

لہذا جب حقیقت حال یہی ہے تو پھر خطرہ کا پیش آنا اور نہ آنا برابر نہیں اور اس سلسلہ میں یہ کہنا کافی نہیں کہ ان احوال میں بیمہ دار جو معاوضہ حاصل کرتا ہے وہ حادثہ نہ پیش آنے کے تحفظ کی شکل میں موجود ہے۔ اس لئے کہ یہ خطرہ تو اس کے بالکل برعکس ہے کہ بعض اوقات خود اس کا پیش آنا ہی مطلوب ہوتا ہے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔

یہ وہ بعض نتائج ہیں جو بیمہ کمپنیوں کی طرف سے کئے جانے والے کاروبار بیمہ کے بارے میں شرعی حکم لگانے کے سلسلہ میں تصورات و خیالات میں الجھنے سے پیدا ہوتے ہیں۔

یہ کہنا کہ تحفظ ہی وہ اصل معاوضہ ہے جو بیمہ کمپنی فراہم کرتی ہے اور بیمہ دار اس سے حاصل کرتا ہے اور یہ کہ اس تحفظ کے حصول کے بعد بیمہ دار کے لئے خطرہ کا وقوع پذیر ہونا یا نہ ہونا برابر ہے، اس کے باطل ہونے کی تائید مزید شارحین قانون کی اس صراحت سے بھی ہو جاتی ہے کہ افراد کے بیمہ کی صورت میں بیمہ کا اصل مقصد بچت کرنا اور سرمایہ کا حصول ہوتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں بیمہ دار کسی ایسے حادثے سے تحفظ حاصل نہیں کرتا جس کے وقوع پذیر ہونے سے اسے مالی یا جانی نقصان پہنچنے کا ڈر ہو، جس کے لئے وہ بیمہ کی رقم کا حصول چاہتا ہے تاکہ اس حادثے کے اثرات کو کم کر سکے۔ اگر اس کی نیت یہی ہوتی تو لازمی ہے کہ وہ بیمہ کی رقم اتنی ہی وصول کرتا جتنا کہ اسے نقصان پہنچا ہے اور اس نقصان سے یہ رقم معاوضہ کسی طور زیادہ نہ ہوتا جیسا کہ اشیاء کے بیمہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ البتہ اس صورت میں بیمہ بچت اور سرمایہ کے حصول کا ذریعہ پھر نہیں بن سکتا۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو ایسا نہیں ہے بلکہ بیمہ دار اس قسم کے بیمہ جاتا میں بیمہ کی رقم کے حصول کو کسی امکانی حادثے سے معلق کر دیتا ہے۔ اگر وہ حادثہ پیش آ گیا تو اسے بیمہ کی رقم مل جائے گی جو اس کی طرف سے ادا کردہ اقساط کی رقم کے مقابلے

میں ایک بڑی رقم ہوتی ہے، اور اگر حادثہ پیش نہ آیا تو اس کی طرف سے ادا کردہ اقساط ضائع ہو جائیں گی۔ اس طرح نہ تو اسے کسی چیز سے تحفظ حاصل ہوتا ہے اور نہ کسی چیز پر وہ مطمئن ہوتا ہے اس لئے کہ حقیقت میں یہاں ایسی کوئی چیز نہیں پائی جاتی جو خوف و پریشانی کا باعث ہو اور جس سے محفوظ رہنے کی خاطر یہ شخص اقساط ادا کرتا ہو۔

بیمہ کی قسط !

بیمہ کی قسط دراصل معاہدہ بیمہ کے دونوں حصوں میں سے، وہ حصہ ہے جس کی ادائیگی بیمہ دار کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اور یہ وہ عوض ہے جو یہ شخص بیمہ کمپنی کو اس کے اس وعدے کے بدلے میں ادا کرتا ہے کہ بیمہ کمپنی حادثہ پیش آنے کی صورت میں بیمہ کی رقم اسے ادا کرے گی۔

یہاں پر ایک طرف قسط بیمہ اور رقم بیمہ کے درمیان ایک مستحکم تعلق پایا جاتا ہے اور دوسری طرف اس قسط اور اس حادثہ کے درمیان بھی ایک مضبوط تعلق موجود ہوتا ہے جس سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ اس لئے بیمہ کمپنیاں قسط کی قیمت کا تعین بیمہ کی اس رقم کی بنیاد پر کرتی ہیں جس پر ان کا بیمہ دار سے معاہدہ ہوا ہے وہ اس طرح کہ بیمہ کی رقم زیادہ ہونے کی صورت میں قسط بھی زیادہ ہوتی ہے اور کم ہونے کی صورت میں قسط بھی کم ہوتی ہے۔ اسی طرح بیمہ کمپنیاں قسط کی قیمت کا تعین خطرے کی بنیاد پر بھی کرتی ہیں کہ اگر وہ خطرہ سنگین نوعیت کا ہے تو قسط بھی بڑی ہوگی اور معمولی نوعیت کا ہے تو قسط بھی کم ہوگی اور اسی کو "قسط کا تناسب باعتبار خطرہ" کے اصول کے طور پر شارحین قانون کے ہاں جانا جاتا ہے۔

قسط کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ نقد اور مقرر شدہ رقم کی صورت میں ہو اور جس کی ادائیگی مقررہ میعاد کے تحت کی جاتی ہو۔ مثلاً ماہانہ یا سالانہ کی بنیاد پر اور اسی پر بیمہ کمپنیاں عمل کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کا بیمہ مقررہ قسط والا بیمہ کہلاتا ہے۔ البتہ اس میں بعض اوقات بیمہ کی رقم مختلف اقساط کی ہوتی ہے اور انہیں حصص بیمہ

کہا جاتا ہے جو کسی سال گھٹ جاتی ہیں اور کسی سال بڑھ جاتی ہیں اور یہی طریق کار انجمن ہائے بیمہ باہمی میں رائج ہے۔ ان انجمنوں میں ارکان کی طرف سے ادا کردہ حصص کا تعین ان اصل رقوم کے حوالے سے ہوتا ہے جو سالِ بیمہ کے دوران جن حادثات سے تحفظ دیا گیا تھا ان کے پیش آنے سے آفت رسیدہ ارکان انجمن پر خرچ کی جا چکی ہوں۔ یہ حصص یا اقساط اگرچہ پہلے تو مساویانہ طور پر جمع کی جاتی ہیں البتہ انجمن کی انتظامیہ سال کے اختتام پر حسابات کی از سر نو جانچ پڑتال کرتی ہے۔ اگر کسی رکن نے زیادہ رقم دی ہو تو اسے وہ زائد رقم لوٹا دیتی ہے۔ اور اگر نقصانات زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کے حصص کی رقم سے زیادہ اس کی طرف نکلے تو اس سے مزید وصول کر لیتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ انجمنیں اپنے ارکان سے صرف اتنی ہی رقم کا مطالبہ کرتی ہیں جو ان میں کسی کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کے لئے کافی ہو۔ نہ اس سے کم نہ زیادہ۔

یہ اس صورت حال کے بالکل برعکس ہے جس پر "تجارتی بیمہ کمپنیاں" عمل پیرا ہیں۔ کیونکہ وہ تمام بیمہ داران سے اس رقم سے زیادہ وصول کر لیتی ہیں جو وہ ان میں سے کسی نقصان رسیدہ کو ادا کرتی ہیں اور اس اضافی رقم سے بیمہ کے انتظامی اخراجات پورے کئے جاتے ہیں اور اسی سے حصص کا منافع حاصل ہوتا ہے جس سے ان بیمہ کمپنیوں کا اصل سرمایہ بنتا ہے۔

علاوہ ازیں بیمہ کمپنی خود ہی انتظامی اخراجات کا تعین اور حصص کا منافع طے کرتی ہے اور اس میں بیمہ دار کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ جبکہ انجمن ہائے امداد یا ہی میں ارکان انجمن ہی تنظیمی اخراجات کا تعین کرتے اور اس کی توثیق کرتے ہیں اس لئے کہ اس قسم کی کمپنیوں میں نہ تو کوئی تحفظ دینے والا ہوتا ہے اور نہ کوئی تحفظ لینے والا بلکہ جملہ ارکان ان دونوں صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ تجارتی بیمہ کمپنیوں اور امداد یا ہی کی بیمہ کمپنیوں کے، اس فرق کو ہم وہاں بیان کریں گے جہاں ہم بیمہ کے مختلف اداروں کے بارے میں (تفصیلی) بحث کریں گے اور ان میں سے ہر ایک کے بارے میں

اپنا فیصلہ دیں گے۔

۳۔ بیمہ کی رقم؛

بیمہ کی رقم دراصل (معاہدہ بیمہ کے دونوں حصوں میں سے) وہ حصہ ہے جو بیمہ یکنی کے ذمہ ہوتی ہے۔ اس کے لئے بیمہ یکنی معاہدہ بیمہ کے شرائط کے مطابق اس بات کا عہد کرتا ہے کہ وہ بیمہ داران کو یا جسے یہ پالیسی خریدنے والا نام زد کرے اس کو تحفظ دیشے گئے حادثہ کے پیش آنے پر بیمہ دار کی طرف سے ادا کی گئی اقساط کے بدلے میں بیمہ کی رقم ادا کرے گی۔ شارحین قانون اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ، "بیمہ کی رقم دراصل تحفظ فراہم کرنے والے کی ذمہ داری ہے جو بیمہ کی ان اقساط کے بدلے میں ہوتی ہے جو بیمہ دار کی ذمہ داری ہیں، لہذا بیمہ کا معاہدہ حقیقت میں ایک ایسا معاہدہ ہے جو طرفین کو ذمہ دار بنا دیتا ہے" (۹۱ اس وضاحت کا فائدہ وہاں ظاہر ہوگا جہاں ہم جواز بیمہ کے قائل حضرات کے شبہات کا جواب دیں گے۔

بیمہ کی رقم؛ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں، تحفظ دینے والے کے ذمہ ایک طرح کا قرض ہوتا ہے۔ کبھی تو یہ ایک امکانی (احتمالی) قرض ہوتا ہے اور کبھی اس قرض کی اضافت کسی غیر معین مدت کی طرف ہوتی ہے۔ لہذا اگر وہ خطرہ جس سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے اس کا وقوع پذیر ہونا غیر حقیقی ہے تو اس وقت یہ ایک امکانی قرض ہوگا، اور اگر اس خطرہ کا مستقبل میں وقوع پذیر ہونا حقیقت بن سکتا ہے مگر اس کے وقوع پذیر ہونے کا وقت معلوم نہیں، تو اس صورت میں بیمہ کی رقم تحفظ فراہم کرنے والے کے ذمہ ایسا قرض ہوتی ہے جس کی ادائیگی کا وقت متعین نہیں ہوتا جیسے "زندگی کے بیمہ کی صورت میں جس خطرہ سے تحفظ فراہم کیا جاتا ہے وہ موت ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے جس کا وقوع پذیر ہونا تو یقینی ہے مگر اس کے زمانہ وقوع کا علم نہیں ہوتا لہذا بیمہ کی رقم تحفظ فراہم کرنے والے کے ذمہ ایسا قرض ہوتا ہے جو مخصوص ہے غیر معین وقت کے ساتھ دوسری طرف نقصانات کے بیمہ میں چاہے وہ اشیاء کا بیمہ ہو جیسے آگ لگنے کا بیمہ یا ذمہ داری

کا بیمہ ہو، اس میں وہ خطرہ جس سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے مثلاً آگ کا لگنا یا ذمہ داری کا لاگو ہو جانا ایک ایسا امر ہے جو غیر یقینی ہے لہذا اس صورت میں بیمہ کی رقم تحفظ دینے والے کے ذمہ ایک امکان قرض کہلائے گی (۱۸)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کاروبار بیمہ کے تمام اقسام میں غیر یقینی دھوکہ بہر صورت پایا جاتا ہے اس لئے کہ بیمہ دار تکمیل معاہدہ کے وقت یہ نہیں جانتا کہ آیا بیمہ کی وہ رقم جس کی خاطر اس نے اقساط ادا کی ہیں، حاصل کر بھی سکے گا یا نہیں حتیٰ کہ جن صورتوں میں بیمہ کی رقم کا حصول یقینی ہوتا ہے جیسے تاحیات بیمہ زندگی کی پالیسی، اس میں بھی وہ یہ نہیں جانتا کہ وہ یہ رقم کب حاصل کر سکے گا۔ اس لئے کہ بیمہ دار کو اپنی زندگی میں اپنی موت کا علم نہیں ہو سکتا اور یہ تکمیل ذمہ داری کی معاہدہ کے سلسلہ میں ایسی صریح لاعلمی ہے جو فقہاء کے نزدیک بالاتفاق معاوضہ کو باطل کر دیتی ہے۔ لہذا غرر دھوکہ بیمہ کے جملہ اقسام اور تمام صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر تفصیل سے بیان کریں گے۔ اس لئے کہ کبھی تو یہ دھوکہ اس میں اس طرح موجود ہے کہ خود اس کا حصول اور عدم حصول غیر یقینی ہوتا ہے اور کبھی اس میں دھوکہ اس طور پر ہے کہ حصول کا وقت متعین نہیں ہوتا۔ اور دونوں طرح کا دھوکہ رابطل عقد کے لئے اتمام فقہاء کے نزدیک مؤثر ہوتا ہے۔

افراد کے بیمہ کی صورت میں بیمہ دار حادثہ پیش آنے پر جس رقم کا حق دار بن جاتا ہے اس کی کوئی حد مقرر نہیں بلکہ بیمہ دار وہی رقم وصول کرے گا جس پر اس کا بیمہ کمپنی سے معاہدہ ہوا ہے۔ بغیر اس کے کہ یہ دیکھا جائے کہ آیا اس حادثہ کی وجہ سے اسے نقصان پہنچا بھی ہے یا نہیں اور اگر اسے نقصان پہنچا ہے تو اس کی مقدار کیا ہے؟

اس کی تشریح شارحین قانون یوں کرتے ہیں کہ افراد کے بیمہ کی صورت میں رقم بیمہ کی حیثیت معاوضہ کی نہیں ہوتی اس لئے کہ اس سے کسی نقصان کی

تلافی مقصود نہیں ہوتی کیوں کہ افراد کے بیمہ کی صورت میں جس خطرہ سے تحفظ دیا جاتا ہے اس کے پیش آجانے کی صورت میں کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ اس سے بیمہ دار کو یا اس شخص کو فائدہ پہنچ جاتا ہے جس کے لئے اس نے پالیسی حاصل کی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اس سے اصل مقصد جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، بچت اور سرمایہ کا حصول ہی ہے۔

رہا نقصانات کا بیمہ تو یہ معاوضہ کے اصول کے تابع ہوتا ہے۔ لہذا بیمہ دار اس قسم کے بیمہ میں جس رقم کا مطالبہ کرے گا اس کی مقدار اُسے اس حادثہ کی وجہ سے پہنچنے والے نقصان کی مقدار سے زیادہ نہیں ہوگی جس سے اسے تحفظ فراہم کیا گیا تھا۔ اسی طرح یہ رقم معاہدہ میں طے شدہ رقم کے اندر اندر ہی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر حادثہ کی وجہ سے بیمہ دار کو سرے سے کوئی نقصان ہی نہیں پہنچا یا نقصان تو پہنچا مگر اس حادثہ کے ذمہ دار نے خود اس کا معاوضہ اسے ادا کر دیا تو یہ شخص بیمہ کی رقم کا کسی صورت میں بھی حق دار نہیں ہوگا۔

اس قسم کے بیمہ میں معاوضہ کے اصول کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیمہ دار کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ بیمہ کپنی کی طرف سے ادا کردہ معاوضہ بھی وصول کر لے اور اس کے ساتھ ساتھ اسے نقصان پہنچانے کا جو شخص ذمہ دار ہے اس سے بھی معاوضہ وصول کر لے جیسے کسی کا آگ لگانے کا ذمہ دار بن جانا۔

یہ صورت افراد کے بیمہ کے برعکس ہے کیونکہ اس میں بیمہ دار کو چاہئے حادثہ پیش آنے سے کسی قسم کا کوئی نقصان نہ بھی پہنچا ہو تب بھی وہ بیمہ کی رقم کا حق دار بن جاتا ہے۔ اس طرح اسے یہ بھی حق پہنچتا ہے کہ وہ بیمہ کی رقم وصول کرنے کے ساتھ ساتھ وہ معاوضہ بھی وصول کر لے جو اسے موت کی صورت میں یا اس صورت میں ملتا ہے جب اس کے حق میں کسی عضو کے ضائع ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا جائے اس لئے کہ افراد کے بیمہ سے مقصود بیمہ دار کو جس حادثہ سے تحفظ دیا گیا ہے اس کی وجہ سے پہنچنے والے نقصان کا معاوضہ دینا نہیں ہوتا بلکہ اس سے اصل مقصود بچت کرنا اور سرمایہ کاری ہوتا ہے۔

تلافی مقصود نہیں ہوتی کیوں کہ افراد کے بیمہ کی صورت میں جس خطرہ سے تحفظ دیا جاتا ہے اس کے پیش آجانے کی صورت میں کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ اس سے بیمہ دار کو یا اس شخص کو فائدہ پہنچ جاتا ہے جس کے لئے اس نے پالیسی حاصل کی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اس سے اصل مقصد جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، بچت اور سرمایہ کا حصول ہی ہے۔

رہا نقصانات کا بیمہ تو یہ معاوضہ کے اصول کے تابع ہوتا ہے۔ لہذا بیمہ دار اس قسم کے بیمہ میں جس رقم کا مطالبہ کرے گا اس کی مقدار اُسے اس حادثہ کی وجہ سے پہنچنے والے نقصان کی مقدار سے زیادہ نہیں ہوگی جس سے اسے تحفظ فراہم کیا گیا تھا۔ اسی طرح یہ رقم معاہدہ میں طے شدہ رقم کے اندر اندر ہی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر حادثہ کی وجہ سے بیمہ دار کو سرے سے کوئی نقصان ہی نہیں پہنچا یا نقصان تو پہنچا مگر اس حادثہ کے ذمہ دار نے خود اس کا معاوضہ اسے ادا کر دیا تو یہ شخص بیمہ کی رقم کا کسی صورت میں بھی حق دار نہیں ہوگا۔

اس قسم کے بیمہ میں معاوضہ کے اصول کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیمہ دار کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ بیمہ کپنی کی طرف سے ادا کردہ معاوضہ بھی وصول کر لے اور اس کے ساتھ ساتھ اسے نقصان پہنچانے کا جو شخص ذمہ دار ہے اس سے بھی معاوضہ وصول کر لے جیسے کسی کا آگ لگانے کا ذمہ دار بن جانا۔

یہ صورت افراد کے بیمہ کے برعکس ہے کیونکہ اس میں بیمہ دار کو چاہئے حادثہ پیش آنے سے کسی قسم کا کوئی نقصان نہ بھی پہنچا ہو تب بھی وہ بیمہ کی رقم کا حق دار بن جاتا ہے۔ اس طرح اسے یہ بھی حق پہنچتا ہے کہ وہ بیمہ کی رقم وصول کرنے کے ساتھ ساتھ وہ معاوضہ بھی وصول کر لے جو اسے موت کی صورت میں یا اس صورت میں ملتا ہے جب اس کے حق میں کسی عضو کے ضائع ہونے کا فیصلہ صادر کر دیا جائے اس لئے کہ افراد کے بیمہ سے مقصود بیمہ دار کو جس حادثہ سے تحفظ دیا گیا ہے اس کی وجہ سے پہنچنے والے نقصان کا معاوضہ دینا نہیں ہوتا بلکہ اس سے اصل مقصود بچت کرنا اور سرمایہ کاری ہوتا ہے۔

دوم۔ کاروبار بیمہ کی خصوصیات :

شارحین قانون کے نزدیک بیمہ کی اہم خصوصیات جیسا کہ خود اس کی تعریف سے مترشح ہوتی ہیں یہ ہیں :

۱۔ باہمی ذمہ داری کا معاہدہ

بیمہ ایک ایسا معاہدہ ہے جو طرفین کو ذمہ دار بنا دیتا ہے۔ اس میں ایک طرف تحفظ فراہم کرنے والا ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ شخص ہوتا ہے جسے تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ اس میں دونوں ذمہ داریوں میں سے ایک دوسرے کے مقابل ایک ذمہ داری بیمہ دار کی ہے اقساط بیمہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں اور دوسری تحفظ فراہم کرنے والے کی یہ ذمہ داری کہ وہ بیمہ دار کو بیمہ کی رقم اس وقت ادا کرے گا جب وہ حادثہ پیش آجائے جس سے اسے تحفظ دیا گیا ہے۔ متن قانون میں بیمہ کی جو تعریف درج ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بیمہ دار کی ذمہ داری ہی حقیقی ذمہ داری ہے کیونکہ اس کے ذمہ اقساط کی ادائیگی ہے جو معاہدہ کی تکمیل کے وقت ہی سے شروع ہو جاتی ہیں اگرچہ اس پر عمل عام طور پر مختلف میعاد کے مقررہ وقفوں سے ہوتا ہے یعنی ماہانہ یا سالانہ کی بنیاد پر جبکہ دوسری طرف تحفظ فراہم کرنے والے کی ذمہ داری غیر یقینی یعنی احتمالی ہوتی ہے کہ کبھی وہ قابل عمل ہوتی ہے اور کبھی نہیں۔ کیونکہ وہ لازمی طور پر خطرہ یا حادثہ کے پیش آنے پر ہی موقوف ہوتی ہے بایں طور کہ اس ذمہ داری کے وجود کا تصور بغیر اس کے ممکن ہی نہیں۔ اسی وجہ سے دھوکہ اور احتمال بیمہ کے کاروبار کا بنیادی رکن اور اس کا لازمی عنصر ہے کہ اس کاروبار کا تصور یا تحفظ فراہم کرنے والے کی ذمہ داری کا پایا جانا بغیر اس کے ناممکن ہے۔ لہذا یہ دھوکہ کا کاروبار ہے نہ کہ ایسا کاروبار جس میں دھوکہ

کسی طور سے شامل ہو گیا ہے۔ اس لئے کہ دھوکہ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں، اس کا بنیادی رکن اور لازمی عنصر ہے کہ اس (کاروبار) کا وجود بغیر اس کے ممکن ہی نہیں۔ اور یہ دھوکہ اپنی نوعیت اور قسم کے تمام دھوکہ جات سے شدید ترین ہے۔ کیونکہ یہ حصول معاوضہ کے سلسلہ میں اس کی مقدار یا اس کی مدت کے بارے میں پایا جانے والا دھوکہ ہے اور جب شریعت نے دھوکہ کی معمولی قسم کو بھی حرام ٹھہرایا ہے تو بیمہ کے کاروبار کا دھوکہ تو بطریق اولیٰ حرام ہوگا۔ اس لئے کہ اس میں دھوکہ اپنی تمام تر وجوہ کے ساتھ اور مکمل ترین صورت میں پایا جاتا ہے، اور یہ دھوکہ کسی طور پر بھی کم درجے کا نہیں جو کہ پیٹ میں موجود حمل کے معاوضہ کی صورت میں پایا جاتا ہے یا جیسے وہ دھوکہ ہے جو اڑتے ہوئے پرندے، دریا میں تیرتی مچھلی اور شکار کرنے والے کے مزب یا نشانہ پر آئے ہوئے شکار کو خریدنے یا قیمت کی ادائیگی کو ایک مدت تک مؤخر کر دینے کی صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی مثالیں ہیں جن کے حرام اور ناجائز ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

اور جب یہ واضح ہو گیا کہ بیمہ کا کاروبار طرفین کو ذمہ دار بنا دیتا ہے تو یہ قول ہمارے لئے قابل قبول نہیں رہتا کہ "یہ تو اس وعدے کی مانند ہے جس کا پورا کرنا فقہ مالکیہ کے مطابق لازمی ہو جاتا ہے" اس لئے کہ اس قسم کے وعدے میں کہ جس کو پورا کرنے کی ذمہ داری وعدہ کرنے والے نے اپنے سر لی ہے کسی قسم کا معاوضہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس صورت میں جس شخص کے لئے وعدہ کیا جاتا ہے اس کے اوپر اس کے بدلے میں کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ یا دوسرے الفاظ میں اپنے ذمہ لیا ہوا وعدہ ایک قسم کی نیکی کا کام ہے جو کسی قسم کے قبضہ یا نفاذ پر موقوف نہیں اور یہ تبرعات کے احکام میں سے ایک استثنائی صورت ہے کہ جن میں قبضہ کے بغیر ذمہ داری نہیں پائی جاتی۔

رہا بیمہ کا کاروبار تو یہ بالاتفاق فقہائے شریعت اور شارحین قانون کی نظر میں معاوضہ والا کاروبار ہے۔

۲۔ معاوضہ والا کاروبار : معاوضہ والے کاروبار سے مراد یہ ہے کہ وہ کاروبار

جس میں فریقین میں سے ہر ایک جو کچھ دوسرے کو ادا کرتا ہے اس کے بدلے میں کچھ وصولی بھی کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں معاملات تبرع بھی ہیں کہ جن میں ایک فریق دوسرے کو مال دیتا تو ہے مگر کسی بدلے کے بغیر۔ جبکہ کاروبار بیمہ معاوضہ والے معاملات میں سے اس بنا پر ہے کہ ہر دو فریق یعنی تحفظ دینے والا اور تحفظ حاصل کرنے والا جو کچھ ادا کرتے ہیں اس کے بدلے میں کچھ وصولی بھی کریں گے۔ تحفظ دینے والا بدلے میں جو کچھ وصول کرتا ہے وہ بیمہ دار کی طرف سے ادا کی جانے والی بیمہ کی اقساط ہیں اس چیز کے بدلے میں جس کے دینے کا اس تحفظ فراہم کرنے والے نے وعدہ کیا ہے اور وہ ہے بیمہ کی رقم۔ اسی طرح بیمہ دار بدلے میں جو کچھ وصول کرتا ہے وہ بیمہ کی رقم ہے جو حادثہ پیش آنے کی صورت میں اُسے ملتی ہے۔ اور یہ رقم وہ اس چیز کے بدلے میں وصول کرتا ہے جو یہ خود ادا کر چکا ہے یعنی بیمہ کی قسطیں۔

ایک محقق نے تو مفروضات اور اندازوں میں پڑ کر انتہائی مبالغہ سے کام لیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا ہے: "وہ معاوضہ جو بیمہ دار کو ادا کرنے کے لئے تحفظ فراہم کرنے والے کے ذمہ ہوتا ہے وہ دراصل رقم یا مقررہ منافع یا کسی اور طرح کا مالی معاوضہ نہیں ہوتا بلکہ یہ معاوضہ تو دراصل ادہ تحفظ ہوتا ہے جو تحفظ دینے والا بیمہ دار کو عطا کرتا ہے۔ اسی سلسلہ میں وہ مزید کہتا ہے کہ "یہ جو معاوضہ ہے۔ یعنی تحفظ۔ یہ بیمہ دار کو فقط معاہدہ ہی سے حاصل ہو جاتا ہے اور یہ خطرہ کے وقوع پذیر ہونے پر موقوف نہیں ہوتا (۱۲)۔ لیکن یہ سب کچھ حقیقت حال کے برعکس اور متین قانون سے متناقض ہے اور جس پر عمل ہو رہا ہے اس سے کسی طور بھی مطابقت نہیں رکھتا، جبکہ محقق کو۔ جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں حقیقت حال ہی کو سامنے رکھ کر اپنا فیصلہ دینا چاہیے اور ایسے مفروضوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔

۳۔ احتمال یا دھوکہ کا کاروبار؛

اس کاروبار کو مصر کے دیوانی قانون کے اس باب میں بیان کیا گیا ہے جسے

جئے، شرط لگانے اور زندگی بھر کے لئے مقرر کردہ آمدنی والے معاملات کے بعد دھوکہ کے معاملات کے بیان کے لئے مختص کیا گیا ہے اور یہ سب کے سب غیر یقینی (احتمالی) یا دھوکہ والے معاملات ہیں۔ کاروبار بیمہ کے غیر یقینی ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس میں فریقین میں سے ہر ایک یعنی تحفظ دینے والے اور تحفظ لینے والے کو معاہدہ کی تکمیل کے وقت معاوضہ کی اس مقدار کا علم نہیں ہوتا جو وہ (دوسرے کو) ادا کرے گا یا (دوسرے سے) وصول کرے گا۔ اس لئے کہ یہ تو اس خطرہ کے وقوع یا عدم وقوع پر موقوف ہوتا ہے جس سے تحفظ دیا گیا ہے، اور اس بات کو صرف اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ حادثہ پیش آئے گا یا نہیں، یا کب پیش آئے گا۔

آپ آگے چل کر پڑھیں گے کہ اس کاروبار میں شدید ترین قسم کا دھوکہ پایا جاتا ہے کیونکہ اس میں صرف مقدار معاوضہ کے سلسلہ میں دھوکہ نہیں پایا جاتا بلکہ اس کے حصول اور معاوضہ میں بھی دھوکہ کار فرما ہے۔ اس لئے کہ بیمہ دار معاہدہ میں طے شدہ اقساط تحفظ دینے والے کو بیمہ کی اس رقم کے بدلے میں ادا کرتا ہے جو بعض اوقات تو اسے مل جاتی ہے اور بعض اوقات وہ اس سے محروم رہ جاتا ہے، خطرہ کے وقوع پذیر ہونے یا نہ ہونے کی بنیاد پر۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں تحفظ دینے والے کا رقم بیمہ کی ادائیگی کی ذمہ داری لینا ایک ایسی ذمہ داری ہے جو امکانی یعنی غیر یقینی ہے اور حادثہ کے پیش آنے یا نہ آنے پر موقوف ہوتا ہے۔ اگر وہ حادثہ پیش آگیا تو ذمہ داری بھی ثابت ہو جائے گی اور نہ پیش آنے کی صورت میں ذمہ داری بھی ختم ہو جاتی ہے۔ لہذا یہ اصل معاملہ میں پایا جانے والا دھوکہ ہے جیسا کہ فقہائے شریعت کہتے ہیں :

کیونکہ وہ معاوضہ جس کی ذمہ داری تحفظ دینے والا لیتا ہے کبھی تو پایا جاتا ہے اور کبھی نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ خود اس کا اپنا وجود خطرے میں ہوتا ہے۔ پھر حادثہ پیش آنے کی صورت میں تحفظ دینے والے کی ذمہ داری ثابت ہو جانے پر بیمہ دار بیمہ کی رقم کا حق دار بن گیا، تب بھی اس کو معاہدہ ہوتے وقت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اسے

نقصانات کے بیمہ کی صورت میں کتنا معاوضہ ملے گا اور نہ ہی وہ جانتا ہے کہ خطرہ کے واقع ہونے اور بیمہ کی رقم کا حق دار بننے سے پہلے وہ تحفظ دینے والے کو کتنی قسطیں ادا کرے گا۔ کیونکہ کبھی تو وہ ایک ہی قسط ادا کرتا ہے اور حادثہ پیش آجانے پر بیمہ کی رقم کا حق دار بن جاتا ہے، اور کبھی اسے کئی قسطیں ادا کرنا پڑتی ہیں۔

دوسری طرف تحفظ دینے والے کے اعتبار سے اس کاروبار کو دیکھیں تو وہ معاہدہ طے پانے کے وقت یہ نہیں جانتا کہ اس نے جس حادثہ کے ساتھ رقم بیمہ کی ادائیگی کو مشروط ٹھہرایا ہے اس کے پیش آجانے سے پہلے اسے کتنی قسطیں ملیں گی۔ کیونکہ کبھی تو بیمہ دار ایک ہی قسط ادا کرنے پاتا ہے کہ حادثہ پیش آجاتا ہے جس کی وجہ سے اسے خود خسارہ برداشت کر کے بیمہ کی رقم ادا کرنی پڑتی ہے۔ اور کبھی وہ تمام قسطیں وصول کر لیتا ہے لیکن حادثہ پھر بھی پیش نہیں آتا اور اس طرح وہ رقم بیمہ کی ادائیگی سے صاف بچ جاتا ہے۔ لہذا یہ بات ثابت ہو گئی کہ یہ سب کا سب دھوکہ اور احتمال پر مبنی کاروبار ہے، جن سے دونوں معاہدہ کرنے والے معاہدہ طے پاتے وقت بے خبر ہوتے ہیں۔

۴۔ یک طرفہ زبردستی کا معاہدہ :

شارحین قانون کی نظر میں بیمہ کے کاروبار کا شمار ان معاملات میں ہوتا ہے جن کی بنیاد اذعان پر ہے اور اس میں من مانی کرنے والی فریق بیمہ کمپنی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ اس کے لئے ایسے قوانین وضع کرتی ہے کہ بیمہ دار اگر پالیسی لینا چاہتا ہے تو اس پر تھوپی گئی، ان شرائط کو قبول کئے بغیر اس کے لئے کوئی چارہ نہیں رہتا۔ ان میں سے اکثر شرائط تو طبعی ہوتی ہیں جبکہ بعض شرائط انتہائی ظالمانہ اور بیمہ دار کے مفادات کے لئے نقصان کا باعث ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روایتی قانون ساز (ادارہ یا شخص) کو اکثر اوقات کاروبار بیمہ میں مداخلت کرتے ہوئے آمرانہ احکام جاری کرنے پڑتے ہیں تاکہ اس طرح بیمہ دار کو تحفظ دینے والے کے ظلم سے بچا کر نقصان برداشت

کرنے سے محفوظ کر دے۔ اس کے لئے وہ ایسی ظالمانہ شرائط کو کالعدم قرار دے دیتا ہے جو عام طور پر یہ بیمہ کمپنیاں اپنے طور پر نافذ کرتی ہیں۔ اور یہ آزادانہ کاروبار کرنے اور اپنے ارادے کے آپ مالک ہونے کے اصول کہ جس پر قانون کی بنیاد ہے کے خلاف ہے۔

سوم — خدمات بیمہ

بیمہ کی خدمات وہ ترغیبات ہیں جو اس کی طرف کھینچتی ہیں اور وہ فوائد و ثمرات ہیں جن کی لوگ اس کاروبار سے توقع رکھتے ہیں۔ شارحین قانون کی نظر میں یہ خدمات تین طرح کی ہیں

۱۔ تحفظ

سب سے اہم کام جو بیمہ، بیمہ دار کے لئے سرانجام دیتا ہے وہ ماہرین قانون کے نزدیک تحفظ ہے۔ مثلاً آگ سے تحفظ کی پالیسی لینے والا اس (آگ) کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اس لئے کہ اگر آگ لگ بھی گئی تب بھی تحفظ فراہم کرنے والا اس آگ کی وجہ سے پہنچنے والے نقصان کی تلافی کرے گا۔ اسی طرح پجوری یا ذمہ داری کے بیمہ دار کا معاملہ ہوتا ہے۔

بیمہ تحفظ فراہم کرنے کا اپنا یہ فریضہ صرف ان حالات میں ادا کرتا ہے جبکہ وہ خطرہ جس سے تحفظ دیا گیا ہے ایسا حادثہ ہو جو بیمہ دار کے لئے ناپسندیدہ ہو یا جس کے پیش آنے سے وہ خوف زدہ ہو جیسے چوری ہو یا آگ لگنا ہے۔ کیونکہ چوری ہونے اور آگ لگنے سے بیمہ دار کو نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لیکن ایسے حالات کہ جن میں اس حادثہ کا پیش آجانا جس سے تحفظ دیا گیا ہے، مبارک و مسعود ہو اور اس کے پیش آنے سے بیمہ دار کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو، جیسے زندگی کے بیمہ

کی صورت میں جب بیمہ دار (پالیسی کی مدت گزارنے کے بعد تک) زندہ رہ جائے تو اس صورت میں اس مقررہ مدت تک بیمہ دار کا زندہ رہنا اس کی خوش قسمتی ہی ہوگی۔ یا مثلاً شادی کرنا، یا اولاد پیدا ہونا، اولاد کے بیمہ کی صورت میں تو ان تمام صورتوں میں بیمہ تحفظ والا فریضہ ادا نہیں کرتا۔ کیونکہ اس وقت کسی تباہی سے دوچار ہونے کا معاملہ درپیش نہیں ہوتا کہ بیمہ دار اس کے وقوع سے خوف زدہ ہو اور اس کے عدم وقوع میں ہی اس کا فائدہ پنہاں ہو، تاکہ یہ کہا جاسکے کہ پالیسی لینے سے اس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ کسی نقصان سے دوچار ہونے سے بچ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ شارحین قانون خود اس بات کی صراحت کرتے ہیں کہ ان حالات میں بیمہ کا فریضہ یہ ہے کہ بیمہ دار کے ساتھ بچت کرنے اور سرمایہ جمع کرنے کے لئے تعاون کیا جائے کیونکہ تحفظ کی تو یہاں پر سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان حالات میں جس چیز پر بیمہ کی رقم موقوف ہے وہ اگر وقوع پذیر ہو بھی جائے تب بھی بیمہ دار کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

۲۔ اعتماد

شارحین قانون کہتے ہیں کہ بیمہ، بیمہ دار کو ایک اور بہت بڑا فائدہ پہنچاتا ہے۔ اور وہ ہے اعتماد کا حصول۔ کیونکہ بعض اوقات بیمہ دار زندگی کا بیمہ کرانے پر اس لئے مجبور ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد اپنے قرض کی توفیق کے لئے اپنی پالیسی کو کسی اور کے پاس رہن رکھوادے۔ اور کبھی کوئی شخص اپنی جائیداد کا بیمہ کرتا ہے، مثلاً آگ سے تحفظ کا، صرف اس لئے کہ اس جائیداد کو گروی رکھ کر قرضہ دینے والے نے اس کے تحفظ کی خاطر بیمہ کرانے کی شرط عائد کی تھی۔ اور اکثر اوقات تو لوگ زندگی کے بیمہ کی پالیسی کو کسی بینک کے پاس گروی رکھ کر قرضہ حاصل کر لیتے ہیں جبکہ یہاں پر بیمہ کمپنی یہ تمام کام خود انجام دیتی ہے۔

۳۔ بچت :

سارہین متا لون بیمہ کی بعض اقسام کو بچت اور سرمایہ کے حصول کے اہم ذرائع میں شمار کرتے ہیں۔ لہذا بیمہ دار بعض اوقات پالیسی اس لئے نہیں لیتا کہ وہ کسی ایسے حادثے سے تحفظ چاہتا ہے جو خود اس کی جان یا اس کے مال کے لئے خطرہ کا باعث ہے بلکہ وہ صرف اس لئے پالیسی لیتا ہے تاکہ اس سے وہ بچت کر کے سرمایہ اکٹھا کر سکے، اس طرح بیمہ زندگی اس کے لئے بچت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ کیونکہ جو شخص زندگی کا بیمہ کرانے کے بعد پالیسی میں درج معترضہ مدت کے گزرنے پر بھی زندہ رہتا ہے تو وہ بیمہ کی رقم کا حق دار بن جاتا ہے۔ اور یہ رقم ہمیشہ اس کی ادا کردہ اقساط کے کل میزان سے زیادہ ہوتی ہے۔

جب ہمیں یہ بات معلوم ہوگئی کہ ان حالات میں بیمہ دار کو مقررہ وقت تک زندہ رہنے کی صورت میں کوئی نقصان نہیں پہنچتا کہ جس کی تلافی کرنے اور اس کے اثرات کو دور کرنے کے لئے یہ بیمہ کی رقم کا محتاج ہے۔ تو یہ بات از خود واضح ہوگئی کہ ایسی صورت میں بیمہ پالیسی لینے کا مقصد صرف اور صرف بچت کرنا اور سرمایہ جوڑنا ہے۔ خود بیمہ کے قوانین بیمہ دار کو یہ حق دیتے ہیں کہ اس قسم کے بیمہ میں چاہے خطرہ کے وقوع سے اسے کوئی نقصان نہ بھی پہنچا ہو تب بھی وہ بیمہ کی رقم لے سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کے حالات میں بیمہ لینے کا مقصد کسی ایسے نقصان کو جو خطرہ کے وقوع پذیر ہونے پر موقوف ہو، کو دور کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اس سے پہلے مقصد بیمہ دار کے لئے سرمایہ جوڑنا ہے۔ بیمہ زندگی ہی کی طرح شادی کا بیمہ اور اولاد کا بیمہ بھی ہیں۔

بجٹ دوم

بیمہ کی اقسام

شارحین قانون بیمہ کو باعتبار ایک نوع کے، اور جن خطرات سے تحفظ فراہم کیا جاتا ہے ان کے اعتبار سے، اور جس صورت میں یہ کاروبار عملی طور پر ہوتا ہے یعنی جس حیثیت سے بیمہ کمپنیاں یہ کاروبار چلاتی ہیں اس کے لحاظ سے متعدد اقسام میں تقسیم کرتے ہیں، (۱۳)

پہلا باب : بیمہ کی تقسیم باعتبار ان خطرات

کے جن سے تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔

خطرات سے تحفظ والا بیمہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ بحری بیمہ اور بری بیمہ۔

بحری بیمہ : یہ اس بیمہ کو کہتے ہیں جس میں ان خطرات سے تحفظ فراہم کیا جاتا ہے جو بحری نقل و حمل کے سلسلہ میں پائے جاتے ہیں۔ چاہے یہ سامان کا بیمہ ہو یا خود سمندری جہازوں کا۔ بحری بیمہ میں دریاؤں، نہروں اور آبی گزرگاہوں کے ذریعے نقل و حمل کو درپیش خطرات کا بیمہ بھی شامل ہے۔

بری بیمہ : بری بیمہ میں وہ تمام انواع بیمہ شامل ہیں جنہیں ان خطرات سے تحفظ دیا جاتا ہے جو بحری خطرات اور اس کے متعلقہ انواع کے علاوہ ہوں۔ اور ہوائی بیمہ بھی اپنے اکثر احکام میں بری بیمہ کی طرح ہوتا ہے۔

بری بیمہ کی اپنے دائرہ کار کے اعتبار سے دو بڑی قسمیں ہیں :

(۱) شخصی بیمہ - (۲) نقصانات کا بیمہ۔

پہلی قسم : شخصی بیمہ :

اس سے مراد ان خطرات سے بیمہ کرنا ہے جو شخص یعنی فرد کو اس کی زندگی، جسم کی سلامتی، اس کی صحت یا اس کے کام کرنے کی صلاحیتوں کو لاحق ہوتی ہیں۔ یہ بیمہ دراصل معاوضہ کا بیمہ نہیں ہوتا جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ کیونکہ اس میں بیمہ دار بیمہ کی مقررہ رقم کا حق دار بن جاتا ہے اور اس کے لئے اسے خود کو پہنچنے والے کسی نقصان کا ثبوت پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی اور اس میں یہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ بیمہ کی جو رقم وہ لیتا ہے وہ اسے پہنچنے والے نقصان کے مساوی ہو۔ شخصی بیمہ

کے دو حصے ہیں :

زندگی کا بیمہ -

حادثات کا بیمہ

پہلا حصہ : زندگی کا بیمہ :

اس قسم کے بیمہ کی تین حالتیں ہیں :

۱۔ بیمہ کرانے کے بعد مرجانا۔

۲۔ بیمہ کرانے کے بعد زندہ رہنا

۳۔ مخلوط بیمہ زندگی۔

پہلی حالت : بیمہ کرانے کے بعد (اس کی مدت گزرنے سے پہلے) مرجانا :

شارحین قانون اس بیمہ کی تین صورتیں بیان کرتے ہیں :

(۱) تاحیات بیمہ (۲) میعادی بیمہ (۳) بیمہ بشرط بقا۔

پہلی صورت : تاحیات بیمہ -

اس صورت میں تحفظ فراہم کرنے والا مستفید کو بیمہ کی رقم، بیمہ زندگی کے

حامل بیمہ دار کی وفات پر ادا کر دیتا ہے، چاہے اس کی وفات کسی بھی وقت ہو۔

یہ غیر میعادی بیمہ کہلاتا ہے، اس لئے کہ یہ پالیسی بیمہ زندگی کی پالیسی لینے والے

کی تمام زندگی جاری رہتی ہے اور وہ بیمہ کی رقم کا حق دار اس وقت تک نہیں بنتا

جب تک کہ وہ فوت نہ ہو جائے، چاہے اس کی عمر کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو جائے۔

دوسری صورت : میعادی بیمہ :

اس صورت میں تحفظ فراہم کرنے والا مستفید کو بیمہ کی رقم اس وقت ادا

کر دیتا ہے جب زندگی کے بیمہ کی پالیسی لینے والا شخص ایک مقررہ مدت کے اندر

فوت ہو جاتا ہے اور اگر اس مقررہ مدت کے اندر وہ فوت نہیں ہوا تو تحفظ فراہم

کرنے والا بری الذمہ ہو جاتا ہے اور بیمہ کی اقساط جو اس نے وصول کی ہیں اسی کی ہو جاتی ہیں۔

تیسری صورت: بیمہ زندگی بشرط بقاء

اس صورت میں تحفظ فراہم کرنے والا مستفید کو بیمہ کی رقم اس صورت میں ادا کرتا ہے جب بیمہ زندگی کا بیمہ دار اس (مستفید) سے پہلے مر جائے۔ اور اگر مستفید بیمہ دار سے پہلے مر گیا تو بیمہ ختم ہو جاتا ہے، تحفظ فراہم کرنے والا بیمہ کی رقم سے بری ہو جاتا ہے اور جو اقساط وہ وصول کر چکا ہوتا ہے وہ اسی کی ہو جاتی ہیں۔

دوسری حالت: بیمہ کرانے کے بعد مدت گزرنے پر بھی زندہ رہنا

اس طرح کے معاہدہ بیمہ کی رو سے تحفظ فراہم کرنے والے کی یہ ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ اقساط کے بدلے میں ایک مقررہ وقت گزرنے پر اگر بیمہ دار اس وقت تک زندہ رہ جائے تو اسے بیمہ کی رقم ادا کر دے۔ اس میں اکثر اوقات بیمہ دار ہی مستفید ٹھہرتا ہے۔ لہذا معاہدہ بیمہ کے دستاویزات میں متعین کردہ مدت گزر جانے پر وہ اگر زندہ رہ جائے تو بیمہ کی رقم کا حق دار بن جاتا ہے۔ اور اگر وہ اس مقررہ مدت سے پہلے ہی مر گیا تو بیمہ ختم ہو جاتا ہے، تحفظ فراہم کرنے والا بری الذمہ ہو جاتا ہے اور جو اقساط اس نے وصول کی ہیں اسی کی ہو جاتی ہیں۔ اور یہ بات واضح ہے کہ زندہ رہ جانے کی صورت والے بیمہ میں مستفید کا حق ایک احتمالی حق ہے جو کہ غیر مستحکم ہے۔ اس لئے کہ کبھی تو وہ بیمہ کی رقم کا حق دار بن جاتا ہے اس صورت میں جب وہ مقررہ مدت گزرنے کے بعد زندہ رہ جائے اور کبھی اس سے محروم ہو جاتا ہے جب وہ اس مدت سے پہلے ہی مر جائے۔

تیسری حالت : مخلوط بیمہ :

اس طرح کے معاہدہ بیمہ کی رو سے تحفظ فراہم کرنے والا اقساط کے بدلے میں مستفید کو بیمہ کی رقم ادا کرتا ہے اہل سرمایہ کی شکل میں یا اس پر جو مستافع ہے (اس کے ساتھ) جب بیمہ دار ایک مقررہ مدت کے دوران مر جائے یا خود بیمہ دار کو ادا کرتا ہے اگر تو وہ خود اس مقررہ مدت کے گزر جانے کے بعد بھی زندہ رہے۔ معلوم ہوا کہ بیمہ کی یہ قسم بیمہ کی دوسری دو قسموں پر مشتمل ہے بائیں طور کہ جب مقررہ مدت کے دوران بیمہ دار مر جائے تو یہ بعینہ بیمہ کرانے کے بعد مر جانے کی صورت والی قسم ہے اور جب مقررہ مدت گزرنے کے بعد بھی بیمہ دار زندہ رہ جائے تو یہ بعینہ بیمہ کرانے کے بعد زندہ رہ جانے کی صورت والی قسم ہے۔

دوسرا حصہ : حادثات کا بیمہ۔

اس معاہدہ بیمہ کے رو سے تحفظ فراہم کرنے والا اقساط کے بدلے میں جس حادثہ سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے اس کے پیش آنے پر بیمہ دار کو بیمہ کی رقم ادا کر دیتا ہے۔ مثلاً وہ کسی ناگہانی حادثے میں مر جائے یا اس کے جسم کو کوئی ایسا نقصان پہنچے جو اسے کام کرنے سے مستقل یا عارضی طور پر معذور بنا دے۔ امراض کا بیمہ کرنا بھی حادثات کے بیمہ کی ذیل میں آجاتا ہے۔ اس قسم کے بیمہ میں آدمی اپنے جسم کا بیمہ کراتا ہے اور بیماری کی وجہ سے کام کرنے سے معذور ہو جانے کی صورت میں وہ بیمہ کی رقم وصول کرتا ہے۔ اس میں اس بیماری کے علاج پر ہونے والے اخراجات بھی شامل ہوتے ہیں۔

دوسری قسم : نقصانات کا بیمہ۔

اس نوعیت کے بیمہ کا تعلق بیمہ دار کی ذات سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق اس کے مال سے ہوتا ہے۔ اس بیمہ کے ذریعے وہ اپنے مال کو ممکنہ

نقصان سے محفوظ کر لیتا ہے۔ اور اس نقصان کی وجہ سے وہ بیمہ کمپنی سے اس کا ایسا معاوضہ طلب کرتا ہے جو بیمہ کی اس قسم کی مقدار کے اندر اندر ہو جس پر اتفاق ہوا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے بیمہ میں معاوضہ کی صورت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ بیمہ دار تحفظ فراہم کرنے والے سے کسی قسم کا معاوضہ اس وقت تک وصول نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کے مال کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ اور یہ معاوضہ ہمیشہ اس نقصان کی مقدار کے اندر اندر ہوگا جو اسے پہنچا ہے۔ اس نوعیت کے بیمہ کے دو حصے ہیں۔

پہلا حصہ: سامان کا بیمہ۔

اس بیمہ سے مقصود ان نقصانات سے تحفظ کا حصول ہوتا ہے جو کسی خاص چیز کو پہنچیں۔ جیسے گھر کا بیمہ آگ لگنے سے، کھیتوں کا بیمہ تلف ہو جانے سے۔ جانوروں کا بیمہ مرجانے سے، چوری اور تباہی سے تحفظ کا بیمہ اسی طرح قرض کا بیمہ وغیرہ۔

دوسرا حصہ: ذمہ داری کا بیمہ۔

اس قسم کے بیمہ میں آدمی خود کو اس نقصان سے محفوظ رکھنے کے لئے بیمہ کرتا ہے جو اس کے مال کو اس کی اس ذمہ داری کی بنا پر پہنچ سکتا ہے جو اس نے نقصان رسیدہ شخص کی طرف سے خود قبول کی ہے۔ اور جس کی وجہ سے وہ نقصان رسیدہ شخص اس نقصان کا اس آدمی سے معاوضہ وصول کر لیتا ہے۔ اس صورت میں بیمہ کمپنی براہ راست نقصان یافتہ شخص کو معاوضہ نہیں دیتی بلکہ بیمہ دار اس کو اس کے نقصان کا معاوضہ ادا کر دیتا ہے اور پھر جتنا اس

نے اُسے ادا کیا ہے وہ بیمہ کمپنی سے وصول کر لیتا ہے۔

ایسی ذمہ داریاں جن کی خاطر لوگ بیمہ کرانے ہیں بہت سی ہیں؛ مثلاً بعض اوقات آدمی اپنی اس ذمہ داری کا بیمہ کراتا ہے جو اس کی گاڑی کے حادثہ کی صورت میں اس پر عائد ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات آگ لگنے کی ذمہ داری کا یا اپنے پیشہ ورانہ ذمہ داری کا یا نفل و حمل کے سلسلہ میں اس پر عائد ذمہ داری کی وجہ سے حادثات سے بچاؤ کا بیمہ کراتا ہے۔ البتہ اجر کام کے دوران حادثات کا جو بیمہ کراتا ہے وہ اجتماعی بیمہ کے تحت آتا ہے۔

ان ذمہ داریوں میں سے بعض اقسام کا بیمہ کرانا لازمی ہوتا ہے جیسے لیبر انشورنس (محنت کا بیمہ) یا گاڑیوں کا بیمہ کرانا، جبکہ بعض اقسام کا بیمہ کرانا اختیاری ہوتا ہے اور یہی قسم زیادہ رائج ہے۔

دوسرا باب

کاروبار بیمہ عملی طور پر جس طرح ہوتا ہے اور جس طریقے سے بیمہ کمپنیاں اس کو چلاتی ہیں اس کے اعتبار سے بیمہ کی اقسام

بیمہ اپنے نظام اور نظریہ کے اعتبار سے بعض فوائد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ بیمہ کی اس صورت کو ہم نے اس کاروبار بیمہ سے الگ بیان کیا ہے جسے کوئی مخصوص ادارہ اپنے انداز میں چلاتا ہے اور جن خطوط پر عملاً یہ کاروبار منظم ہوتا ہے اور اس کے فوائد ظاہر ہوتے ہیں۔

اب ہم بیمہ کی ان مختلف حالتوں کو بیان کریں گے اور ان اداروں کا ذکر کریں گے جو اسے چلاتے ہیں۔

کاروبار بیمہ عملاً جن صورتوں میں چلایا جاتا ہے اس کی تین حالتیں ہیں جو

یہ ہیں :

اجتماعی بیمہ - اسے حکومت خود چلاتی ہے۔

یاہمی یا تبادلی بیمہ - اسے امداد یاہمی کی انجمنیں چلاتی ہیں۔

مقررہ قسط والا بیمہ - اسے بیمہ کمپنیاں چلاتی ہیں۔

اول : اجتماعی بیمہ :

اپنی ضروریات کی خاطر محنت مزدوری پر بھروسہ کرنے والے مزدوروں کے مفاد میں بیمہ کا یہ کاروبار حکومت خود کرتی ہے۔ اس قسم کے بیمہ کے ذریعے کام

کے دوران پیش آنے والے حادثات یا امراض کی وجہ سے معذور ہو جانے کی صورت میں یا بڑھاپے میں مزدوروں کا بیمہ کیا جاتا ہے۔ اس کے فنڈز کے لئے خود مزدور اور آجر حضرات اور حکومت اپنا اپنا حصہ ادا کرتے ہیں۔ بعض اوقات حکومت اس کاروبار کو چلانے کے لئے یہ کام اپنے کسی ادارے کے سپرد کر دیتی ہے۔ جیسے مصر میں اس مقصد کے لئے اجتماعی بیمہ کا ادارہ موجود ہے۔

دوم: باہمی تبادلہ بیمہ

یہ کاروبار امداد باہمی کی انجمنیں چلاتی ہیں جو ایسے ارکان سے مل کر بنتی ہیں جنہیں ایک ہی طرح کے خطرات کا سامنا ہوتا ہے اس مقصد کے لئے یہ ارکان باہم اس پر اتفاق کر لیتے ہیں کہ ان میں سے جس کسی کو بھی کسی خاص عرصہ کے دوران کوئی حادثہ پیش آ گیا تو اس سے پہنچنے والے نقصان کی تلافی کے لئے اسے اس مجموعی رقم میں سے جو تمام ارکان اس انجمن کو ادا کریں گے، معاوضہ ادا کر دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حصہ غیر متعین ہوتا ہے اور ان معاوضوں کی مقدار کی وجہ سے جو انجمن سال بھر کے دوران ادا کرتی ہے ان حصص کی مقدار میں بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ لہذا شروع میں تو ہر رکن ایک مقررہ حصہ ہی ادا کرتا ہے لیکن سال کے اختتام پر جب حادثات کی وجہ سے نقصان رسیدہ ارکان کو ادا کردہ معاوضوں کی قیمت لگائی جاتی ہے (تو آمدنی و اخراجات کے توازن کو دیکھا جاتا ہے) اگر معاوضہ جات کی رقم ارکان کی طرف سے ادا کردہ رقم سے زیادہ ہوئی تو ہر رکن سے مزید رقم وصول کی جائے گی اور اگر ارکان کی طرف سے ادا کردہ رقم معاوضوں کے مقابلے میں زیادہ ہوئی تو انجمن زائد رقم انہیں واپس کر دے گی۔

ان انجمنوں کے علاوہ بیمہ کی بعض ایسی انجمنیں بھی پائی جاتی ہیں جو صورتاً تبادلہ بیمہ کی طرح ہوتی ہیں جن کے حصص یا تو مقررہ ہوتے ہیں یا غیر متعین اور ان

کے لئے سرمایہ اس کے بانی خود فراہم کرتے ہیں جو شراکتی بیمہ کمپنیوں میں رأس المال
دراصل کے قائم مقام ہوتا ہے۔

باہمی بیمہ کی انجمنوں کو چاہے وہ حقیقتاً تبادلی ہوں یا صورتاً تبادلی بیمہ والی
ہوں، جو چیز تجارتی بیمہ کمپنیوں سے ممتاز کرتی ہے وہ ان انجمنوں کا بغیر کسی منافع کے
اس کا دوبارہ کو چلانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا نہ تو کوئی بنیادی سرمایہ ہوتا ہے اور نہ
ہی اس کے حصہ دار اپنے حصول پر منافع کا تقاضا کرتے ہیں کہ اس طرح وہ خود تحفظ
یا فائدہ بن جائیں اور اس کا دوبارہ کو چلانے والے انہیں تحفظ فراہم کرنے والے بن جائیں۔
بلکہ باہمی بیمہ کی انجمن کے تمام ارکان بیمہ کا باہم تبادلہ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک
دوسرے کو تحفظ فراہم کرتا ہے لہذا وہ سب کے سب بیک وقت تحفظ دینے والے
بھی ہوتے ہیں اور تحفظ لینے والے بھی۔ اسی بنیاد پر انہیں "باہمی امداد کی انجمنیں" کہا
جاتا ہے۔

انجمن امداد باہمی کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے ایک سال کی اقساط دوسرے
سال کی اقساط سے مختلف ہوتی ہیں اس رقم کی مناسبت سے جو یہ انجمنیں ہر سال اپنے
ارکان کو معاوضہ کی شکل میں دیتی ہے۔ اسی وجہ سے اس کے ارکان جو اقساط اسے
ادا کرتے ہیں وہ غیر متعین حصص کی شکل میں ہوتی ہیں۔ اگرچہ اس میں یہ پہلو بھی واضح
ہوتا ہے کہ آخری دنوں میں ان قسطوں کو مقررہ حصص کی شکل دے دی جائے گی۔
اس کے مقابلے میں تجارتی بیمہ کمپنیاں یہ سب کچھ منافع کے حصول کی خاطر کرتی
ہیں اور ان کمپنیوں کا بنیادی سرمایہ بھی ہوتا ہے جس کی کم از کم مقدار قوانین کے
تحت طے شدہ ہوتی ہے اسی طرح تجارتی کمپنیوں میں اقساط بھی ہمیشہ مقرر ہوتی
ہیں جس کی بناء پر اسے مقررہ اقساط والی بیمہ کمپنی بھی کہا جاتا ہے۔

سوم: مقررہ قسط والا بیمہ :

اس قسم کا بیمہ شراکتی بیمہ کا دوبارہ کرنے والی تجارتی کمپنیاں کرتی ہیں۔ یہ

ایسی کمپنیاں ہوتی ہیں جو بنیادی سرمایہ سے تشکیل پاتی ہیں جسے اس کمپنی کے حصہ دار خود فراہم کرتے ہیں تاکہ اس طرح وہ منافع حاصل کر سکیں۔ اور یہ بیمہ کمپنی اپنے بیمہ داران سے مکمل طور پر الگ اور جدا ہوتی ہے اور ان سے صرف کاروبار کی حد تک تعلق رکھتی ہے۔ ان کمپنیوں کے حصہ داران تحفظ دینے والے کہلاتے ہیں اور وہ لوگ جو اس کمپنی کے ساتھ کاروبار کرتے ہیں وہ تحفظ یافتہ کہلاتے ہیں۔ حالانکہ ان دونوں گروہوں کے مفادات بالکل مختلف اور متضاد ہوتے ہیں۔

اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تحفظ دینے والا جب کمپنی ہو تو اس کاروبار کو چلانے کا اصل مقصد اس کے لئے مال کا حصول ہی ہوتا ہے جو اقساط کی صورت میں اسے ملتا ہے تاکہ وہ اسے حاصل کرنے کے بعد منافع کے مختلف کاروباروں میں اپنی مرضی سے سرمایہ کاری کر کے مالی منافع حاصل کرے تاکہ پیرداران کو نقصانات کے معاوضوں کی ادائیگیوں سے جب کچھ بچ جائے تو وہ اس کمپنی کا ہو۔ اس بقیہ رقم میں اس کے کام کرنے کی مزدوری اور بنیادی سرمایہ کا منافع شامل ہوتا ہے (۱۴)۔

”اگر تحفظ دینے والا امداد باہمی کی کوئی انجمن ہو، جس کی بنیاد خود اس کے شرکاء نے رکھی ہو یا اس کا بانی حکومت کی طرف سے مقرر کردہ کوئی ادارہ ہو تو اس کے لئے اس کاروبار کو چلانے کا مقصد صرف اس کے شرکاء کے درمیان تعاون اور باہمی ذمہ داری کو عملی طور پر پہنانا ہی ہوتا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس کے ارکان میں سے کسی کو پہنچنے والے خطرات اور نقصانات کے بوجھ کو تمام ارکان پر تقسیم کر دیا جاتا ہے اور نقصان رسیدہ رکن کو ان جمع شدہ اقساط میں سے معاوضہ ادا کر دیا جاتا ہے جو دراصل سب کا مال ہیں۔ اس طرح اسے اس نقصان کے اثرات سے بچایا جاتا ہے جسے وہ تنہا سہار نہیں سکتا۔ اس صورت میں دراصل نقصان کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا ہے یا اسے اس طرح تقسیم کر دیا جاتا ہے کہ اس کے اثرات محسوس ہی نہیں ہوتے۔ اس میں منافع کا حصول یا دولت مند بننے کے لئے مال جمع کرنے کا مقصد کسی طور پر بھی کارفرما نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں اصل مال

کو بڑھانا مقصود ہوتا ہے کہ جسے اس کے مالک نے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے لئے اس کاروبار میں لگایا ہو۔ اگر اس میں اس قسم کا کوئی مقصد کارفرما ہو بھی تو وہ بغیر کسی ارادے اور مقصد کے ہوتا ہے (۱۵)

آگے چل کر ہم تفصیل سے بیان کریں گے کہ اجتماعی بیمہ و باہمی بیمہ کے اعراض و مقاصد اور شراکتی بیمہ کمپنیاں جو کاروبار کرتی ہیں اس کے اعراض و مقاصد کے درمیان جو فرق ہے وہ دونوں طرح کے کاروبار بیمہ کے بارے میں حکم شرعی کے سلسلہ میں اثر انداز ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بیمہ کے معاہدے ایسے معاملات ہیں جن میں دھوکہ اور خطرہ ہمیشہ پایا جاتا ہے۔ جبکہ اس طرح کا خطرہ اور دھوکہ خیراتی امور میں تو جائز ہے لیکن معاوضہ والے معاملات میں نہیں اور بیمہ کمپنیاں اپنے بیمہ دار کے ساتھ جو معاہدہ کرتی ہیں وہ معاوضہ والے معاملات میں شامل ہے نہ کہ تبرع و خیرات والے معاملات میں۔ لہذا اس سے اس کاروبار کا ناجائز ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ رہا اجتماعی بیمہ یا تبادلی بیمہ (بیمہ باہمی) تو ان میں تبرع و خیرات کی صفات پائی جاتی ہیں۔ کیونکہ ان میں نفع کی گنجائش بالکل نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ انہیں امداد باہمی کا ہر رکن اپنی قسط، خیرات کے طور پر ادا کرتا ہے تاکہ وہ خیرات کے اس مال میں جمع ہو جائے جس کا ایک نگران ہے اور جس کسی کو بھی کسی حادثے کے سبب کوئی نقصان پہنچے تو اس کے معاوضے کے لئے وہ مال کافی ہو سکے۔

فصل دوم

بیمہ کاشتکاری حکم

فصل دوم

بیمہ کا شرعی حکم

ہم اس بحث کے شروع میں واضح کر چکے ہیں کہ کاروبار بیمہ ان جدید معاہدوں میں سے ایک ہے جن کا دور اجتہاد میں کوئی وجود نہ تھا: اور یہ بھی ہم نے بیان کیا تھا کہ اس کاروبار کا نیا ہونا اس کے شرعی حکم کے سلسلہ میں علماء عصر حاضر کے درمیان اختلافات کے پیدا ہونے کا سبب بنا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء نے بیمہ کے کاروبار کو جائز اور مباح قرار دے دیا ہے اس بنیاد پر کہ انھیں ایسی کوئی دلیل نہیں ملی جو اس کے حرام ہونے کے سلسلہ میں کافی ہو لہذا انہوں نے اسے شریعت کے اس مشہور قاعدہ پر محمول کیا کہ اصل اشیا میں جواز ہے اور عدم جواز ایک ایسا استثناء ہے جس کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسری طرف علماء کے دوسرے فریق نے اسے حرام ٹھہرایا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک حرمت کی دلیل ثابت ہو گئی ہے اور اس دلیل حرمت کے خلاف انہیں ایسی کوئی دلیل نہیں ملی جو دلیل حرمت پر عمل پیرا ہونے سے روکتی ہو۔ اس مسئلہ میں ایک تیسرا فریق بھی ہے جو بیمہ کی مختلف اقسام میں فرق کر کے حکم شرعی لگاتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ایسی دلیل موجود ہے جو اس قسم کی تفریق کا تقاضا کرتی ہے۔

میں نے یہاں مناسب خیال کرتے ہوئے اس فصل کو تین مباحث میں تقسیم کر دیا ہے، جن میں سے پہلی بحث کو اس خاص نقطہ کے بیان کے لئے مخصوص کر دیا گیا جس پر بھرپور توجہ دینا اس قسم کے معاہدوں کا حکم شرعی بیان کرنے کی خاطر انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ اور وہ نقطہ ہے محل اختلاف کی تعریف کرنا یا کاروبار بیمہ کے سلسلہ میں بحث کرنے والوں کے درمیان پائے جانے والے نقطہ ہائے اتفاق و اختلاف کو بیان کرنا۔ اس طرح کی تعریف جیسا کہ میں نے اس کتاب کے مقدمہ میں کہا ہے۔ میدان نزاع کو محدود کر دیتی ہے اور ان معاہدوں کے بارے میں حق تک پہنچنے کی خاطر محققین کے لئے مددگار ثابت ہوتی ہے۔

رہی دوسری بحث تو اس میں وہ محل اختلاف جس کی میں نے بحث اول میں تعریف بیان کی ہے اس کے بارے میں اپنی اس رائے کو بیان کروں گا جس تک میں پہنچا ہوں۔ پہلے اپنی رائے کے دلائل بیان کروں گا اور پھر ان دلائل پر کئے جانے والے اعتراضات کا جواب دوں گا۔

اور تیسری بحث کو میں نے بیمہ کے کاروبار کے سلسلہ میں اپنی قائم کردہ رائے پر مخالفین کے شبہات کو بیان کرنے اور پھر دلائل و براہین کی روشنی میں ان شبہات کی تردید کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔

بحث اول

بیمہ کی وجہ (محلّ) اختلاف کی تعریف

اس کتاب کی فصل اول میں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے، شارحین قانون بیمہ کے لفظ کو بعض اوقات اپنے عام مفہوم میں لیتے ہوئے اس سے قاعدہ اور نظریہ مراد لیتے ہیں اور کبھی اس سے مراد ان کے ہاں وہ ذریعہ ہوتا ہے جس سے کہ یہ قاعدہ نافذ ہوتا اور یہ نظریہ عملی جامہ پہنتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ کاروبار بیمہ کو چلانے والے مختلف اداروں کی مناسبت اور بیمہ داروں سے ان کے طے کردہ مختلف النوع معاہدوں کی وجہ سے یہ ذریعہ بھی بدلتا رہتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ عملی طور پر یہ کاروبار جس طرح ہوتا ہے اس سے بیمہ کے نظریہ کی تطبیق کی تین شکلیں سامنے آتی ہیں۔ ہماری مراد اس سے یہ ہے کہ ان اغراض و مقاصد کا حصول جن پر بیمہ کے نظریہ کی بنیاد اور اس کا نظام قائم ہے۔

پہلی شکل: اسے اجتماعی بیمہ کہا جاتا ہے۔ اسے یا تو حکومت خود چلاتی ہے یا اسے چلانے اور منظم کرنے کا کام وہ اپنے کسی عام ادارے کے سپرد کر دیتی ہے۔

دوسری شکل: اسے باہمی بیمہ کہا جاتا ہے جسے امداد باہمی کی انجمنیں تحفظ کے تبادلہ کے لئے کرتی ہیں۔

تیسری شکل: اسے مقررہ قسط والا بیمہ کہا جاتا ہے اور اسے بیمہ کمپنیاں چلاتی ہیں۔

اس کتاب کی فصل اول میں میں نے ان صورتوں میں سے ہر ایک صورت کی حقیقت بیان کر دی ہے، اور ان کی وہ خصوصیات بھی بیان کر دی ہیں جن سے یہ ایک دوسرے سے علیحدہ اور ممتاز ہوتی ہیں۔ وہاں پر مختصراً میں نے ان کے بارے میں شرعی حکم کی طرف بھی اشارہ کر دیا تھا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ اس پر مفصل بحث کی جائے۔

وہ سوال جس کی خاطر ہم نے اس تحقیق کا بیڑا اٹھایا ہے، یہ ہے کہ :

بیمہ کے بارے میں محققین کے نزدیک جو اختلاف پیدا ہو گیا ہے، کیا وہ نظریہ اور

اس کے نفاذ کے سلسلہ میں ہے یا صرف نفاذ کے بارے میں ہے؟ نفاذ سے میری مراد بیمہ کی وہ شکل ہے جو نظریہ بیمہ کے نفاذ کے سلسلہ میں عملی طور پر سامنے آیا ہے۔ اور اگر محققین کے نزدیک اختلاف صرف نفاذ کے بارے میں ہے تو اس کے نفاذ کی وہ کونسی صورتیں ہیں جن پر ان کا اتفاق ہے، اور کونسی صورتیں ایسی ہیں جن پر ان کا اختلاف ہے؟ اور ان صورتوں سے جن کے حکم کے سلسلہ میں ان کا اختلاف ہے، اس میں اس اختلاف کی اصل بنیاد کیا ہے؟

ان تمام سوالوں کے جواب اس تحقیق کا بہت ہی اہم حصہ ہیں، جن سے حق کو واضح کرنے کے سلسلہ میں بہت مدد ملتی ہے۔

اب ہم ان تمام سوالات میں سے ہر ایک کا جواب ایک ایک کر کے پیش کرتے ہیں:

اول : بیمہ کا نظریہ :

ہمارے خیال میں معاہدات بیمہ کے بارے میں تحقیق کرنے والوں میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہیں جو نظریہ بیمہ اور اس کے نظام کہ جن کی بنیاد مسلمانوں کے درمیان تعاون اور باہمی ذمہ داری کے مقاصد پورے کرنے کی کوششوں پر ہو، کے جائز ہونے کا مخالف ہو، کیونکہ امت مسلمہ کے تمام افراد کے مابین تعاون اور باہمی ذمہ داری ایسے امور ہیں جو مقاصد شریعت سے نہ صرف ہم آہنگ ہیں بلکہ خود شریعت کے بنیادی قواعد ان کے

متقاضی ہیں۔ میرے خیال میں یہ بات تو اس قدر واضح ہے کہ اس کے لئے کسی دلیل یا ثبوت کی ضرورت نہیں۔

اور شاید یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ غرض و غایت کا جواز الگ چیز ہے اور اس غرض و غایت تک پہنچنے کا ذریعہ اور حصول مقصد کے طریقہ کا جواز الگ چیز ہے۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ نے جہاں بھی اغراض و مقاصد کی تعریف و تحدید کی ہے وہاں اس نے ان طریقوں کو بھی متعین کر دیا ہے جن سے ان اغراض و مقاصد کا حصول ممکن ہوتا ہے۔ لہذا یہ ضروری ہے کہ نہ صرف غرض جائز ہو بلکہ اس تک پہنچنے کا جو ذریعہ ہو وہ بھی جائز ہو۔ اسلام میں اس اصول کی کہ غرض ذریعہ کو جائز بنا دیتی ہے، کوئی گنجائش نہیں ہوائے ان وسائل کی نسبت سے کہ جن میں شریعت خاموش ہے یعنی جن کے خلاف شریعت میں کوئی دلیل موجود نہیں، جبکہ آگے چل کر آپ خود دیکھیں گے کہ ہمہ کسبیاں ہمہ کے لئے جو معاہدے کرتی ہیں، ان کے خلاف دلیل شرعی موجود ہے اور یہ ان ذرائع میں سے نہیں جہاں شریعت یقینی طور پر خاموش ہے۔

میں نے اس کتاب کی فصل اول میں خبردار کر دیا تھا کہ درست استدلال کے مناسیح میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں کہ غرض و غایت کے جواز سے اس تک پہنچانے والے تمام ذرائع و وسائل کے جواز کے لئے ان وسائل کے خلاف شرعی دلائل کو نظر انداز کرتے ہوئے استدلال کیا جائے۔ جواز ہمہ کے قائل حضرات کے شبہات کا ہم جہاں جواب دیں گے، وہاں آپ دیکھیں گے کہ ان شبہات میں سے بعض کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ تعاون، باہمی ذمہ داری اور اقتصادی ترقی کے جواز ہی سے ان معاہدوں کے جواز کے لئے استدلال کیا گیا ہے۔ باوجودیکہ وہ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ ان معاملات کی بنیاد دھوکہ اور خطرہ پر قائم ہے۔

ہماری رائے میں یوں کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا؛ کہ اگر معاہدات ہمہ دھوکہ پر مبنی ہوں تو وہ باطل معاہدے ہوں گے، چاہے کسی کے نزدیک یہ تعاون اور باہمی ذمہ داری کوئی عملی جامہ

ہی کیوں نہ پہنارہے ہوں، اور اگر وہ دھوکہ پر مبنی نہ ہوں تو یہ درست ہوں گے اور ان کے صحیح ہونے کے لئے یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی کہ ان سے تعاون اور باہمی ذمہ داری کو فروغ مل رہا ہے، کیونکہ معاملات میں اصل تو ان کا حلال اور جائز ہونا ہے، جبکہ حرمت و ممانعت تو ایک استثنائی امر ہے جو دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ نکلا کہ جن اغراض و مقاصد پر بیمہ مشتمل ہے، وہ تو جائز اغراض و مقاصد ہیں کیونکہ تعاون اور باہمی ذمہ داری مقاصد شریعت سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہیں اور خود شریعت کے بنیادی قواعد و اصول اس کے متقاضی ہیں۔ لہذا بیمہ باعتبار نظریہ اور فکر کے موضوع اختلاف میں داخل نہیں ہے۔ لیکن اس کا جواز اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے اس بات کا لازمی طور پر متقاضی نہیں کہ ان معاہدوں کو بھی جائز قرار دیا جائے جو اگرچہ اس فکر اور نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کئے جاتے ہیں، لیکن ہر امر دھوکہ پر مبنی ہوتے ہیں۔

دوم: اجتماعی بیمہ!

یہ تو آپ جان چکے ہیں کہ اجتماعی بیمہ کا کاروبار خود حکومت کرتی ہے یا اس کا انتظام و انصرام وہ اپنے کسی عام ادارے کے حوالے کر دیتی ہے اور اس کے ذریعے حکومت عوام کے بعض طبقات کو بعض خطرات سے تحفظ فراہم کرتی ہے۔ جیسے مزدوروں کا معذور ہو جانے، بیمار پڑ جانے اور بڑھاپے کے خلاف بیمہ کرنا۔

ہمارے نزدیک اس قسم کا بیمہ جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہماری اس رائے کی تائید علماء شریعت میں سے بیمہ پر تحقیق کرنے والے تمام محققین کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیمہ میں ممانعت کی دلیل تو دھوکہ ہے۔ اور یہ دلیل صرف معاوضہ والے معاملات میں محدود ہے جبکہ تبرعات میں اس کا کوئی عمل دخل نہیں، جیسا کہ امام مالکؒ اور آپ کے پیروکار مجتہدین میں سے جن کی رائے ہمارے نزدیک معتبر ہے،

کا یہی مذہب ہے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ اجتماعی بیمہ کا نظام اپنی اس صورت و ہیئت میں جو ہم نے فصل اول میں بیان کی ہے، معاوضہ والے معاملات میں داخل نہیں۔ کیونکہ اس میں حکومت خود جو کچھ خرچ کرتی ہے اس کے مقابلے میں کسی معارضے کی طالب نہیں ہوتی۔ نہ ہی اس کے بدلے میں کسی نفع کے لئے کوشاں رہتی ہے تاکہ جو کچھ وہ ادا کرتی ہے اس سے زیادہ حاصل کر سکے۔ بلکہ ہوتا اس کے برعکس ہے کہ حکومت بھی مزدوروں اور آجر حضرات کے ساتھ ساتھ اپنا حصہ ادا کرتی ہے۔ لہذا اس حیثیت سے اجتماعی بیمہ موضوع اختلاف اور مباحثے سے خارج ہو جاتا ہے۔

سوم : تبادلی بیمہ :

بیمہ کے بارے میں شرعی نقطہ نظر بیان کرنے والوں نے آج تک جو کچھ لکھا ہے اور جہاں تک میں نے پڑھا ہے، وہ سب اس تبادلی بیمہ کے جواز پر متفق ہیں جسے امداد باہمی کی انجمنیں چلاتی ہیں۔ اس حکم میں ہم بھی ان محققین کے ساتھ پوری طرح متفق ہیں۔ اس سلسلہ میں ہماری دلیل وہی ہے جس کی طرف ہم نے بار بار اشارہ کیا ہے کہ ممانعت بیمہ کی بنیاد ہی یہ ہے کہ وہ ایسے دھوکہ پر مبنی ہوتا ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے۔ اور شارع کا دھوکہ سے منع کرنا ان معاملات پر منطبق ہوتا ہے جن کی بنیاد معاوضہ پر ہو، اس لئے کہ دھوکہ کی ممانعت تجارت کے ذیل میں آئی ہے جو کہ معاوضہ کا کاروبار ہے۔ لہذا ممانعت کا حکم تمام معاوضہ والے معاملات کے لئے ہو گا۔ رہے عطیات و تبرعات تو وہ اکابر فقہاء کے نزدیک اپنے اصل پر رہیں گے۔ یعنی جواز اور حلال ہونے کے حکم پر، چاہے ان میں دھوکہ ہی کیوں نہ پایا جائے۔

ہم نے اب تک جو کچھ بیان کیا ہے اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ تبادلی بیمہ کی انجمنیں بیمہ کا جو کاروبار کرتی ہیں خود اس کی فطرت و طبیعت ہی

سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس سے کسی قسم کا معاوضہ مطلوب نہیں ہوتا بلکہ اس کے بارے میں یہ کہنا زیادہ درست ہو گا کہ یہ ایک قسم کے تعاون کا معاہدہ ہے جو ایک ہی قسم کے خطرہ سے دو چار لوگوں کی جماعت کے مابین باہمی ذمہ داری کی اساس پر استوار ہوتا ہے تاکہ ان میں سے جو رکن بھی کسی خطرے سے دو چار ہو تو تمام ارکان کی جمع شدہ رقم میں سے اس کے نقصانات کی تلافی کے لئے اسے اتنی رقم دی جائے جو اس کے پہنچنے والے نقصان کی مناسبت سے کافی ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بیمہ کے اس کاروبار سے انجمنیں کسی قسم کے منافع کی خواہش نہیں رکھتیں۔ لہذا اس میں نہ تو کوئی تحفظ دینے والا ہوتا ہے اور نہ تحفظ کے حصول کا خواہش مند۔ بلکہ ان انجمنوں کے تمام ارکان بیک وقت تحفظ دینے والے بھی ہوتے ہیں اور تحفظ لینے والے بھی۔ ان انجمنوں کے ارکان جو حصہ ادا کرتے ہیں اس کی حیثیت اس انجمن کے ارکان میں سے کسی کو کوئی مخصوص حادثہ سے پہنچنے والے نقصان کی تلافی کے لئے عطیہ کی سی ہوتی ہے۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ عطیہ دینے والا جب کسی ایسے خاص گروہ کو عطیہ دیتا ہے جو کسی مخصوص صفت یا صفات سے متصف ہے تو یہ شخص خود بھی اس جماعت کے ساتھ استحقاق میں شامل ہو جاتا ہے اگر اس میں بھی اس جماعت کی وہ صفت یا صفات پائی جائیں۔ جیسے کوئی شخص طالب علموں کے لئے عطیہ دیتا ہے اور پھر خود بھی طالب علم بن جائے تو اس عطیہ میں سے خود بھی حصہ وصول کرنے کا حق دار بن جاتا ہے۔ اسی طرح جس شخص نے مکہ مکرمہ کے فقیروں کے لئے کچھ خیرات دی یا کچھ وقف کر دیا تو خود اس کے اپنے فقیر ہو جانے کی صورت میں یہ بھی ان میں شامل ہو کر حقدار بن جائے گا۔ اسی طرح ان انجمنوں میں قسط یا حصہ دینے والا بھی عطیہ دینے والے کی طرح ہوتا ہے۔

یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ان انجمنوں کے ارکان کو اقساط کی ادائیگی کے

وقت قطعیت کے ساتھ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انجمن کے ارکان کو پہنچنے والے نقصانات کی صورت میں جو ادائیگیاں کی جائیں گی ان کی وجہ سے ان کے حصے میں کتنی رقم آئے گی جو انہیں ادا کرنی ہوگی۔ اس لئے کہ سال کے شروع میں تو وہ ایک مقررہ رقم ادا کر دیتے ہیں لیکن بعد ازاں ارکان انجمن کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کے بعد آمدنی و خرچ کا حساب کیا جاتا ہے۔ اب اگر اس نے جو حصہ ادا کیا تھا ان معاوضوں کی ادائیگی کے حصے سے کم نکلا تو اس سے مزید رقم کا مطالبہ کیا جائے گا اور اس کی رقم زیادہ ہونے کی صورت میں باقی رقم اسے لوٹا دی جائے گی۔ اور یہی دھوکہ ہے۔

اس اعتراض کا جواب جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، یہ ہے کہ ان انجمنوں کی بنیاد تعاون، خیرات، تبرعات اور عطیات پر ہے۔ اور عطیات میں اس قسم کی کوئی شرط نہیں کہ عطیہ دینے والے کو پہلے سے اچھی طرح معلوم ہو کہ وہ کس قدر عطیہ دے گا۔ اور یہی مقصد ہے اس بات کا کہ دھوکہ اور لاعلمی عطیات میں معاف ہو جاتے ہیں، ایک تو اس لئے کہ دھوکہ اور لاعلمی (غرر و جہالت) کی وجہ سے عطیہ لینے والے کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اس نے اس عطیہ کے بدلے میں کسی قسم کا معاوضہ ادا نہیں کیا ہوتا۔

چہارم: مقررہ قسط والا بیمہ:

مقررہ قسط والا بیمہ وہ کاروبار ہے جو بیمہ کمپنیاں کرتی ہیں اور جس کے لئے ان کے ہاں معاہدہ بیمہ کا طریقہ کار رائج ہے۔ یہ معاہدہ بیمہ کمپنی اور کسی مخصوص شخص کے مابین طے ہوتا ہے جس کی رو سے بیمہ کمپنی بیمہ دار کو مخصوص حادثہ پیش آنے پر ایک طے شدہ رقم کی ادائیگی کا عہد کرتی ہے جسے بیمہ کی رقم کہا جاتا ہے۔ اس کا یہ عہد بیمہ دار کی اس ذمہ داری کے بدلے میں ہوتا ہے جس کے تحت وہ بھی (بیمہ کمپنی کو) ایک طے شدہ رقم ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے جسے پریمیم (PREMIUM) کہا جاتا ہے۔

بیمہ کے ان معاہدوں کے پیچھے کمپنی کی یہ کوشش کارفرما ہوتی ہے کہ وہ (ان کے ذریعے) منافع حاصل کر سکے۔ اور یہ منافع بیمہ داران سے وصول کردہ اقساط اور ان کو حادثہ پیش آنے پر معاوضہ کی صورت میں ادا کردہ رقم کے مابین فرق کی شکل میں ہوتا ہے۔ لہذا کمپنی ہمیشہ اس کوشش میں رہتی ہے کہ اسے جو علمی وسائل حاصل ہیں ان کے ذریعے ان اقساط کی مجموعی رقم کو ان متوقع معاوضوں سے جو اس نے بیمہ داران کو ادا کرنے ہوں گے اور ان لازمی اخراجات سے جو اس کا روبرو بار کو چلانے کے لئے درکار ہوتے ہیں سے زیادہ رکھے، تاکہ اس فرق سے جو رقم بچ جائے اس سے کمپنی اپنے حصہ داروں کو منافع ادا کر سکے۔ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ان کمپنیوں کے لئے بیمہ کی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کا واحد ذریعہ وہ معاہدہ بیمہ ہی ہے جو بیمہ کمپنی اور ہر بیمہ دار کے مابین طے پا جاتا ہے۔ یہ معاہدہ بیمہ کمپنی اور مخصوص بیمہ دار کے درمیان ایک طرح کا تعلق پیدا کر دیتا ہے اور اسی کی بنا پر ان کے کچھ حقوق و فرائض مرتب ہوتے ہیں۔ البتہ اس کا روبرو میں ایسے معاہدوں کا قطعاً کوئی وجود نہیں جو بیمہ کمپنی کسی گروہ سے اجتماعی طور پر طے کرتی ہو جسے بیمہ داران کی جماعت کا نام دیا گیا ہو۔ اسی طرح اس کا روبرو میں ایسے کسی معاہدے یا اتفاق کا بھی کہیں کوئی وجود نہیں پایا جاتا جو ان تجارتی کمپنیوں میں سے کسی بیمہ کمپنی اور اس کے تمام بیمہ داران کے مابین کسی قسم کا اجتماعی تعلق یا رابطہ پیدا کر دیتا ہو۔

کاروبار بیمہ کے سلسلہ میں تحقیق کرنے والوں میں سے بعض حضرات نے ان معاہدوں کے جواز کے لئے اس سے استدلال کیا ہے کہ یہ تو بیمہ داران کے مابین ایک طرح کے تعاون اور تضامن کا معاہدہ ہوتا ہے اور مخصوص بیمہ داران کی حیثیت اس میں تعاون کے لئے منظم معاہدے میں شریک ہونے والے کی سی ہوتی ہے۔ چونکہ بذاتِ خود اس قسم کا معاہدہ شرعی طور پر جائز ہے اور اس میں شرکت کرنا کسی طور بھی حرام نہیں لہذا معاہداتِ بیمہ بھی جائز ہیں۔

لیکن یہ استدلال باطل ہے اور اس سے مقصد پورا نہیں ہوتا۔ کیونکہ مقصد تو یہ ہے کہ اس معاہدہ کے سلسلہ میں شرعی حکم معلوم کیا جائے جو بیمہ کمپنی کسی مخصوص بیمہ دار سے ملتی ہے، جبکہ اس دلیل سے تو یہ معلوم ہو گیا کہ ایسا معاہدہ تعاون جائز ہے جو لوگوں کے کسی گروہ کے افراد کے مابین ان میں سے کسی کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کے لئے طے پا جائے اور ایسے معاہدہ میں شامل ہونا شرعاً جائز اور مباح ہے یہ بات تو مسلم ہے لیکن اس سے مقصد پورا نہیں ہوتا۔ کیونکہ معاہدہ بیمہ لوگوں کے کسی گروہ کے درمیان کسی قسم کے معاہدہ تعاون کا نام نہیں ہے بلکہ یہ تو بیمہ کمپنی اور بیمہ دار کے درمیان طے پانے والا معاہدہ معاوضہ ہے جس میں تعاون اور باہمی ذمہ داری کا کوئی دخل نہیں۔

اس قسم کے تعاون کا معاہدہ جو لوگوں کی ایک بڑی تعداد کے مابین اس مقصد کے لئے طے پاتا ہو کہ ان میں سے کسی کو پہنچنے والے نقصانات میں کسی کرنے کی خاطر معاہدہ میں شریک ہر ایک رکن کچھ نہ کچھ مالی قربانی دے تاکہ سب کا مجموعہ مل کر ان نقصانات کی تلافی کے لئے کافی ہو۔ اس قسم کے تعاون کا معاہدہ کسی طرح بھی بیمہ کی شراکتی کمپنیوں کی سرگرمیوں کے ضمن میں شامل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی اس کا دوبارہ میں کوئی گنجائش ہے بلکہ یہ صرف تصور اور مفروضہ کا درجہ رکھتا ہے جبکہ بیمہ کمپنیاں عملاً جو کچھ کرتی ہیں وہ اس سے الگ چیز ہے اور وہ افراد کے ساتھ ایسے معاہدے ہیں جن سے صرف منافع کا حصول ہی مقصود ہوتا ہے جیسا کہ ہم پہلے کہ چکے ہیں۔

ہاں اگر ہم اس قسم کے معاہدہ کی موجودگی کو فرض کر لیتے تو یقیناً ہم اس کے جواز کا فیصلہ کرتے، بلکہ اس قسم کا تعاون تو شریعت کا اصل منہا ہے اور اس کے تمام دلائل اس کے متقاضی ہیں۔ کیونکہ اس میں تعاون کرنا، قربانی اور عطیات دینا اپنی واضح ترین صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور ان میں کوئی بھی مانعت نہیں ہے۔

بعض عقیدت مندوں کے نزدیک بیمہ کمپنیاں جو کردار ادا کرتی ہیں وہ وہی کردار ہے جو

ایک نائب یا واسطہ کے طور پر کام کرنے والا بیمہ کی سرگرمیوں کو منظم کرنے کے لئے ایک منظم معاہدہ تعاون کو تشکیل دینے والے بیمہ داروں کی جانب سے بطور قائم مقام ادا کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی تصور محض ہے اور حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اس لئے کہ اس قسم کے تعاون کے معاہدہ کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہوتا۔ اگر اس قسم کا معاہدہ عملاً طے پاتا اور اس کا وجود حقیقتاً پایا جاتا اور کمپنی کا کردار اس میں واقعاً قائم مقام اور نائب کا ہوتا، جو اس معاہدہ کے ارکان کی جانب سے بطور قائم مقام اس معاہدہ تعاون کو چلاتا، تو اس کے لئے شرعی طور پر ہمارے نزدیک کوئی ممانعت نہ ہوتی۔ کیونکہ کمپنی کا کردار اس صورت میں تو اس ملازم کا سا ہوتا جو انتظام والی ضرام کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس تنخواہ کے بدلے میں جو معاہدہ کے تحت اس کے لئے مقرر کی جاتی ہے۔ لہذا اس صورت میں کمپنی تنخواہ دار ہوتی نہ کہ اسے کسی منافع کے حصول کی خواہش ہوتی۔ اور اس صورت میں ہر رکن جو کچھ ادا کرتا اس کی ادائیگی بیمہ کمپنی کے لئے نہ ہوتی بلکہ وہ تو اس جماعت کو بطور عطیہ ادا کرتا جس نے اپنے ارکان کو پہنچنے والے نقصانات کے معاوضہ جات کی ادائیگی کے طریقے از خود متعین کئے ہوئے ہیں۔

لیکن بیمہ کمپنی اپنی موجودہ شکل و صورت میں نائب یا واسطہ نہیں بن سکتی کیونکہ شرعی طور پر نائب وہ ہوتا ہے جو اسی شخص کے فائدے کے لئے کام کرے جس کا وہ نائب ہے اور اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسے تصرفات اور کام سرانجام دے جس میں خود اس کا اپنا فائدہ اسے اپنا نائب مقرر کرنے والے کے فائدہ سے متصادم ہو۔ اور یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ بیمہ کمپنی اپنی موجودہ شکل و صورت میں صرف اپنے فائدے اور غرض کے لئے ہی کام کرتی ہے۔ اور اس کے فائدہ ہمیشہ بیمہ دار کے مفادات سے متصادم ہوتے ہیں۔ کیونکہ بیمہ کمپنی کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کر سکے۔ لہذا وہ اپنا یہ مقصد پورا کرنے کے لئے اقساط کی قیمت کا تعین بھی اسی سوچ کی مناسبت سے کرتی ہے۔ اسی طرح کمپنی اپنی ذمہ داریوں سے بچنے کے لئے

ایسے ذرائع اور طریقے اختیار کرتی ہے جس کی وجہ سے کچھریاں اس نوع کے مقدمات کے سلسلہ میں اہر وقت بھری رہتی ہیں۔

اسی طرح آئندہ صفحات میں یہ بات آپ کے علم میں آئے گی کہ معاہدات بیمہ پر تحقیق کرنے والے بعض محققین اس سلسلہ میں اپنے حکم کی بنیاد بیمہ کمپنی اور مخصوص بیمہ داران کے مابین قائم اس تعلق پر نہیں رکھتے جو بیمہ کمپنی اور اس بیمہ دار کے درمیان طے پا جانے والے معاہدے کی بنا پر وجود میں آتا ہے، بلکہ وہ اپنے حکم کی بنیاد ایک ایسے تعلق پر رکھتے ہیں جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں اور جو بقول ان کے بیمہ کمپنی اور تمام بیمہ داروں کے مابین قائم ہے۔ جبکہ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ نہ تو اس طرح کے تعلق کا کوئی وجود ہے اور نہ کسی ایسے معاہدے کا جو اس قسم کے تعلق کی بنیاد بنا ہو، کوئی وجود ہے۔

اس قسم کے مفروضوں میں پڑنے سے ان محققین کا منشاء یہ ہے کہ وہ یہ کہہ سکیں کہ بیمہ کمپنی کو جو وسیع ذرائع حاصل ہیں وہ ان کی مدد سے یہ معلوم کر سکتی ہے کہ معین عرصہ کے دوران اسے اپنے بیمہ داروں سے کتنا حاصل کرنا ہے، اور کیا ادائیگی کرنی ہے۔ یعنی مجموعی طور پر بیمہ داروں کو سنبھلنے والے نقصانات کی تلافی کے لئے اسے کتنا مالی بوجھ برداشت کرنا ہوگا۔ اور ان سے جو اقساط وصول کرنی ہیں، ان کی مالیت کیا ہوگی۔ جہاں ہم جو از بیمہ کے قائل حضرات کے شبہات کا جواب دیں گے وہاں آپ پر مکمل طور پر یہ واضح ہو جائے گا کہ یہ سوچ نہ صرف حقیقت حال کے منافی اور مفروضات و اندازوں پر مبنی ہے بلکہ اس سے وہ نتائج بھی حاصل نہیں ہوتے جن کی اس نظریے کے قائل حضرات توقع رکھتے ہیں۔ وہ اس لئے کہ ہم یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں کہ بیمہ کمپنی امکان حسابات اور گنتی کے قواعد کے سلسلہ میں تمام جدید ترین وسائل کے ذریعے یہ معلوم کر سکتی ہے کہ وہ کسی مقررہ مدت کے اندر اندر کس قدر (رقم) حاصل کرے گی اور اس کے مقابلے میں اسے کتنی ادائیگی کرنی ہوگی۔ کیونکہ اس کے یہ

تمام وسائل نفع اور نقصان کے امکانات اور مختلف سالوں میں نفع کی مختلف شرح کے امکانات کو دور نہیں کر سکتے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت خود یورپ اور برطانیہ کی وہ بعض بیمہ کمپنیاں ہیں (جو باوجود علمی وسائل کے) دیوالیہ ہو چکی ہیں۔

اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ کمپنی بیمہ داروں سے مجموعی طور پر جو کچھ وصول کرے گی یا نہیں ادا کرے گی اس کا اسے پہلے سے علم ہو سکتا ہے تب بھی اس سے یہ کاروبار دھوکہ سے پاک نہیں ہو جاتا۔ اس لئے کہ مخصوص بیمہ دار جو کمپنی سے اس طرح کا معاہدہ کرتا ہے، اس کے پاس اس طرح کے وسائل نہیں ہوتے جو بیمہ کمپنی کو حاصل ہیں تاکہ بیمہ کمپنی کی طرح اس کے لئے بھی اس قسم کی مقدار کا تعین کرنا ممکن ہو جائے جو اس کو ادا کرنا ہے یا خود وصول کرنا ہے۔ لہذا اس معاملہ میں دھوکہ جوں کا توں باقی رہا۔ اس لئے اس پر ممانعت کا حکم لگایا جائے گا۔ کیونکہ معاوضہ والے معاملہ کے دونوں حصوں میں سے کسی ایک حصہ میں دھوکہ کا پایا جانا اس کے بطلان کے لئے کافی ہوتا ہے، جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ بحث کو بیمہ کمپنی اور مخصوص بیمہ دار کے مابین معاہدہ بیمہ کی بنیاد پر قائم ہونے والے تعلق پر ہی مرکوز کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہی تعلق اصل اور حقیقی ہے، رہا وہ تعلق جو بیمہ کمپنی اور بیمہ داران کی جماعت کے مابین یا خود ان تمام بیمہ داران کے مابین وہ تعلق جس کے لئے بیمہ کمپنی اس کا ذریعہ اور واسطہ بنتی ہے یا ان کا قائم مقام ہوتی ہے تو وہ ہماری بحث کا موضوع اور محل نزاع نہیں۔ اس لئے کہ ان کے تعلقات پر جن کا اگرچہ حقیقت میں کوئی وجود نہیں ہے، اگر ہم جواز کا حکم لگا بھی دیں تب بھی وہ حکم اس پر جاری نہیں ہو سکتا جو آج کل بیمہ کمپنیاں عملاً کر رہی ہیں۔

اب جبکہ محل نزاع اور موضوع بحث کو ہم متعین کر چکے ہیں کہ، ہمارا موضوع وہ معاہدہ ہے جسے بیمہ کمپنی مخصوص بیمہ دار سے طے کرتی ہے۔ اس کے علاوہ

ہم نے اس معاہدہ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے تعلق اور اس کی بنیاد پر مرتب ہونے والے حقوق و فرائض کو بھی بیان کر دیا ہے، لہذا اب ہم اس فصل کی دوسری بحث کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ یعنی وہ بحث جس کو ہم نے بیمہ کمپنیوں کی طرف سے کئے جانے والے معاہدوں کے باطل اور حرام ہونے کے شرعی دلائل بیان کرنے کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔

بحث دوم

بیمہ کمپنیاں جو کاروبار کرتی ہیں، اس کے باطل ہونے کے دلائل .

یہ بحث دو ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں ہم نے ان دلائل کو پیش کیا ہے جو ہماری رائے میں بیمہ کمپنیوں کے کاروبار کے بطلان کے لئے مؤثر ہیں۔ جبکہ دوسرے باب کو ہم نے ان دلائل کے خلاف اٹھائے جانے والے شبہات و اعتراضات کے جواب کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔

باب اول :

معاهدات بیمہ کے باطل ہونے کے دلائل :

پہلی دلیل :-

چونکہ معاہدہ بیمہ مالی معاوضہ والا ایسا کاروبار ہے جو بہت زیادہ اقسام دھوکہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ لہذا یہ کاروبار باطل ہے۔

گو یا پہلی دلیل یہ ہوئی کہ بیمہ کمپنیاں بیمہ دار سے بیمہ کا جو کاروبار کرتی ہیں وہ حقیقت میں مالی معاوضہ والا کاروبار ہے جس میں بہت زیادہ دھوکہ پایا جاتا ہے، لہذا یہ کاروبار باطل ہے۔

ہماری یہ دلیل دو مقدمات پر قائم ہے جنہیں ثابت کرنا ضروری ہے تاکہ یہ دلیل بیمہ کمپنیوں کے کاروبار کے باطل ہونے کے سلسلہ میں ہمارے دعویٰ کو ثابت کر سکے۔ اس دلیل کا پہلا مقدمہ یہ ہے کہ کاروبار بیمہ مالی معاوضہ

ہی ہے۔ اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ اس کاروبار میں بہت زیادہ دھوکہ پایا جاتا ہے۔

پہلا مقدمہ : کاروبار بیمہ مالی معاوضہ ہی ہے :

ہمارے خیال میں کاروبار بیمہ کے مالی معاوضہ ہونے کے سلسلہ میں ہماری اس رائے کا نہ تو شارحین قانون میں سے کوئی مخالف ہے اور نہ ہی علماء شریعت میں سے کوئی اس سے اختلاف کرتا ہے۔ بشرطیکہ ہم ان معاہدوں کو تحفظ دینے اور تحفظ لینے والے کے درمیان موجود تعلق کی نظر سے دیکھیں۔

کاروبار بیمہ کی قانونی تعریف کے ضمن میں جیسا کہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ اس کاروبار میں معاوضہ بیمہ دار کی طرف سے ادا کردہ قسط اور بیمہ کپنی کی طرف سے اس حادثہ کے پیش آنے پر جس سے تحفظ دیا گیا ہے، رقم بیمہ کی ادائیگی کے عہد کی صورت میں تکمیل پذیر ہوتا ہے۔

لیکن جیسا کہ آپ آگے چل کر دیکھیں گے بعض علماء شریعت اس حقیقت سے انحراف کرتے ہوئے اس پر اصرار کرتے ہیں کہ اس کاروبار میں ایک طرف کا معاوضہ بیمہ دار کی جانب سے ادا کردہ قسط ہے، اور دوسری طرف کا معاوضہ بیمہ کپنی کی طرف سے فراہم کردہ تحفظ کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ مزید یہ کہتے ہیں کہ یہ تحفظ بیمہ دار کو صرف معاہدہ ہی سے حاصل ہو جاتا ہے اور یہ اس حادثہ کے پیش آنے پر موقوف نہیں جس سے اسے تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔

ہم اس شبہ کا جواب اس دلیل پر وار دہونے والے دیگر شبہات کے جوابات کے ساتھ آگے چل کر دیں گے۔

دوسرا مقدمہ :

کاروبار بیمہ میں بہت زیادہ دھوکہ پایا جاتا ہے

شریعت اسلامیہ میں خرید و فروخت میں دھوکہ کی عام ممانعت آئی ہے، اور مجتہدین نے بالاتفاق خالص معاوضہ کو اس ممانعت کے حکم میں خرید و فروخت کے ضمن میں شمار کیا ہے۔ البتہ انہوں نے معمولی قسم کے دھوکہ کو بعض شروط و قیود کے ساتھ اس ممانعت کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اب ہم سب سے پہلے دھوکہ کے بارے میں فقہاء کی بیان کردہ تعریفات کا ذکر کریں گے تاکہ ان تعریفات میں کاروبار بیمہ کے شامل ہونے کو ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ ہم مالی معاوضات میں قابل معافی و درگزر یعنی معمولی دھوکہ کی مقصدیت کو بھی بیان کر دیں اور اس کی شرائط کا تعین کر کے اس کی مثالیں بھی پیش کریں، اور اس طرح ہم یہ ثابت کر سکیں کہ کاروبار بیمہ اس قسم کے دھوکہ کے ذیل میں نہیں آتا۔ اس مقصد کے لئے پہلے ہم بطور تمہید اس کی وضاحت کریں گے کہ معاوضہ والے کاروبار کے صحیح ہونے کے لئے رضامندی کی کیا اہمیت ہے اور یہ کہ اس رضامندی کی بنیاد کا کسی ایسی صورت پر قائم ہونا ضروری ہے جسے رضامندی ظاہر کرنے والا جانتا ہو۔

رضامندی صحت تصرف کی بنیاد ہے

مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ معاہدات و تصرفات کے صحیح ہونے کی بنیاد رضامندی پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اے ایمان والو ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔" الا یہ کہ تم اسے یا بھی رضامندی سے تجارت کے ذریعے حاصل کرو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خرید و فروخت

کی بنیاد تو باہمی رضامندی پر ہے۔ اگر تصرف میں اس قسم کی رضامندی نہ پائی جائے تو وہ تصرف ہی باطل ہو جاتا ہے اور اس طرح کے تصرف کے ذریعے کسی دوسرے شخص کا مال لینا بالاتفاق ناجائز ہے۔

رضامندی کے صحیح ہونے کے لئے علم کا ہونا ضروری ہے :

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ محل تصرف کا جاننا رضامندی کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔ اس لئے کہ کسی ایسی چیز کے لئے رضامندی کا تصور ناممکن ہے جسے رضامند ہونے والا نہ جانتا ہو۔ محل تصرف کا علم اس بات کا متقاضی ہے کہ ہر فریق معاہدہ یہ جانتا ہو کہ وہ دوسرے فریق کو جو کچھ ادا کر رہا ہے اس کے بدلے میں اسے کتنا اک معاوضہ ملے گا۔ اسی طرح اس معاوضے کے حصول کے وقت کا بھی اسے علم ہونا چاہیے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسے اس معاوضہ کے حصول کا پختہ یقین بھی ہو۔

فتح العزیز میں علامہ رافعی حنبلی فرمود فروخت پر صحت کا حکم لگانے کے لئے محل خرید و فروخت کے علم کو لازمی قرار دینے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اس لئے کہ کسی شے کے بارے میں حقیقی علم کے بغیر رضامندی کا تصور نہیں کیا جاسکتا" (۱۶)

علامہ ابن حزم "المحلی" میں کہتے ہیں (۱۷): "ہر شخص کو لازمی طور پر یہ معلوم ہونا چاہیے کہ کسی مجہول شے پر رضامندی کا وجود کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔ بلکہ باہمی رضامندی اسی چیز میں ممکن ہے جو معلوم و معروف ہو۔ اور جس چیز پر باہم رضامند نہیں ہوا جاسکتا، اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں۔ ایسے طریقے سے اسے لینا باطل طریقے سے مال کھانے کے مترادف ہے۔" اگر لین دین کرتے وقت محل معاوضہ کا علم نہ ہو، چاہے اس بنا پر کہ دونوں

فریقوں میں سے کسی ایک کو معاوضہ کے حصول کا پختہ یقین نہیں یا اس معاوضہ کی مقدار اُسے معلوم نہیں، یا اس کے حصول کی تاریخ وہ نہیں جانتا، تو رضامندی کے فقدان کی وجہ سے ایسا معاوضہ باطل ہوتا ہے اور فقہاء کی اصطلاح میں ایسے معاوضہ کو مجہول اور دھوکہ پر مشتمل معاوضہ کہا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر معاوضہ مجہول ہو یا دھوکہ پر مشتمل ہو تو ایسے معاوضہ پر رضامندی کے باوجود اس رضامندی کی بنیاد پر اس کا شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا۔

جلد ہی آپ پر یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ کاروبار بیمہ دھوکہ کی تینوں اقسام پر مشتمل ہوتا ہے۔ یعنی حصول عوض کا دھوکہ، اس کی مقدار کا دھوکہ، اور اس کی مدت کا دھوکہ۔ اور ان تینوں اقسام کے دھوکوں میں سے ہر ایک معاوضہ کو باطل کرنے کے لئے تنہا کافی ہے اور جب تینوں قسم کے دھوکے اس میں جمع ہو جائیں تو پھر آپ خود ہی اس کا اندازہ کر لیجئے۔

حصول عوض کا دھوکہ اس میں یوں ہے کہ معاہدہ کرتے وقت بیمہ دار یہ نہیں جانتا کہ آیا بیمہ کی رقم جو کہ معاوضہ ہے بیمہ کی ان اقساط کا جو اس نے اسی رقم کے بدلے میں ادا کی ہیں، اسے مل بھی سکے گی یا نہیں۔ مقدار معاوضہ کا دھوکہ یوں پایا جاتا ہے کہ نقصانات سے تحفظ کے بیمہ میں بیمہ دار معاہدہ کرتے وقت یہ نہیں جانتا کہ جس حادثہ سے اُسے تحفظ فراہم کیا گیا ہے اس کے پیش آنے پر اسے جو معاوضہ ملے گا اس کی مقدار کیا ہوگی۔ اسی طرح معاہدہ کرتے وقت بیمہ کمپنی کو بھی اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ اس حادثہ کے پیش آنے سے پہلے پہلے وہ کتنی قسطیں وصول کر سکے گی، جبکہ یہ قسطیں ہی دراصل وہ معاوضہ ہیں جن کے بدلے میں بیمہ کمپنی نے رقم بیمہ کی ادائیگی کا ذمہ لیا ہے۔ لہذا اس طرح اسے بھی معاہدہ کے وقت اس معاوضہ کی مقدار کا علم نہیں ہوتا۔

اب رہا مدت میں دھوکہ کا پایا جانا تو بیمہ زندگی میں بیمہ دار کی موت

واقع ہر جانے کی صورت میں اس دھوکہ کے وجود میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا، یوں زندگی کے میچہ کا بیمہ وار معاہدہ کرتے وقت یہ نہیں جانتا کہ اس کے وراثہ کو بیمہ کی یہ رقم کس وقت ملے گی، جو معاوضہ ہے ان اقساط کا جو اس نے اسی کی خاطر ادا کی ہیں۔ اور کسی انسان کے مرنے کا پہلے سے تعین کرنا کسی طرح بھی ممکن نہیں، لہذا یہ ایسی کھلی لاعلمی اور بے خبری ہے جو تمام فقہاء کے نزدیک معاوضہ کو باطل کر دیتی ہے، جیسا کہ آپ عنقریب تفصیل سے ملاحظہ کریں گے۔

اول: کاروبار بیمہ کا دھوکہ کی تعریف کے تحت آنا:

ہم چاہتے ہیں کہ یہاں سب سے پہلے آپ کے سامنے فقہاء کی بیان کردہ دھوکہ کی اہم تعریفات پیش کریں، اور پھر معاملات بیمہ کا ان تعریفات کے تحت آنے کو ثابت کریں۔ یہاں یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ جن تعریفات کو فقہاء بیان کرتے ہیں وہ کھلم کھلا دھوکہ یا شدید نوعیت کے دھوکہ کی تعریفات ہیں، جن سے معاوضہ والے معاملات باطل ہو جاتے ہیں۔ جبکہ وہ معمولی دھوکہ جو معاملات معاوضہ میں غیر مؤثر ہوتا ہے: ایک استثنائی امر ہے جس کی شرائط و ضوابط فقہاء نے بیان کر دی ہیں۔ البتہ آگے چل کر ہم یہ بھی ثابت کریں گے کہ یہ شرط و ضوابط معاملات بیمہ میں نہیں پائے جاتے۔

مالکیہ کے نزدیک (عزر) دھوکہ کی تعریف:

فقہاء مالکیہ نے دھوکہ کی بہت سی تعریفات بیان کی ہیں، البتہ ہم پہلے ان میں سے صرف اہم تعریفات کو بیان کریں گے، اور پھر معاملات بیمہ کے ان کے تحت آنے کو ثابت کریں گے۔

ابن عرفہ المالکی نے دھوکہ کی یہ تعریف کی ہے کہ دھوکہ اسے کہتے ہیں جہاں

دونوں طرف کے معاوضوں میں سے کسی ایک کا حصول غیر یقینی ہو، یا اس معاوضے سے جو مقصد پیش نظر ہے، اس کا حصول مشکوک ہو (۱۸) "امام مالک سے دھوکہ کی یہ تعریف منقول ہے: جس کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ وہ پورا ہو گا یا نہیں (۱۹)۔ شیخ دسوقی نے دھوکہ کی تعریف یوں کی ہے کہ جس کے حصول اور عدم حصول دونوں کا احتمال ہو" (۲۰) فقہاء مالکیہ میں سے مازری دھوکہ کی یہ تعریف بیان کرتے ہیں: جس کی سلامتی یا تباہی کے بارے میں تردید ہو" (۲۱)۔

یہ تمام تعریفات کاروبار بیمہ پر پوری طرح صادق آتی ہیں، کیونکہ بیمہ کے کاروبار میں "دونوں معاوضوں میں سے ایک کا حصول لازمی طور پر غیر یقینی ہوتا ہے" اور وہ ہے بیمہ کی رقم۔ اس لئے کہ بیمہ دار کو معاہدہ کرتے وقت بیمہ کی اس رقم کے حصول کا قطعی یقین نہیں ہوتا جو معاوضہ ہے ان اقساط کا جو اس نے اسی رقم کی خاطر ادا کی ہیں۔ اس لئے کہ اس رقم کا حصول موقوف ہوتا ہے ایک امکانی حادثے پر جو کبھی تو پیش آتا ہے اور کبھی پیش نہیں آتا۔ اس حادثے کے پیش آنے کی صورت میں تو یہ معاوضہ اسے مل جاتا ہے جبکہ نہ پیش آنے کی صورت میں یہ اس سے محروم رہتا ہے۔ بالکل اسی طرح معاہدہ بیمہ، بیمہ کمپنی پر ایک ایسی ذمہ داری عائد کر دیتا ہے جو کہ بالاتفاق ایک امکانی چیز ہے۔ کیونکہ بیمہ دار معاہدہ کرتے وقت یہ نہیں جانتا کہ آیا یہ ذمہ داری پایہ تکمیل تک پہنچے گی بھی یا نہیں۔ اس لئے کہ اس کی تکمیل کا انحصار ایک امکانی حادثے پر ہے، اگر وہ حادثہ پیش آگیا تو بیمہ کمپنی کی ذمہ داری پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گی اور نہ پیش آنے کی صورت میں کمپنی کی ذمہ داری بھی ختم ہو جائے گی۔ اب رہی یہ بات کہ بیمہ کمپنی بیمہ دار کو جس معاوضے کی ادائیگی کا ذمہ لیتی ہے، اس کا حصول ایک امکانی چیز ہے تو یہ بات بالکل واضح ہے، اور اس کی مزید وضاحت کی کوئی ضرورت نہیں۔ رہی سلامتی معاوضہ یا اس کے ضائع ہو جانے والی بات تو یہ بھی بیمہ کی اس رقم پر پوری طرح صادق آتی ہے جس کی بیمہ دار کو حادثہ پیش آنے پر ادائیگی

کا بیمہ کمپنی ذمہ لیتی ہے۔

فقہاء مالکیہ نے جس دھوکہ کی تعریف بیان کی ہے اور جسے مالی معاوضات کے باطل ہونے کے لئے مؤثر قرار دیا ہے، اس کی مثال انہوں نے فضا میں اڑتے ہوئے پرندے کو فروخت کرنے، دریا میں تیرتی مچھلی کو بیچنے اور کسی جانور کو گامبھن کے طور پر فروخت کرنے سے دی ہے۔ کیونکہ ان اشیاء کے بدلے خریدار تو قیمت ادا کر دیتا ہے، لیکن لین دین کے وقت یہ نہیں جانتا کہ اسے یہ چیزیں مل بھی سکیں گی یا نہیں یعنی وہ ان کے حصول کے بارے میں تذبذب اور تردد کا شکار ہوتا ہے۔ اور بعینہ یہی صورت حال بیمہ کے کاروبار میں پائی جاتی ہے، کیونکہ بیمہ دار بیمہ کی قسطیں ایک معاوضے کے بدلے میں ادا کرتا ہے جو بیمہ کی رقم ہے لیکن وہ معاہدہ کرتے وقت یہ نہیں جانتا کہ آیا یہ رقم اسے مل بھی سکے گی یا نہیں۔ لہذا اس کے لئے اس کا حصول اس کی تکمیل اور اس کی سلامتی غیر یقینی اور مشکوک ہے۔ بلکہ بیمہ میں تو اس سے بھی بڑھ کر خرابی ہے۔ وہ یوں کہ بالفرض اگر بیمہ دار معاوضہ حاصل کر بھی لے تو وہ نقصانات کے بیمہ کی صورت میں معاہدہ کرتے وقت یہ نہیں جانتا کہ اس معاوضے کی مقدار کیا ہوگی۔ ہم نے یہاں جتنی بھی مثالیں پیش کی ہیں، فقہائے مالکیہ کا ان سب کے باطل ہونے پر اتفاق ہے (۲۲) حالانکہ فقہائے مالکیہ دھوکہ والے کاروبار کو باطل ٹھہرانے میں سب سے زیادہ رعایت سے کام لیتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کے نزدیک بھی حصول یا عدم حصول کے سلسلہ کا دھوکہ کھلم کھلا دھوکہ ہوتا ہے جو ان کے ہاں بالاجماع معاوضہ کو باطل کر دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ کاروبار بیمہ میں جو دھوکہ پایا جاتا ہے وہ ان مذکورہ مثالوں میں پائے جانے والے دھوکہ سے بڑھ کر ہے، کیونکہ اس میں حصول کے دھوکہ کے ساتھ ساتھ اگر ہم حصول معاوضہ کو فرض کر لیں تو مقدار کی لاعلمی کا دھوکہ بھی پایا جاتا ہے۔

فقہاء مالکیہ کے نزدیک جس غمخیز فاحش و کھلم کھلا دھوکہ سے معاوضہ بالاتفاق

باطل ہو جاتا ہے، اس کی مثال انہوں نے یہ دی ہے، جیسے کسی گمشدہ شخص کا قرضہ خرید لینا یا ایسے شخص کا قرض خرید لینا جو ہے تو موجود مگر قرض کا اقرار نہیں کرتا، یا جیسے میت کا قرض خریدنا چاہے خریدار کو اس میت کے ترکہ کی تفصیلات معلوم ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ ان قرضہ جات کو خریدنے والا خریدنے وقت یہ نہیں جانتا کہ آیا وہ انہیں وصول بھی کر سکے گا یا نہیں، اور بالخصوص اگر وہ انہیں وصول کر بھی لے تب بھی اسے یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ کتنا وصول کر سکے گا، کیونکہ بعض اوقات اگر وہ زیادہ وصول کر سکے گا تو کبھی کم بھی وصول کرے گا۔ لہذا قرض میت کے خریدنے میں دو طرح کا دھوکہ پایا جاتا ہے۔ ایک تو وصول کے سلسلہ کا دھوکہ اور دوسرا مقدار کا دھوکہ۔ کیونکہ میت کے قرض کا خریدار چاہے میت کے ترکہ کی مقدار کو جانتا ہو پھر بھی اسے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اس میں سے وہ خود کتنا وصول کر سکے گا۔ اس لئے کہ اس کا انحصار میت کے قرض خواہوں کی تعداد اور ان کے قرضوں کی مقدار پر ہوتا ہے، چونکہ لین دین کے وقت اسے اس کا علم نہیں ہوتا، لہذا اسے یہ علم نہیں ہو سکتا کہ قرض خواہوں کو اس کے ترکہ کی تقسیم کے وقت کتنا حصہ ملے گا (۲۳)۔

شواہع کے نزدیک دھوکہ کی تعریف :

شواہع نے اس دھوکہ کی جو ان کے نزدیک معاہدات کو باطل کر دیتا ہے، کئی تعریفات بیان کی ہیں جو سب کے سب کاروبارِ بیمہ پر صادق آتی ہیں، ہم آپ کے سامنے ان میں سے بعض تعریفات اور ان کے اس کاروبار پر صادق آنے کی وجوہ کو پیش کرتے ہیں۔
 الوجیز کی شرح فتح العزیز ۲۴ میں دھوکہ کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ جس میں دونوں جانب کا احتمال ہو اور جانب غالب کا وقوع زیادہ خطرناک ہو، اور یہ کہ دھوکہ اسے کہتے ہیں جس کا نتیجہ انسان سے پوشیدہ ہو، اس میں مزید لکھا ہے کہ معاوضہ دھوکہ سے اس وقت تک پاک نہیں ہوتا جب تک کہ لین دین کرنے والا اس میں یہ نہ جانتا ہو

کہ اس نے جو کچھ شرح کیا ہے، اس کے بدلے وہ کس چیز کا مالک بنا ہے؟ (۲۵) اور فتح الباری (۲۶) میں دھوکہ کی یہ تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ ”ہر وہ چیز جس کا امکان وجود اور عدم وجود برابر ہو، اسی طرح جو عام طور پر معاوضہ بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو“ شرح المنہاج کے حاشیہ قلیبی و عمیرہ (۲۷) میں بیان کیا گیا ہے کہ دھوکہ اسے کہتے ہیں جس میں معاوضہ کے حصول کا یقین نہ ہو۔ ان تمام تعریفات کا کاروبار بیمہ پر صادق آنا بالکل واضح ہے۔ مثلاً دھوکہ کی یہ تعریف کہ جس کے دونوں جانب کا احتمال ہو اور ان میں سے جانب غالب کا وقوع زیادہ خطرناک ہو، کاروبار بیمہ پر پوری طرح صادق آتی ہے، کیونکہ اس کا وہاں میں بھی دونوں جانب کا احتمال ہوتا ہے اس میں ایک جانب حصول معاوضہ کی ہے اور دوسری جانب اس کے عدم حصول کی ہے پس اگر جس حادثے سے تحفظ دیا گیا ہے وہ پیش آگیا تو بیمہ دار کو معاوضہ مل جائے گا جو کہ بیمہ کی وہ رقم ہے جس کے لئے اس نے بیمہ کی قسطیں ادا کی ہیں اور اگر یہ حادثہ پیش نہیں آیا تو وہ معاوضہ سے محروم رہے گا۔ جبکہ بیمہ دار معاوضہ کرتے وقت نہیں جانتا کہ کون سی جانب واقع ہوگا۔ اگرچہ اس کا بیمہ کی رقم کو حاصل نہ کر سکنے کی جانب قوی اور غالب ہے اس لئے کہ عام طور پر بیمہ انہی خطرات کے مقابل کیا جاتا ہے جن کے نہ پیش آنے کا زیادہ احتمال ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں بیمہ دار کی نسبت سے اس کا عدم وقوع دونوں امکانات میں سے سب سے زیادہ نقصان دہ امکان ہے کیونکہ اس طرح بعض اقسام بیمہ میں جیسے زندگی کے بیمہ کی صورت میں جب بیمہ دار زندہ رہے، وہ بیمہ کی رقم سے یکسر محروم رہ جاتا ہے۔ اسی طرح دھوکہ کی یہ تعریف کہ ”جس کا انجام انسان سے پہنچا ہو“ کاروبار بیمہ پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ کیونکہ بیمہ کمپنی اور بیمہ دار دونوں اس معاوضہ کے انجام سے معاوضہ کرتے وقت بے خبر ہوتے ہیں۔ وہ یہ معاوضہ طے کرتے وقت یہ نہیں جانتے کہ وہ دوسرے کو کتنا کچھ ادا کریں گے اور اس سے کتنا کچھ حاصل کریں گے۔ کیونکہ یہ انجام تو ایک امکانی حادثے پر موقوف ہوتا ہے جو کبھی پیش آتا ہے اور کبھی نہیں بلکہ

اگر حادثے کا وقوع یقینی ہو جیسے تاحیات بیمہ زندگی کی صورت میں جب بیمہ دار مر جائے تب بھی ان دونوں میں سے کسی کو بھی معاہدہ کرتے وقت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ حادثہ یعنی موت کب آئے گی۔

اور دھوکہ کی یہ تعریف کہ جس میں لین دین کرنے والے کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے جو کچھ خرچ کیا ہے اس کے بدلے میں وہ کس چیز کا مالک بنا ہے۔ بعینہ کاروبار بیمہ کی تعریف ہے۔ اس لئے کہ بیمہ کمپنی اور جو شخص اس سے معاہدہ کرتا ہے دونوں میں سے ہر ایک معاہدہ کرتے وقت یہ نہیں جانتا کہ (اس معاہدہ کے نتیجے میں) "اس نے جو کچھ خرچ کیا ہے اس کے بدلے میں وہ کس چیز کا مالک بنا ہے" کیونکہ بیمہ دار اپنی طرف سے تسطیحات ادا کرنے کے باوجود یہ نہیں جانتا کہ وہ ان کے بدلے میں کس چیز کا مالک بنے گا۔ وہ یوں کہ کبھی تو وہ اپنی طرف کا معاوضہ ادا کرنے کے باوجود کسی چیز کا بھی مالک نہیں بنتا جیسے اگر حادثہ پیش ہی نہ آئے اور بعض اوقات حادثہ پیش آنے پر وہ کچھ نہ کچھ حاصل تو کرتا ہے مگر کبھی اس کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اور کبھی تھوڑی۔ لہذا معلوم ہوا کہ وہ نہ صرف یہ کہ اس سے بے خبر ہوتا ہے کہ اسے جو کچھ ملے گا اس کی مقدار کیا ہوگی بلکہ وہ اس سے بھی بے خبر ہوتا ہے کہ آیا اسے کچھ مل بھی سکے گا کہ نہیں۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ کاروبار بیمہ میں ہمیشہ دھوکہ کی فحش ترین اور شدید ترین قسم پائی جاتی ہے کیونکہ مقدار کے سلسلہ میں بے خبری سے جو نقصان بیمہ دار کو پہنچتا ہے اس کا مقابلہ اس لاعلمی کے نقصان سے نہیں کیا جاسکتا۔ جو اسے اس معاوضہ کے عدم حصول کے سلسلہ میں ہوتا ہے۔ اسی طرح کاروبار بیمہ کا دھوکہ کی اس تعریف کے تحت آنا بھی بالکل واضح ہے کہ دھوکہ اسے کہتے ہیں "جس کا امکان جو دار عدم وجود برابر ہو یا جس کا عدم وجود غالب ہو" کیونکہ تحفظ فراہم کرنے والے کی رقم بیمہ کے سلسلہ کی وہ ذمہ داری جس کے لئے بیمہ دار نے تسطیحات ادا کی ہیں کبھی تو پائی جاتی ہے اور کبھی نہیں۔ اور اس ذمہ داری کا

کا خود شارحین قانون کے کہنے کے مطابق معاہدہ کرتے وقت کوئی وجود نہیں ہوتا کیونکہ اس کا وجود حادثہ پر منحصر ہے، حادثہ پیش آگیا تو یہ ذمہ داری بھی موجود ہو جائے گی اور اگر حادثہ پیش نہ آیا تو ذمہ داری کا بھی کوئی وجود نہ ہو گا۔ دھوکہ کی یہ تعریف کہ ”جس میں معاوضہ کے حصول کا پختہ یقین نہ ہو“ کا روبرو بیمہ پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ کیونکہ شارحین قانون اور علماء شریعت کا اس پر اتفاق ہے کہ کاروبار بیمہ میں معاوضہ کے حصول کا پختہ یقین نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ بیمہ دار کو بیمہ کمپنی کے ساتھ معاہدہ کرتے وقت اس رقم بیمہ کی وصولی کا یقین نہیں ہوتا جو معاوضہ ہے ان اقساط کا جو اس نے اسی رقم کی خاطر ادا کی ہیں۔ کیونکہ اس کے لئے رقم بیمہ کا حصول موقوف ہوتا ہے اس حادثہ کے پیش آنے پر جس سے اسے تحفظ دیا گیا ہے اور جو ایک امکانی حادثہ ہے، کبھی پیش آتا ہے اور کبھی نہیں۔ اس کے پیش آنے پر تو اسے معاوضہ مل جائے گا لیکن اگر وہ حادثہ پیش نہ آیا تو اس کا معاوضہ بھی ضائع ہو جائے گا۔ پھر یہ ایک پوشیدہ اور مخفی امر ہے جسے بیمہ دار معاہدہ طے کرتے وقت بالکل نہیں جانتا۔

احناف کے نزدیک دھوکہ کی تعریف :

بدائع الصنائع میں دھوکہ کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ: ”دھوکہ اس خطرے کو کہتے ہیں جس میں وجود اور عدم وجود دونوں کے مواقع برابر ہوتے ہیں (۲۸)۔“ دھوکہ کی اس تعریف کا کاروبار بیمہ پر پوری طرح صادق آنا بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ اس کا روبرو کا بنیادی جزو الباب باب اور اصل حقیقت دھوکہ ہی ہے، جیسا کہ شارحین قانون خود کہتے ہیں کہ کاروبار بیمہ کے وجود کا تصور اس خطرے کے بغیر ناممکن ہے۔ اسی طرح وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ خطرہ اس امکانی حادثے ہی کا نام ہے جس کا جانب وجود اور جانب عدم وجود دونوں برابر ہوتے ہیں۔ لہذا احناف

”خطرہ“ کی جو تعریف بیان کرتے ہیں وہ شارحین قانون کے بیان کردہ بیمہ کی تعریف سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہے۔ حتیٰ کہ یہ محسوس ہوتا ہے گویا علامہ کا سانیؒ بیمہ کے کاروبار میں پائے جانے والے ”خطرہ“ ہی کی تعریف کر رہے ہیں۔

اگر آپ ان معاوضات کا تجزیہ کریں جو احناف کے نزدیک دھوکہ کی وجہ سے بالاتفاق باطل ہیں تو آپ ان میں یہ مفہوم لازمی طور پر موجود پائیں گے کہ ان میں ملکیت یا ذمہ داری کو کسی ایسے خطرے کے ساتھ مشروط یا اس پر موقوف ٹھہرایا گیا ہے جس میں جانب وجود و جانب عدم وجود برابر ہوتے ہیں۔ اس کی مثال انہوں نے یہ دی ہے جیسے اس چیز کو خرید لینا جس کا کوئی نشانہ لے رہا ہے یا جسے پکڑنے کے لئے جال پھینک رہا ہے مثلاً خریدار یہ کہے کہ تیرے اس مرتبہ جال پھینکنے پر جو کچھ بھی اس کے ذریعے نکلے گا وہ میں نے تجھ سے اتنی رقم میں خرید لیا ہے، یا تیرے اس تیرے جو پرندہ یا جانور گے گا وہ میں نے اتنی رقم میں خرید لیا ہے۔ اسی طرح چھو کر، یا پھینک کر، یا پتھر مار کر خرید و فروخت کرنے کے علاوہ ہر وہ طریقہ جس میں خریدار کے معاوضہ کی ملکیت کو ”خطرہ“ کے ساتھ مشروط ٹھہرایا جائے اس کا یہی حکم ہے۔ کیونکہ اس طرح خرید و فروخت کرنا کہ میرا پتھر جس کپڑے پر جا کر گرا تو وہ میں نے اتنے روپوں میں تجھے بیچ دیا یا تجھ سے خرید لیا۔ یا میں نے جسے پھینک دیا یا چھو لیا تو اسے میں نے اتنے روپوں میں تجھے بیچ دیا یا تجھ سے خرید لیا (۲۹)۔ ان تمام مثالوں میں معاوضہ کی ذمہ داری کو ایک ایسے خطرے سے مشروط یا اس پر اسے موقوف رکھا گیا ہے جو کبھی تو موجود ہو سکتا ہے اور کبھی نہیں۔ لہذا جو شخص شکاری کے نشانے کی زد پر آئی ہوئی چیز کو خرید رہا ہے تو گویا وہ اپنے معاوضے کو موقوف کر رہا ہے شکاری کے جال میں پھنس کر آنے والی مچھلی کے نکلنے اور تیر چلانے سے گرنے والے پرندے یا جانور پر۔ اور یہ ایک امکانی خطرہ (شرط) ہے جو کبھی تو موجود ہو سکتی ہے اور کبھی نہیں۔ اور اگر یہ وجود میں آ بھی گئی تب بھی اسے پہلے سے یہ علم نہیں

ہوتا کہ وہ پھیلی کی کتنی مقدار حاصل کر سکے گا۔ یہی صورت حال بچانے اور غوطہ لگانے کے مسئلہ میں ہوتی ہے۔

اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ بیمہ دار کی حیثیت بالکل شکاری کے نشانے کو خریدنے والے کی طرح ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ بھی بیمہ کی رقم کو کہ جس کی خاطر اس نے اقساط کی ادائیگی کی ہے ایک امکانی خطرے پر موقوف ٹھہراتا ہے جو کبھی تو پیش آتا ہے اور کبھی نہیں اس لئے کہ جو شخص بیمہ کمپنی کو قسطیں صرف اس لئے ادا کرتا ہے کہ بیمہ کمپنی نے ان اقساط کے بدلے میں اس سے بیمہ کی رقم کی ادائیگی کا وعدہ کیا ہے بشرطیکہ وہ مثال کے طور پر پچاس سال تک اگر زندہ رہے تو اس صورت میں وہ اس بدلے کے حصول کو ایک ایسے امکانی واقعہ کے ساتھ باندھ دیتا ہے جس میں وجود اور عدم وجود دونوں کے مواقع برابر ہیں۔ اس لئے کہ بعض اوقات زندگی کا بیمہ کرانے والا ایسا شخص اس عمر تک زندہ رہ کر بیمہ کی رقم کا حق دار بن جاتا ہے جبکہ کبھی کبھار وہ اس عمر سے پہلے ہی مر جاتا ہے اور اس طرح بیمہ کمپنی بیمہ کی رقم کی ادائیگی سے بری الذمہ ہو جاتی ہے۔ اور اس نے جو قسطیں ادا کی ہیں وہ پوری طرح ضائع ہو جاتی ہیں جس طرح کہ اس شخص کی رقم ضائع چلی جاتی ہے جو شکاری کے ایک مرتبہ جال پھینکنے کو خرید لے اور پھر جال میں کچھ بھی نہ نکلے۔

اسی طرح جو شخص کسی مقررہ وقت تک زندہ رہنے کی شرط پر بیمہ کمپنی کی طرف سے رقم بیمہ کی ادائیگی کی ذمہ داری کے بدلے میں قسطیں ادا کرتا ہے اور وہ شخص جو کسی کپڑے کی قیمت اس پر پتھر کے گرنے یا خریدار کے اسے چھونے کی شرط پر ادا کر دیتا ہے کہ درمیان مطابقت کی صورت بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ دونوں ایک ایسے معاوضے کے بدلے میں مال خرچ کر رہے ہیں جو کبھی تو مل جاتا ہے اور کبھی نہیں ملتا۔ اور اگر مل جائے تو کبھی اس کی قیمت تھوڑی ہوتی ہے اور کبھی زیادہ۔ یہاں پر اگر یہ کہا جائے کہ ان دونوں صورتوں میں تو فرق موجود ہے۔ وہ یوں کہ بیمہ کے

معاہدہ میں جو خطرہ ہے وہ ایک ایسے حادثے کا نام ہے جس کے پیش آنے سے نقصان پہنچ جاتا ہے اور معاہدہ بیمہ سے اس نقصان کی تلافی اور اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ بخلاف اس خطرہ کے جو شکاری کے جال پھینکنے اور اس کے تیر چلنے یا کسی کے چھو کر، پھینک کر یا پتھر گرا کر لین دین کرنے کی صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ ان صورتوں میں مچھلی کا نکلنا، پرندے یا جانور کا مرنا یا چھوٹنے اور پھینکنے کے عمل کا پورا ہونا ایسے حادثات نہیں جن کے پیش آنے سے خریدار کو کسی نقصان کے پہنچنے کا اندیشہ ہو اور معاوضہ کی ادائیگی سے اس نقصان کی تلافی مقصود ہو۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ اس فرق سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ کسی بھی مجتہد نے کسی خطرے سے مشروط معاوضہ کو باطل ٹھہرانے کے حکم کے سلسلہ میں یہ تفریق روا نہیں رکھی ہے کہ اس خطرہ کو لین دین کرنے والا پسند کرتا ہے یا ناپسند کرتا ہے، اس کے پیش آنے سے ڈرتا ہے یا نہیں یا اس کے پیش آنے سے اسے کوئی نقصان پہنچتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ اس کے باطل ہونے کی بنیاد تو وہ دھوکہ ہے جو اس میں پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس میں معاوضہ کے حصول کا پختہ یقین نہیں ہوتا یا اس سے جو معاوضہ ملتا ہے خود اس کے بارے میں علم نہیں ہوتا۔

اگر ہم علماء شریعت کے نقطہ نظر سے ہٹ کر شارحین قانون کی طرف رجوع کریں تو وہ بھی اس فرق کے غیر مؤثر ہونے کے مکمل طور پر قائل نظر آتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک خطرہ اس حادثہ کو نہیں کہتے جسے بیمہ دار ناپسند کرتا ہے اور جس کے پیش آنے سے اسے نقصان پہنچ جاتا ہے اگرچہ عام استعمال میں خطرہ کے یہی معنی معروف و مشہور ہیں لیکن کاروبار بیمہ کی خاص اصطلاح میں اس معنی سے وسیع تر معانی و مفہیم کا حامل ہے۔ اس میں شارحین قانون کے نزدیک بالاتفاق وہ خوشگوار حادثہ بھی شامل ہوتا ہے جس کے پیش آنے کو بیمہ دار پسند کرتا ہے اور اس کے پیش آنے سے اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچتا بلکہ بعض اوقات تو یہ حادثہ

خود بیمہ دار یا اس کے ورثاء کے لئے دولت مندی کا ذریعہ بن جاتا ہے جیسا کہ زندگی کا بیمہ بشرط بقا اور اولاد کے پیدا ہونے یا شادی بیاہ کا بیمہ ہوتا ہے۔

حنا بلہ کے نزدیک دھوکہ کی تعریف:

شرح منہتی الارادات میں لکھا ہے کہ قاضی اور علماء کی ایک جماعت نے دھوکہ کی تعریف یوں کی ہے کہ ”جس کی دونوں صورتیں مشکوک ہوں اور کوئی ایک دوسرے کے مقابلے میں واضح نہ ہو (۱۲۳۰) اس کتاب میں انہوں نے اس کی مثال یہ پیش کی ہے، جیسے گم شدہ اُونٹ کو خریدنا یا دریا میں موجود مچھلی، ہوا میں اڑتے پرندے کو یا غضب شدہ چیز کو اس کے غضب کرنے والے کی بجائے کسی اور سے خریدنا۔ کیونکہ یہ تمام معاملات دو حالتوں کے درمیان معلق ہیں اور وہ دونوں حالتیں ہیں، خریدار کے لئے عوض کی ادائیگی کے بدلے میں حصول معاوضہ اور اس کا عدم حصول۔ ان دونوں حالتوں میں سے کوئی ایک حالت بھی دوسرے کے مقابلے میں زیادہ واضح نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی ایک حالت واضح ہوتی تو ان کے نزدیک یہ خرید و فروخت درست ہو جاتی جیسے غضب شدہ چیز کو خود غضب کرنے والے سے خریدنا۔

کاروبار بیمہ کا اس تعریف کے تحت آنا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ کیونکہ بیمہ کی وہ رقم جس کے لئے بیمہ دار نے قسطیں ادا کی ہیں دو مشتبہ حالتوں کے درمیان معلق ہے۔ ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ اگر حادثہ پیش آیا تو وہ بیمہ کی رقم حاصل کرنے کا اور دوسری صورت میں اگر حادثہ پیش نہ آیا تو یہ بیمہ کی رقم حاصل نہیں کر سکے گا۔ علاوہ ازیں رقم بیمہ کے حصول کی صورت زیادہ واضح بھی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس کا انحصار اس حادثے کے پیش آنے پر ہے جس سے تحفظ دیا گیا ہے اور اس حادثے کا پیش آنا اس کے نہ پیش آنے کے مقابلے

میں زیادہ واضح نہیں ہے۔

فقہاء حنابلہ نے دھوکہ کی جو مثالیں پیش کی ہیں، حصول عوض اور عدم حصول کی دونوں صورتوں کے مشتبہ ہونے میں کاروبار بیمہ کے ساتھ وہ پوری طرح مطابقت رکھتی ہیں۔ کیونکہ یہ ایک ایسی حالت پر منحصر ہوتا ہے جس میں وجود اور عدم وجود دونوں برابر کا احتمال رکھتے ہیں۔ کیونکہ کبھی تو خریدار گم شدہ اونٹ حاصل کر لیتا ہے اور کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کبھی تو دریا سے بچھلی اور ہوا سے پرندہ شکار ہو جلتے ہیں اور کبھی نہیں۔ اسی طرح کبھی تو وہ غضب شدہ چیز کو اس کے غائب سے چھڑانے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور کبھی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ان تمام صورتوں میں اس نے جس چیز کی قیمت ادا کی ہے وہ بعض اوقات اسے مل جاتی ہے اور بعض اوقات نہیں ملتی۔ بعینہ یہی کچھ بیمہ دار کے ساتھ ہوتا ہے کہ کبھی تو بیمہ کی رقم اسے مل جاتی ہے اور کبھی نہیں۔ کیونکہ اس کے حصول کا انحصار مکمل طور پر ایک ایسے واقعہ پر ہے جس میں اس کے اپنے ارادے کا کوئی دخل نہیں اور نہ اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس واقعہ کو خود پیدا کر سکے۔

اہل ظاہر کے نزدیک دھوکہ کی تعریف:

علامہ ابن حزمؒ دھوکہ کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ "جس میں لین دین کرتے وقت اس کی مقدار اور صفات کا علم نہ ہو" انہوں نے اس کی مثال پھل پیدا ہونے سے پہلے انہیں فروخت کرنے یا نامعلوم چیز کو بیچنے یا کسی چیز کو نامعلوم قیمت پر فروخت کرنے سے دی ہے۔

بیمہ بھی بالکل اسی نوعیت کا کاروبار ہے کہ بیمہ دار نقصانات کے بیمہ میں جس معاوضہ کی خاطر اقساط ادا کرتا ہے اس کی مقدار معاہدہ کرتے وقت اسے معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس مقدار کا تعین تو اس کے تحفظ یافتہ مال کو حادثہ کی

وجہ سے پہنچنے والے نقصان کی مناسبت سے کیا جاتا ہے۔ لہذا رقم بیمہ کی خاطر معاوضہ کی ادائیگی نامعلوم مقدار کے لئے معاوضہ ادا کرنے کی طرح ہوگی۔ دوسری طرف بعینہ یہی صورت حال بیمہ کمپنی کو درپیش ہوتی ہے کہ وہ معاہدہ طے کرتے وقت یہ نہیں جانتی کہ حادثہ پیش آنے اور اس کی وجہ سے بیمہ دار کو معاوضہ ادا کرنے سے پہلے وہ کتنی قسطیں وصول کر سکے گی۔ کیونکہ (اس کاروبار میں) کبھی تو ایک قسط وصول کرنے کے بعد ہی حادثہ پیش آجاتا ہے اور کبھی زیادہ اقساط وصول کرنے کے بعد یہ حادثہ پیش آتا ہے۔ بالکل اسی طرح بیمہ زندگی بصورت وفات میں بیمہ کمپنی یہ نہیں جانتی کہ بیمہ زندگی کی میعاد پالیسی کی صورت میں اس نے جن اقساط کے بدلے رقم بیمہ کی ادائیگی کی ذمہ داری اٹھانی ہے وہ ان اقساط میں سے کتنی قسطیں وصول کر سکے گی۔ کیونکہ بعض اوقات تو ایک ہی قسط وصول کرنے پاتی ہے کہ موت کا حادثہ پیش آجاتا ہے جس کی وجہ سے بیمہ کمپنی کو رقم بیمہ کی ادائیگی کر کے نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور کبھی ساری قسطیں ادا کرنے کے باوجود مقررہ مدت کے اندر بیمہ زندگی کا بیمہ دار فوت نہیں ہوتا۔ لہذا بیمہ کمپنی معاہدہ کرتے وقت یہ نہیں جانتی کہ وہ رقم بیمہ کی ادائیگی کا ذمہ جس معاوضے کے بدلے میں لے رہی ہے اس کی مقدار کیا ہوگی اور اس چیز کو بلا شک و شبہ لین دین کے وقت معاوضے کی مقدار کا غیر معین ہونا کہتے ہیں۔

مالی معاوضہ والے معاملات کو تمام فقہاء کے نزدیک بالاتفاق باطل کر دینے والے دھوکہ کی تعریفات کو بیان کرنے اور کاروبار بیمہ کے ان تعریفات کے تحت آنے کو ثابت کرنے سے قطعی اور یقینی طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ کاروبار بیمہ اپنی تمام اقسام جملہ حالات اور شکلوں سمیت دھوکہ کا کاروبار ہے اور یہ کہ اس میں جو دھوکہ پایا جاتا ہے وہ دھوکہ کی بدترین قسم ہے۔ اس لئے کہ یہ دھوکہ خود اس کے وجود، حصول، مقدار اور میعاد تمام صورتوں میں پایا جاتا ہے۔

یہ بات تو واضح ہو گئی کہ وہ شارحینِ قانون اور علماءِ شریعت جو کاروبارِ بیمہ کے حرام ہونے میں کلام کرتے ہیں وہ یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ یہ کاروبار ایسے دھوکہ پر مشتمل ہوتا ہے جو اگر معاوضات میں پایا جائے تو وہ باطل ہو جاتے ہیں البتہ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حکم صرف بیمہ کمپنی اور مخصوص بیمہ دار کے درمیان موجود تعلق کی بنا پر پایا جاتا ہے جبکہ بیمہ کمپنی اور تمام بیمہ داران کے درمیان جو ایک طرح کا تعلق پایا جاتا ہے تو اس کے اعتبار سے بیمہ کمپنی کی طرف سے کسی قسم کا دھوکہ نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ اس کے پاس ایسے علمی وسائل موجود ہیں جن کے ذریعے وہ تمام بیمہ داران سے وصول ہونے والی رقم اور ان کو ادا کی جانے والی رقم کا پہلے سے تعین کر سکتی ہے اس سلسلہ میں ہم متعدد بار پہلے بھی وضاحت کر چکے ہیں کہ اس قسم کی بات کرنا تو گویا حکم کی نسبت ایک ایسے تعلق اور واسطے کی طرف کرنا ہے جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں، اس لئے کہ معاہدہ بیمہ سے اس قسم کا کوئی واسطہ یا تعلق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اس معاہدہ سے دونوں معاہدہ کرنے والے فریقین جو کہ بیمہ کمپنی اور مخصوص بیمہ دار ہیں، کے سوا کسی اور کے لئے کسی قسم کے حقوق و فرائض مرتب نہیں ہوتے بلکہ یہ تو گویا اس موجود واسطہ اور ثابت شدہ تعلق کو نظر انداز کر دینے کے مترادف ہے جو بیمہ کمپنی اور مخصوص بیمہ دار کے مابین اس معاہدہ بیمہ کے نتیجے میں پیدا ہو چکا ہے اور جس کے نتیجے میں اس معاہدہ کے فریقین کے جو حقوق و فرائض متعین ہوئے ہیں انہیں گویا ضائع کر دینا ہے۔

کاروبار بیمہ میں موجود دھوکہ کی اقسام

دھوکہ کی تعریفات اور اس کی وہ مثالیں بیان کرنے کے بعد کہ جن پر مجتہدین کا اتفاق ہے کہ دھوکہ ان پر اثر انداز ہو کر انہیں باطل کر دیتا ہے، اب ہمارے لئے یہ ممکن ہو گیا ہے کہ جن اقسام دھوکہ پر بیمہ مشتمل ہوتا ہے اور جو مجتہدین کے نزدیک بالاتفاق معاذضہ پر اثر انداز ہوتی ہیں ان کا خلاصہ بیان کریں۔ اس ضمن میں ہم فقہ مالکی پر اپنی تحقیق مرکوز رکھیں گے کیونکہ علماء شریعت میں سے جو ان بیمہ کے قائل اکثر حضرات امام مالکؒ کی فقہ سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فقہ میں لاعلمی اور دھوکہ کی بناء پر معاملات کے باطل ہونے کا دائرہ بہت ہی محدود ہے۔

امام القرانی المالکی کہتے ہیں کہ، دھوکہ اور لاعلمی سات اشیا میں ہو سکتا ہے اور پھر وہ ان میں سے ”خود کسی چیز کے وجود میں دھوکہ کا ہونا جیسے بھگوڑا ہے یا جس کے حصول میں دھوکہ ہو جیسے ہوا میں اڑتا ہوا (آزاد) پرندہ، یا مقدار میں دھوکہ ہو جیسے پتھر پھینکنے کی جگہ تک کو فروخت کرنے کی صورت میں یا مدت میں دھوکہ ہونے، کی مثالیں پیش کرتے ہیں (۳۱)۔

امام القرانی المالکی نے جو یہ چار صورتیں بیان کی ہیں ان میں موجود دھوکہ نہ صرف مالکیہ کے نزدیک معاملات معاذضہ کو باطل ٹھہرا دیتا ہے بلکہ تمام مجتہدین کے نزدیک اس سے یہ معاذضات باطل ہو جاتے ہیں جیسا کہ آپ پہلے ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اور یہ دھوکہ جو ان میں پایا جاتا ہے وہ بہت بڑا اور بدترین قسم

کا دھوکہ ہے۔ جب ہم کاروبار بیمہ کو ان چار قواعد پر پرکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہم ان مثالوں کو بھی مد نظر رکھتے ہیں جو ان چاروں قواعد کے مقابلے میں پیش کی گئی ہیں تو قطعی اور یقینی طور پر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ بیمہ کا کاروبار ان میں سے ہر ایک ضابطہ اور قاعدہ کے تحت آتا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر اس میں یہ چاروں قواعد جمع ہو جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۱۔ خود وجود میں دھوکہ کا پایا جانا:

فقہائے شریعت کے درمیان اس سلسلہ میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کہ خود وجود کے سلسلہ کا دھوکہ، دھوکہ کی شدید ترین اقسام میں سے ایک ہے۔ اس قسم کے دھوکہ پر مشتمل معاوضہ کے باطل ہونے میں ان میں سے کسی ایک نے بھی اختلاف نہیں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ معدوم چیز کے معاوضہ پر بطلان کا حکم لگانے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس حکم کے تحت وہ اس چیز کو بھی شامل کرتے ہیں جس کے وجود اور عدم دونوں کا احتمال ہو۔ لہذا گم شدہ اونٹ (جس کا وجود مشکوک ہو) کی خرید و فروخت جائز نہیں۔ کیونکہ خریدار کے لئے اس کا حصول اس کے پائے جانے پر منحصر ہے جو کہ خود مشتبہ ہے۔ اس لئے اگر وہ اسے نہ پاسکا تو اس نے جو معاوضہ اس کے بدلے ادا کیا ہے وہ ضائع ہو جائے گا۔ اور صورت حال ایسی ہوگی گویا ایک غیر یقینی صورت حال پر داد لگا رہا ہے اور وہ ہے اس چیز کا وجود جس کی خاطر اس نے معاوضہ ادا کر دیا ہے۔

یہ بات کاروبار بیمہ پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ کیونکہ بیمہ کی رقم جو بیمہ پکنی کے ذمہ ہوتی ہے اس کا وجود غیر حقیقی ہے۔ اس لئے کہ اس کا وجود موقوف ہے اس حادثہ پر جس سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ اگر وہ حادثہ پیش آیا تو بیمہ کی رقم بھی موجود ہوگی اور اگر حادثہ نہ پیش آیا تو بیمہ کی رقم بھی غیر موجود ہوگی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ شارحین قانون اس کو تسلیم کرتے ہیں اور اسے بیمہ کا خاصہ سمجھتے ہیں کہ جس کے بغیر اس کا تصور بھی ممکن نہیں۔

۲۔ حصول شئی میں دھوکہ پایا جانا :

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ حصول میں دھوکہ کا پایا جانا معاوضہ کو باطل کر دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کی بے شمار عبارتیں موجود ہیں۔

حصول میں دھوکہ کا مطلب یہ ہے کہ معاوضہ والے معاملات میں لین دین کرتے وقت اس معاملے کے کسی فریق کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس نے جس چیز کے بدلے میں معاوضہ ادا کیا ہے وہ اسے حاصل بھی کر سکے گا یا نہیں لہذا اس قسم کے لین دین میں اس کا شامل ہونا گویا اس چیز کے حصول کو داؤ پر لگانا ہے۔

فقہانے اس سلسلہ میں جو مثالیں پیش کی ہیں اگر ہم ان کا تجزیہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ ان مثالوں کے باطل ہونے پر فقہاء کا اجماع صرف اس بنا پر ہے کہ ان کے حصول میں دھوکہ پایا جاتا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اس قسم کا دھوکہ معاوضہ والے معاملات کو بالاتفاق باطل کر دیتا ہے۔

حصول معاوضہ میں پائے جانے والے دھوکہ کی جو مثالیں فقہانے پیش کی ہیں انہی میں سے ہر ایک میں اڑتے ہوئے پرندہ اور دریا میں تیرتی ہول مچھلی کا معاوضہ ادا کرنا بھی ہے کیونکہ جو شخص ان کی قیمت ادا کرتا ہے وہ گویا ان کے حصول کو داؤ پر لگا رہا ہے۔ وہ لین دین کرتے وقت یہ نہیں جانتا کہ اس نے جس چیز کی قیمت ادا کی ہے آیا اسے حاصل بھی کر سکے گا یا نہیں جبکہ اس نے صرف اسی کو حاصل کرنے کی خاطر ہی تو قیمت ادا کی ہے۔

جب اس اصول کو ہم کاروبار بیمہ پر جاری کر کے دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے بلاشبہ کاروبار بیمہ حصول میں پائے جانے والے دھوکہ پر مشتمل

ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بیمہ دار معاہدہ کرتے وقت یہ نہیں جانتا کہ آیا بیمہ کی جس رقم کے بدلے میں اس نے قسطیں ادا کی ہیں وہ اسے حاصل کر سکے گا یا نہیں کیونکہ اس کا یہ رقم حاصل کرنا موقوف ہے ایک امکانی حادثے پر جو کبھی تو پیش آجاتا ہے اور کبھی نہیں اور جب اس قسم کے دھوکہ پر مشتمل کاروبار کے باطل ہونے پر تمام فقہاء کا اجماع ہے تو کاروبار بیمہ کا باطل ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے اس لئے کہ حصول شے میں پایا جانے والا دھوکہ اس کاروبار کا بنیادی رکن، اساسی عنصر اور ایسا لازمی خاصہ ہے جو اس سے کسی طور پر جدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ شارحین قانون کے نزدیک بالاتفاق اس کا تصور اس عنصر کی موجودگی کے بغیر ممکن ہی نہیں، یعنی حصول اور عدم حصول دونوں کے محتمل ہونے کا عنصر۔

وہ معاوضات جن میں وجود یا حصول کے سلسلہ کا دھوکہ پایا جاتا ہے، ان کے باطل ہونے کے سلسلہ میں امام نوویؒ فقہاء کے اجماع کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: "فقہاء کا رحم مادر میں موجود جنین اور ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کی خرید و فروخت کے باطل ہونے پر اجماع ہے (۱۳۲)۔"

امام القرانی المالکی لاعلیٰ اور دھوکہ کی اقسام اور ان میں سے ہر قسم کا حکم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "دھوکہ اور لاعلیٰ کی تین اقسام ہیں: ایک قسم وہ ہے جو بہت زیادہ پایا جاتا ہے اور بالاجماع ناجائز ہے جیسے ہوا میں اڑتا ہوا پرندہ (۱۳۳) معلوم ہوا کہ رحم مادر میں موجود جنین، ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے اور دریا میں تیرتی ہوئی مچھلی کی خرید و فروخت کے باطل ہونے پر تمام فقہاء کا اجماع ہے۔ اس لئے کہ اس کاروبار میں وجود اور حصول دونوں میں پایا جانے والا دھوکہ موجود ہے! اس طور کہ کبھی تو فروخت کردہ چیز موجود ہوتی ہے اور کبھی سرے سے موجود ہی نہیں ہوتی۔ اور اگر اس کا موجود ہونا فرض کر لیا جائے تو پھر کبھی تو خریدار اسے حاصل کر سکتا ہے اور کبھی نہیں کیونکہ خریدار جو معاوضہ ادا کرتا ہے

وہ خرید کردہ چیز کے حصول کے بدلے میں دیتا ہے۔ جبکہ خود اس چیز کا وجود یا خریدار کا اسے حاصل کر لینا صرف امکانِ محض ہے جو کبھی تو ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔

حصول اور عدم حصول میں دھوکہ کے تحت جو کاروبار آتا ہے اس کی مثال جیسے شکاری کے تیر پھینکنے کا معاوضہ یا جال ڈالنے کی قیمت ادا کر دینا یہ کاروبار بھی باجماع مجتہدین باطل ہے اس کے باطل ہونے کا سبب اس کے حصول میں پایا جانے والا دھوکہ ہے کیونکہ کبھی تو خریدار کو کچھ نہ کچھ حاصل ہو جاتا ہے اور کبھی وہ محروم رہتا ہے اور اگر اسے مل بھی جائے تو اس کی مقدار کا پہلے سے کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ یہ اس کاروبار بیمہ سے بالکل مشابہہ ہے جس میں بیمہ دار کسی ایک بیمہ کمپنی سے معاہدہ کر لیتا ہے اور اس معاہدہ کو طے کرتے وقت بیمہ دار یہ بالکل نہیں جانتا کہ آیا وہ بیمہ کی رقم حاصل بھی کر سکے گا یا نہیں اور بالفرض وہ اسے حاصل کر بھی لے تو وہ بیمہ کی سب سے اہم قسم میں جو کہ نقصانات کا بیمہ ہے اس رقم کی مقدار سے بے خبر ہوتا ہے۔

۳۔ معاوضہ کی مقدار میں دھوکہ :

علم کا اس پر اتفاق ہے کہ معاوضہ کی مقدار کا دھوکہ وجود اور حصول کے دھوکہ کی طرح معاوضہ کو باطل کر دیتا ہے لہذا یہ کہ یہ معمولی قسم کا دھوکہ ہو جس کا قاعدہ آگے چل کر ہم بیان کریں گے۔

فقہ مالکی نے بھی اپنی کتابوں میں متعدد جگہ اس کی صراحت کر دی ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ امام القرانی المالکی واضح طور پر لکھتے ہیں کہ مقدار کا دھوکہ جو معاوضہ میں پایا جاتا ہے اس حسرت و فروخت کی طرح ہے جس میں تیر پھینک کر اس کے گرنے تک کی جگہ کو فروخت کیا جاتا ہے جس کے بارے میں فقہانے

صراحتاً کہا ہے کہ یہ کاروبار میں اثر انداز ہوتا ہے (۳۴)۔

علامہ ابن قدامۃ المغنی میں لکھتے ہیں (۳۵) ”چھوکر اور پھینک کر خرید و فروخت کرنا دو اسباب کی بناء پر باطل ہے؛ ان میں سے ایک لاعلمی ہے اور دوسرا اس کا مشروط ہونا ہے۔ اور کنکر مار کر لین دین کرنا بھی باطل ہے کیونکہ اس میں دھوکہ اور لاعلمی دونوں پائے جلتے ہیں۔ اسی طرح رحم مادر میں موجود حمل فروخت کرنا فاسد ہے کیونکہ وہ بھی غہول شئی ہے۔ اس لئے کہ اس کی زندگی اور خصوصیات کے بارے میں پہلے سے علم نہیں ہوتا اسی طرح اس کو خریدار کے سپرد کر دینے پر بھی قدرت حاصل نہیں ہوتی۔“

فقہانے معاوضہ کے بارے میں معلوم ہونے کی جو شرط عامہ کی ہے اس میں انہوں نے متعین معاوضہ اور اس معاوضہ کے مابین جو کہ کسی کے ذمے ثابت ہوتا ہو کوئی فرق روا نہیں رکھا ہے۔

فتح العزیز (۳۶) میں لکھا ہے: ”رہی مقدار کے بارے میں لاعلمی، تو وہ اس معاوضہ میں جو کسی کے ذمے ہو، چاہے وہ قیمت ہو یا وہ چیز ہو جس کی قیمت ادا کی گئی ہے اسے باطل قرار دے دیتی ہے۔“ اور اسی کتاب میں مذکور ہے کہ (۳۷): ”دونوں طرف کے معاوضوں میں سے جو بھی کسی کے ذمہ ہو تو اس کی مقدار کا معلوم ہونا ہر حالت میں ضروری ہے۔“ اس میں مزید لکھا ہے کہ (۳۸) ”عوض کی مقدار کا علم اس وقت بہت ضروری ہے جب وہ کسی کے ذمہ بنتا ہو۔“ الخطاب میں لکھا ہے کہ (۳۹): ”لین دین کرنے والے دونوں فریقوں کی طرف سے یا کسی ایک طرف سے اگر کسی ایک معاوضہ کے بارے میں لاعلمی پائی جاتی ہو تو وہ لین دین فاسد ہو جاتا ہے۔“

بدایۃ المجتہد میں لکھا ہے کہ (۴۰): ”کوئی چیز اس وقت تک دھوکے سے پاک نہیں ہو سکتی“ جب تک کہ اس کی مقدار معلوم نہ ہو۔“

اور امام مالکؒ "المُدَوْنَةُ" میں فرماتے ہیں (۴۱) "کسی سامان کو اس جیسے سامان کی قیمت پر فروخت کرنا یا خریدار پر اس کی قیمت کا فیصلہ چھوڑ دینا یا بیچنے والے کے فیصلے پر اس کی قیمت کو موقوف کر کے بیچنا یا خریدنے والے یا بیچنے والے کی مرضی پر قیمت کو چھوڑ کر بیچنا یا کسی تیسرے شخص کے فیصلے یا مرضی پر اس سامان کی قیمت کو موقوف کر کے بیچنا جائز نہیں اس لئے کہ یہ دھوکہ ہے"

اس کتاب میں امام مالکؒ مزید کہتے ہیں (۴۲) "جس نے اس شرط پر کوئی گھر خرید لیا کہ وہ بیچنے والے کی زندگی بھر کا خرچہ برداشت کرے گا تو یہ جائز نہیں اس لئے کہ اس کی زندگی کی مدت مجہول ہے اور یہ چیز دھوکہ ہے"

الفروع میں لکھا ہے (۴۳) خرید و فروخت کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ "قیمت معلوم ہو لہذا نامعلوم قیمت کے ساتھ خرید و فروخت کرنا جائز نہیں اسی طرح اس شرط پر خرید و فروخت کرنا کہ جو بھی اس کی قیمت آئندہ مقرر ہوگی یا لوگ جس قیمت پر اسے فروخت کریں گے وہی اس کی قیمت قرار پائے گی تو یہ بھی ناجائز ہے"

مفتی الارادات میں لکھا ہے کہ لین دین کرتے وقت معاوضہ کا معلوم ہونا اس کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔ چاہے یہ معاوضہ خرید و فروخت کی صورت میں قیمت ہو، یا اجارہ کی صورت میں اجرت کی شکل میں ہو۔ اسی وجہ سے کسی سامان کو اس قیمت پر فروخت کرنا جس پر لوگ اسے فروخت کرتے ہیں، یا جس پر زید نے اسے فروخت کیا اور یہ دونوں (خریدار اور فروخت کنندہ) اس قیمت سے لاعلم ہوں تو اسی طرح کے کاروبار کے بھی باطل ہونے کی روایت نقل کی گئی ہے (۴۴)

الفتاویٰ الہندیہ میں لکھا ہے (۴۵) "مال کے بدلے مال کی خرید و فروخت کی صورت میں اگر تبادلے میں حاصل ہونے والا مال نامعلوم ہو تو یہ لین دین باطل ہے"

جیسے خرید و فروخت، اجارہ، تقسیم مال، اور مال پر صلح کی صورت میں (اگر مال کے بدلے مال والا لین دین ہو)۔

بدائع الصنائع میں لکھا ہے (۱۴۶) "اگر کسی نے یہ کہا کہ میں نے اس غلام کو اس کی قیمت پر فروخت کر دیا ہے تو یہ خرید و فروخت ناسد ہے اس لئے کہ اس نے اس کے نرخ کو ہی اس کی قیمت بنا دیا ہے جو کہ مختلف خریداروں کے نزدیک مختلف ہوتی ہے، لہذا اس کی قیمت نامعلوم ہی رہی۔ اور اسی طرح اگر کسی دوسرے شخص کے فیصلہ پر فروخت کر دیا، کیونکہ اس صورت میں بھی قیمت نامعلوم ہے۔

حاشیہ ابن عابدین میں لکھا ہے (۱۴۷) "قیمت کی مقدار کا جاننا خرید و فروخت کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے۔ لہذا اگر قیمت مجہول ہو جیسے اس کی قیمت پر اسے فروخت کرنا اور اس کے اہل ذر سے فروخت کرنا، یا جس قیمت پر اس نے خرید لیا ہے یا کسی اور نے خرید لیا ہے یا جس قیمت پر لوگ اسے بیچتے ہیں تو ان تمام صورتوں میں یہ لین دین باطل ہے۔"

ان تمام مثالوں اور قواعد سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وہ معاوضہ جس کی ادائیگی کوئی فریق کر رہا ہے یا جس کی ادائیگی اس کے ذمہ بنتی ہے اس لین دین کی وجہ سے تو اس معاوضہ کی مقدار کا معلوم ہونا نہایت ضروری ہے اور اگر یہ مقدار معاوضہ مجہول یعنی نامعلوم ہو تو اس لین دین کے باطل ہونے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

واضح ہو کہ لین دین کے اس طرح باطل ہونے کی بعض فقہاء یہ توجیہ کرتے ہیں کہ یہ معاوضہ کی مقدار میں دھوکہ کی بنا پر ہے اور بعض فقہاء یہ توجیہ کرتے ہیں کہ معاوضہ مجہول ہونے کی بنا پر ہے۔ بہر حال دونوں توجیہات کا مفہوم ایک ہی ہے اور اس کی بنیاد جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں شرعی رضامندی کے نہ ہونے پر ہے کیونکہ معاوضہ کے صحیح ہونے کے لئے اس کے بارے میں

رضامندی کا پایا جانا شرط ہے جبکہ مجہول یعنی نامعلوم چیز کے بارے میں رضامند ہونے کا تصور تک نہیں کیا جاسکتا کیونکہ معاوضہ کے بارے میں لاعلمی خود معاوضہ کے بارے میں رضامندی کے درست ہونے پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لہذا حصول عرض کے جواز کے لئے یہ معاوضہ ایک شرعی سبب بننے کے قابل نہیں رہتا۔ اس لئے ایسے معاوضہ کا لینا گویا باطل طریقے سے غیر کمال کھانے کے مترادف ہے جیسا کہ آیات واحادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔

شارحین قانون اور کاروبار بیمہ کے سلسلہ میں تحقیق کرنے والے علماء شریعت میں سے کسی کا بھی اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ کاروبار بیمہ ”معاوضہ کی مقدار میں دھوکہ“ پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نقصانات کے بیمہ میں بیمہ دار کو معاہدہ کرتے وقت اس معاوضہ کی مقدار کا کوئی علم نہیں ہوتا جو بیمہ کمپنی حادثہ پیش آنے کی صورت میں ادا کرے گی۔ کیونکہ اس قسم کے بیمہ میں بیمہ دار کو حادثہ کی وجہ سے پیش آنے والے نقصان کے برابر ہی معاوضہ ملتا ہے، چاہے معاہدہ میں بیمہ کی جس رقم پر دونوں کا اتفاق ہوا ہے وہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح بیمہ کمپنی جس نے حادثہ پیش آ جانے کی صورت میں بیمہ دار کو بیمہ کی رقم ادا کرنے کی ذمہ داری لی ہے وہ بھی معاہدہ طے ہوتے وقت اس سے بے خبر ہوتا ہے کہ وہ بیمہ دار سے بدلے میں جو کچھ حاصل کر سکے گا اس کی مقدار کیا ہوگی؟ کیونکہ کبھی تو اس نے ایک ہی قسط ابھی حاصل کی ہوتی ہے کہ حادثہ پیش آ جاتا ہے اور یوں بیمہ کی رقم کا اسے نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے اور کبھی اس سے زیادہ اقساط بھی وصول کر لیتا ہے۔ اور بعض اوقات تو تمام قسطیں وصول کر لینے کے باوجود حادثہ پیش نہیں آتا اور اس طرح اس نے بیمہ دار کو جس رقم کی ادائیگی کا ذمہ لیا ہوتا ہے اس سے بری ہو جاتا ہے۔

مقدار معاوضہ میں اس طرح کا دھوکہ یا اس کے بارے میں اس قسم کی لاعلمی

کہ جس کے بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ معاوضہ پر اثر انداز ہوتی ہے اس لئے کہ اس میں بلاشک و شبہ بہت ہی واضح دھوکہ پایا جاتا ہے۔ یہ دھوکہ یا بے خبری بیمہ کمپنی اور بیمہ دار دونوں طرف سے پایا جاتا ہے، بیمہ کمپنی کی طرف سے تو یہ بالکل واضح ہے کیونکہ کبھی تو کمپنی ایک ہی قسط وصول کر پاتی ہے کہ حادثہ پیش آجاتا ہے لہذا وہ بیمہ کی پوری رقم ادا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے یا اسے نقصان کے برابر رقم ادا کرنا پڑتی ہے۔ جبکہ بعض اوقات حادثہ پیش آنے سے پہلے وہ بہت سی قسطیں وصول کر لیتا ہے تو ان دونوں صورتوں کے مابین بہت ہی فرق ہے۔ رہا بیمہ دار تو وہ بیمہ کمپنی کی اس ذمہ داری کے بدلے میں کہ وہ اسے بیمہ کی رقم ادا کرے گی ایک مقررہ قسط ادا کر دیتا ہے جو کہ خود بیمہ کمپنی اس بیمہ کی رقم کی بنیاد پر مقرر کرتی ہے۔ البتہ اس میں بیمہ کمپنی اسے پہنچنے والے نقصان کی مناسبت سے کبھی تو اسے پالیسی کی پوری رقم ادا کر دیتی ہے اور کبھی اس کا آدھا اور کبھی اس کا دسواں حصہ۔

اگر یہ کہا جائے کہ بیمہ کمپنی کے پاس جو امکنی حسابات، ریاضی کے قواعد اور قانون کثرت کے سلسلہ میں جو جدید ترین ذرائع و وسائل ہیں ان کے ذریعے وہ ایک مدت معینہ میں تمام بیمہ داران سے حاصل ہونے والی رقم کا قریب قریب درست تخمینہ لگا سکتی ہے اسی طرح انہی وسائل کو استعمال کر کے وہ حادثات کی صورت میں بعض بیمہ داران کو ادا کئے جانے والے معاوضہ جات کی مقدار کا بھی صحیح اندازہ کر سکتی ہے (لہذا یہ کاروبار دھوکہ سے پاک ہو جاتا ہے)

اس سلسلہ میں جیسا کہ ہم متعدد بار پہلے بھی کہہ چکے ہیں ہمارا جواب یہ ہے کہ اس طرح کے علم کا حصول بھی ناممکن ہے کیونکہ اس کے ساتھ بھی احتمالات و امکانات کا وجود قائم رہتا ہے اور اس کی دلیل مختلف بیمہ کمپنیوں کا مختلف شرح منافع ہے بلکہ ایک ہی کمپنی کا منافع کسی سال کچھ ہوتا ہے اور کسی سال کچھ اور اس کے ساتھ

ساتھ خسارے کے امکان کو بھی رد نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ یورپ کی بعض بیمہ کمپنیاں باوجودیکہ انہیں اس طرح کے علمی وسائل بکثرت مہیا تھے، دیوالیہ قرار دی گئیں۔ اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں تب بھی مسئلہ زیر تحقیق کے سلسلہ میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ اصل اختلاف اور زیر بحث تو وہ معاہدہ ہے جو بیمہ کمپنی کسی خاص بیمہ دار سے طے کرتی ہے اور جس کے نتیجے میں بیمہ کمپنی اور اس مخصوص بیمہ دار کے مابین حقوق و فرائض متعین ہوتے ہیں۔ رہا وہ تعلق جو بیمہ کمپنی کا تمام بیمہ داران سے ان کی مجموعی حیثیت سے قائم ہو تو یہ ایک غیر حقیقی صورت ہے جس کا کوئی وجود نہیں اس لئے کہ معاہدہ بیمہ کے تحت اس قسم کا کوئی تعلق پیدا نہیں ہوتا اور اگر اس طرح کے کسی تعلق کا وجود ہوتا تو ہم یقیناً اس پر بحث کرتے اور اس کا شرعی حکم بھی بیان کر دیتے۔

اس کے علاوہ اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ بیمہ کمپنی اپنے وسائل سے اُسے حاصل ہونے والے اتساط کی مقدار اور ان معاوضہ جات کی مقدار جو اسے بیمہ داران کو ادا کرنے ہوں گے، پہلے سے معلوم کر سکتی ہے تب بھی کاروبار بیمہ کے جواز کے سلسلہ میں اس سے کوئی مدد نہیں ملتی۔ اس لئے کہ بیمہ دار تو پھر بھی بے خیر ہی رہتا ہے کہ اسے کتنا کچھ ادا کرنا ہے اور پھر کیا کچھ اسے بدلے میں حاصل ہو سکے گا۔ کیونکہ کثرت کا قانون تو اس کے لئے بے معنی چیز ہے۔ اسی طرح امکانی مہابت اور ریاضی کے قواعد کے سلسلہ میں کسی قسم کے وسائل بھی اسے حاصل نہیں ہوتے اور اصول یہ ہے کہ اگر دھوکہ اور لاعلمی کاروبار کے دونوں فریقین میں سے کسی ایک فریق کی جانب بھی پائے جائیں تو وہ کاروبار باطل ہوتا ہے چاہے دوسرا فریق مقدار معاوضہ کو پوری طرح ہی کیوں نہ جانتا ہو، جیسا کہ ہم اس کی مثال پہلے دے چکے ہیں جہاں ہم نے فقہاء کی آراء کو بیان کیا ہے۔

۴۔ مدت میں دھوکہ !

فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ معاوضہ والے معاملات میں اگر مدت معلوم نہ ہو تو یہ کاروبار باطل ہوتا ہے۔ لہذا اگر کاروبار معاوضہ میں ایک طرف کا معاوضہ ادھار ہو تو اس کی مدت ادائیگی کا معلوم ہونا ضروری ہے اور اگر وہ مدت نامعلوم ہوئی تو یہ کاروبار باطل ہو جاتا ہے

امام القرائی المالکی اپنی کتاب الفروق میں کہتے ہیں (۴۸) کہ میعاد میں دھوکہ اور اس کے بارے میں لا علمی معاوضہ والے معاملات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اور ابن رشد لکھتے ہیں (۴۹) "اگر ادھار کا لین دین ہو تو اس میں سے دھوکہ اسی صورت میں ختم ہوتا ہے جب اس کی مدت ادائیگی معلوم ہو۔"

بدائع الصنائع میں لکھا ہے (۵۰) لین دین کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ "اگر لین دین میعاد والی ہے تو اس میں اس میعاد کا معلوم ہونا ضروری ہے اور اگر اس کی میعاد معلوم نہ ہو تو لین دین فاسد ہو جاتا ہے چاہے یہ لا علمی شدید ترین نوعیت کی ہو جیسے فلاں شخص کے مرنے پر یا بارش ہونے پر (ادائیگی کی میعاد کو مقرر کرنا) یا یہ لا علمی معمولی نوعیت کی ہو جیسے کھیت کٹنے اور حاجیوں کے لوٹنے پر اس کی میعاد رکھنا۔"

فتح العزیز میں لکھا ہے (۵۱) جب معاوضہ کی ادائیگی کسی کی ذمہ داری بن جائے اور اس کی ادائیگی مؤخر ہو تو اس کی میعاد کا معلوم ہونا نہایت ضروری ہے اور میعاد کے نامعلوم ہونے کی صورت میں جیسے زید کے آنے پر یا بارش ہونے پر تو یہ لین دین فاسد ہو جائے گا۔"

فتح الباری میں لکھا ہے کہ حمل کے حمل کی خرید و فروخت کی ممانعت اور اس کے باطل ہونے کی علت اور اس کا سبب یہ ہے کہ اس میں اس کی میعاد

غیر متعین ہوتی ہے اور حمل کے حمل سے مراد یہ ہے کہ اونٹنی بچہ دے اور پھر یہ بچہ خود حاملہ ہو کر بچہ جنے۔

ان عبارتوں سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ میعاد کا معلوم نہ ہونا معاذضہ کو باطل کر دیتا ہے۔ اور اس بارے میں مجھے کسی بھی ایسے مجتہد کا علم نہیں جو کسی انسان کے مرنے تک میعاد مقرر کرنے کو ایسی شدید ترین نوعیت کی بے خبری نہ مانتا ہو جس سے معاذضہ باطل ہو جاتا ہے۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ بیمہ کے بعض معاہدوں میں میعاد کے سلسلہ کا دھوکہ پایا جاتا ہے۔ شارحین قانون کہتے ہیں کہ بیمہ کی رقم جس کی ادائیگی تحفظ فراہم کرنے والے کی ذمہ داری ہوتی ہے کبھی کبھی اس کی میعاد غیر متعین ہوتی ہے جیسا کہ بیمہ زندگی کی بعض صورتوں میں ہوتا ہے جیسے تاحیات پالیسی کی صورت میں وہ یوں کہ بیمہ کمپنی اس قسم کے بیمہ میں بیمہ کی رقم بیمہ دار کے مرنے کی صورت میں ادا کرنے کا عہد کرتی ہے۔ جبکہ یہ میعاد ایک نامعلوم اور غیر معین میعاد ہے جو فقہاء کے نزدیک بالاتفاق اس لین دین کو باطل کر دیتا ہے لہذا اس طرح کا معاہدہ بیمہ باطل ہوگا۔

کاروبار بیمہ میں پایا جانے والا دھوکہ

معمولی نوعیت کا نہیں ہوتا

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ دھوکہ والے لین دین سے مخالفت (شریعت میں) عام اور مطلق یعنی بغیر شروط و مستیود کے آئی ہے اور ہم نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ بعض فقہاء نے معمولی نوعیت کے دھوکہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے معمولی نوعیت کے دھوکہ کے مقاصد کی تحدید بھی کر دی ہے اور اس کے شرائط و ضوابط بیان کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس کی جو مثالیں پیش کی ہیں ان سے اس کی حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی

ہے۔ اس لئے اگر کوئی محقق کسی خاص کاروبار کے بارے میں حکم شرعی جاننے کا خواہش مند ہو تو اسے چاہیے کہ وہ یہ دیکھے کہ آیا یہ معاملہ دھوکہ کی اس تعریف کے تحت تو نہیں آتا جو ہم نے پہلے بیان کی ہے۔ اگر اس کے تحت نہیں آتا تو پھر وہ اسے جائز قرار دے سکتا ہے۔ اور اگر وہ دیکھے کہ یہ معاملہ تو اس دھوکہ کے تحت آتا ہے تو پھر اسے یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا یہ اس معمولی نوعیت کے دھوکہ کے قواعد و ضوابط کے تحت تو نہیں آتا جس کو فقہائے نے مانعت اور حرمت کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اگر یہ اس کی تعریف کے ذیل میں نہیں آتا تو پھر وہ اس کے بارے میں باطل اور حرام ہونے کا فیصلہ دے دے۔ اور اگر اس میں معمولی نوعیت کے دھوکہ کی شرائط پائی جاتی ہیں تو پھر اس سے لین دین میں کوئی منسرق نہیں پڑتا۔

یہ تو ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ کاروبار بیمہ دھوکہ کی اس تعریف اور مفہوم کے تحت آتا ہے جسے فقہائے نے بیان کیا ہے اور جس کی انہوں نے مثالیں بیان کی ہیں اب ہم یہ ثابت کریں گے کہ اس کاروبار میں جو دھوکہ پایا جاتا ہے وہ اس معمولی نوعیت کے دھوکہ میں سے نہیں جو قابل درگزر ہے۔

۱۔ کاروبار میں پائے جانے والے

قابل معافی دھوکہ کی تعریف :

تمام فقہاء میں سے شاید فقہاء مالکیہ دھوکہ کے مسئلہ میں سب سے زیادہ رعایت کے قائل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ بیمہ کے جواز کے قائل ہیں وہ اس جواز کی خاطر انہی کی رائے سے استدلال کرتے ہیں۔ اس لئے بہتر ہو گا کہ ہم مالکی نقطہ نظر سے اس معمولی نوعیت کے دھوکہ کو واضح کر دیں جو مالی معاوضات پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ تاکہ جب یہ ثابت ہو جائے کہ ان کے نزدیک اس قسم

کے دھوکہ کی جو تعریف ہے کاروبار بیمہ اس میں شامل نہیں تو دوسرے فقہاء کے نزدیک تو بطریق اولیٰ اس کے ذیل میں نہیں آئے گا۔

شیخ الدرریر معاملات میں قابل درگزر دھوکہ کی تعریف اور اس کی شرائط کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں (۵۲)؛ "ضرورت کی بناء پر معمولی دھوکہ قابل درگزر ہے بشرطیکہ وہ دھوکہ غیر مقصود ہو، معلوم ہو کہ معمولی ہونے کی شرط کی وجہ سے اس سے زیادہ اور بڑا دھوکہ خارج ہو جاتا ہے جیسے ہوا میں اڑتے ہوئے پرندہ اور دریا میں تیرتی ہوئی مچھلی کو فروخت کرنا۔ لہذا اس کے قابل معافی نہ ہونے پر اجماع ہے، اور غیر مقصود ہونے کی شرط سے حیوان کو حامل ہونے کی شرط پر فروخت کرنا اس معمولی نوعیت کے دھوکہ کی تعریف سے خارج ہو گیا کیونکہ حامل حیوان کے حمل کا خریدنا عام طور پر مقصود ہوتا ہے۔ اس صورت میں یہ دھوکہ ہے کیونکہ حمل کے حصول اور عدم حصول دونوں کا احتمال ہوتا ہے اور پھر اگر اس کا حصول ممکن ہو بھی جائے تو خود اس حمل کی ماں کی سلامتی مشکوک ہوتی ہے۔"

اس کے بعد انہوں نے (علامہ الدرریر نے) اس قسم کے دھوکہ کی ایسی مثالیں پیش کی ہیں جن سے اس کی پوری پوری وضاحت ہوتی ہے اور اس طرح کے دھوکہ کی اصلیت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں (۵۳)؛ "جیسے گھر کی بنیاد ہے کہ اسکی گہرائی۔ چوڑائی اور مصنوعی کو پرکھے بغیر خریداجاتا ہے یا جیسے گھر کو کرایہ پر ماہانہ کی بنیاد پر دے دینا باوجودیکہ اس میں مہینہ کے ایام میں کمی بیشی کا احتمال ہوتا ہے یا جیسے کسی اچھے جبہ یا لحاف کو فروخت کرنا کہ اس میں جو کچھ بھرا ہوا ہوتا ہے وہ ظاہر نہیں ہوتا۔ اسی طرح پانی پلانے والے سے پینے کے لئے پانی خریدنا یا حمام میں نہانے کے لئے داخل ہونا کہ ان صورتوں میں مختلف لوگوں کے پانی پیتے یا نہاتے ہوئے پانی کم یا زیادہ استعمال کرنے

میں عادتیں مختلف ہوتی ہیں۔“

مواہب الجلیل میں الخطاب کہتے ہیں (۱۵۴): ”معمولی نوعیت کا دھوکہ جو غیر مقصود ہو اور ضرورت کی بنا پر ہوتا بل معافی ہے۔“ ابن عرفہ کہتے ہیں: ”المازری نے معمولی دھوکہ کا اصل مقصود نہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا بھی اضافہ کیا ہے کہ اس کے بغیر چارہ کار بھی نہ ہو۔ یعنی وہ ناگزیر ہو۔ اس کی وضاحت ان کے اس قول سے ہوتی ہے کہ: ”رحم مادر میں موجود جنین کی فروخت سے ممانعت اور اس جثہ کی حشرید و فروخت کا جواز جس کے استر کی مقدار معلوم نہ ہو باوجودیکہ اس استر کا الگ فروخت کرنا ممنوع ہو، اسی طرح ایک مہینہ کے لئے کرایہ پر دینے کا جواز جبکہ اس کے ایام میں کمی بیشی کا احتمال ہوتا ہے۔ حمام میں داخل ہونے کا جواز باوجودیکہ لوگوں کی عادتیں پانی کم یا زیادہ خرچ کرنے اور حمام میں تھوڑی دیر یا زیادہ دیر رہنے کے سلسلہ میں مختلف ہوتی ہیں۔ اسی طرح پانی پلانے والے سے پینے کے لئے پانی خریدنے کا جواز۔ ان تمام صورتوں کے جواز پر فقہاء کا اجماع اس بات کی دلیل ہے کہ جو دھوکہ معمولی نوعیت کا ہو، غیر مقصود ہو اور ناگزیر ہو اس کی کوئی حیثیت نہیں۔“

۲۔ غیر موثر دھوکہ کے عناصر:

ان دونوں عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک مالی معاوضات میں غیر موثر دھوکہ کے تین عناصر ہیں۔ اگر یہ تینوں عناصر بیک وقت دھوکہ میں موجود ہوں تو یہ دھوکہ معاف ہوگا اور معاملہ اس کے ہوتے ہوئے بھی درست ہوگا اور اگر ان میں سے کوئی ایک عنصر بھی اس میں سے مفقود ہو تو یہ دھوکہ موثر ہو جائے گا اور معاملہ کے باطل ہونے کا فیصلہ صادر کیا جائے گا اور وہ تینوں عناصر یہ ہیں: دھوکہ معمولی نوعیت کا ہو، بذات خود غیر مقصود ہو، اور اس

کا ارتکاب ضرورت کے تحت ہو یعنی یہ ناگزیر ہو۔

پہلا عنصر: دھوکہ کا معمولی ہونا:

فقہاء مالکیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو دھوکہ مالی معاملات میں غیر مؤثر ہے اس کا معمولی اور حقیر ہونا ضروری ہے۔ اس قسم کے دھوکہ کی تعریفات کے سلسلہ میں فقہاء کی عبارتوں اور ان کی پیش کردہ مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک دھوکہ کے معمولی ہونے سے مراد یہ ہے کہ لین دین کرنے والوں نے معاوضہ کی جو قیمت مقرر کی ہے اس میں امکانی کمی یا بیشی بہت ہی معمولی اور حقیر سی ہو کہ عام طور پر لوگ جس کی پرواہ نہیں کیا کرتے۔ اور اس کمی یا بیشی کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کمی یا بیشی کا موازنہ معاوضہ کی مجموعی قیمت سے کیا جائے۔ اگر یہ نقصان یا اضافہ اصل قیمت کی نسبت سے بہت ہی معمولی یا حقیر ہے تو عوض کی مقدار کے سلسلہ کا دھوکہ بھی معمولی نوعیت ہی کا ہو گا۔ مثلاً جبہ کو لے لیں کہ اس کے اسٹر کی قیمت کا صحیح علم نہیں ہے اگر لین دین کرنے والوں نے مثلاً اس کی قیمت ایک سو روپے لگائی اور امکان یہ ہے کہ جبہ زیادہ قیمت والا ہے اس بناء پر کہ شاید اس کا اسٹر عمدہ قسم کا ہے جس کی وجہ سے اس کی قیمت ایک سو دس روپے ہونی چاہیے تھی۔ تو یہ ایک ایسا معمولی نوعیت کا اضافہ ہے کہ جس کی عام طور پر لوگ پرواہ نہیں کرتے۔ اسی طرح اگر امکان یہ ہے کہ جبہ کم قیمت والا ہے اس بناء پر کہ شاید اس کا اسٹر معمولی قسم کا ہے جس کی وجہ سے اس کی قیمت نوٹائے روپے ہونی چاہیے تھی، تو یہ نقصان بھی بہت معمولی نوعیت کا ہے کہ عام طور پر لوگ جس کی پرواہ نہیں کیا کرتے بہر حال دونوں صورتوں میں کمی یا بیشی کی نسبت اصل قیمت سے دس فیصد ہوتی ہے۔

اور یہ نسبت گھر کو ایک ماہ تک کرایہ پر دینے کی صورت میں تو باعتبار نقصان یا اضافہ کے ایک اور تیس کی بن جاتی ہے اور یہی صورت حال گھر کو بنیاد کے ساتھ اور پانی پلانے والے سے پانی خریدنے اور حمام میں داخل ہونے کی صورت میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ ان تمام معاملات میں قیمت میں کمی بیشی جس کی لین دین والا توقع رکھ سکتا ہے وہ مجموعی قیمت کی مناسبت سے بہت ہی معمولی نوعیت کی ہوتی ہے۔

حصول میں پایا جانے والا دھوکہ معمولی نہیں ہوتا؛

دھوکہ کے معمولی ہونے کا جو مفہوم پہلے بیان ہو چکا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حصول کے سلسلہ کا دھوکہ قطعاً معمولی نوعیت کا نہیں ہوتا اس لئے کہ اس طرح کے دھوکہ کا تعلق معاوضہ کی قیمت سے کسی طور پر نہیں بلکہ یہ خود اس کے حصول اور عدم حصول کے سلسلہ میں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ حصول کے دھوکہ کا معمولی دھوکہ میں سے کسی طور پر بھی نہ ہونا مندرجہ ذیل دو باتوں سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

اول: شیخ الدردیر کا یہ قول جو پہلے گزر چکا ہے کہ: "معمولی ہونے کی شرط سے زیادہ دھوکہ (اس کی تعریف سے) خارج ہو گیا، جیسے ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے اور دریا میں تیرتی ہوئی مچھلی کو فروخت کرنا۔ کیونکہ اس طرح کا دھوکہ بالا جماع معاف نہیں ہے" لہذا ان کے اس قول سے ثابت ہو گیا کہ ہوا میں اڑتے پرندے اور دریا میں تیرتی ہوئی مچھلی کے خرید و فروخت میں ایسے دھوکہ کے پائے جانے پر فقہاء کا اجماع ہے جو قابل معافی نہیں۔ امام القرانی المالکی نے ان دونوں مثالوں کو حصول کے سلسلہ میں پائے جانے والے

دھوکہ کے تحت بیان کیا ہے جس سے ہماری اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ حصول میں پایا جانے والا دھوکہ ایسا نہیں جو معاملات میں معاف ہوتا ہو بلکہ یہ شدید ترین اور کھلم کھلا دھوکہ ہے اور جن معاملات میں یہ پایا جاتا ہے فقہاء کا ان کے باطل ہونے پر اجماع ہے۔

کاروبار بیمہ میں جو دھوکہ پایا جاتا ہے وہ شارعین قانون اور علماء شریعت کے نزدیک بالاتفاق حصول کا دھوکہ ہے۔ اس لئے کہ معاہدہ کرتے وقت بیمہ دار کو قطعاً یہ علم نہیں ہوتا کہ آیا وہ بیمہ کی وہ رقم حاصل کر بھی سکے گا یا نہیں جس کے لئے اس نے اقساط ادا کی ہیں۔

یہی حصول معاوضہ کا دھوکہ اور اس کا امکان کہلاتا ہے جو صرف اس کی مقدار ہی میں نہیں پایا جاتا۔ اس لئے کاروبار بیمہ میں پایا جانے والا دھوکہ معمولی نوعیت کا دھوکہ نہیں کہلا سکتا۔

دوم :- فقہاء نے معمولی دھوکہ کے لئے جو مثالیں پیش کی ہیں ان سب میں حصول عوض کے سلسلہ کا دھوکہ نہیں پایا جاتا جیسے گھر کو اس کی بنیاد دیکھے بغیر فروخت کرنے کا جواز، جبہ بالمخاف کو اس میں پوشیدہ روئی وغیرہ کو جانے بغیر بیچنے کا جواز، ایک ماہ کے لئے کرایہ پر دینے کا جواز باوجودیکہ عہدہ کے ایام میں کمی یا بیشی کا امکان رہتا ہے، حمام میں دخول کا جواز باوجودیکہ حمام میں رہنے اور اس کی چیزیں استعمال کرنے میں لوگوں کی عادتیں مختلف ہوتی ہیں، اسی طرح پانی پلانے والے سے پینے کے لئے پانی خریدنے کا جواز باوجودیکہ بعض لوگ کم پانی پیتے ہیں اور بعض زیادہ۔ تو ان تمام مثالوں میں حصول کے سلسلہ کا دھوکہ نہیں پایا جاتا۔ اس لئے کہ ان تمام معاملات میں معاوضہ تو ہر حالت میں حاصل ہو جاتا ہے صرف اتنی سی بات ہے کہ اس حاصل ہونے والے معاوضے کی اس مقدار میں تھوڑی سی کمی یا بیشی ہو جاتی ہے جس پر دونوں لین دین کرنے والوں نے اتفاق کیا ہے۔

یہ تو آپ پر واضح ہو چکا ہے کہ بیمہ میں نہ صرف حصولِ عوض کے سلسلہ کا دھوکہ پایا جاتا ہے بلکہ بیمہ کی اہم اقسام میں جیسے نقصانات کا بیمہ ہوا، عوض کے حصول کی صورت میں تو مقدار کے سلسلہ کا دھوکہ بھی پایا جاتا ہے۔ کاروبارِ بیمہ میں مقدار کے سلسلہ میں پایا جانے والا دھوکہ شدید ترین نوعیت کا دھوکہ ہوتا ہے جبکہ مالکیہ کی پیش کردہ مثالوں سے معمول دھوکہ کا جو مفہوم سامنے آتا ہے اس پر لے کسی طرح بھی قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا جو شخص اپنے گھر کو جلنے سے محفوظ رکھنے کے لئے بیمہ کراتا ہے یا اپنے سامان کا بیمہ کراتا ہے غرق ہو جانے سے، تو وہ ایسے اقساط کی ادائیگی کی ذمہ داری لے لیتا ہے جو اس گھر یا اس سامان کی قیمت کی مناسبت سے مقرر کی جاتی ہیں۔ اب ہوتا ایسے کہ کبھی تو آگ سے یا غرق ہونے سے گھر یا سامان مکمل طور پر ضائع ہو جاتا ہے لہذا بیمہ کمپنی گھر یا سامان کی پوری قیمت ادا کر دیتی ہے بشرطیکہ وہ قیمت بیمہ کی اس رقم کے اندر اندر ہو جس کی مناسبت سے اقساط کا تعین کیا گیا تھا اور کبھی حادثہ سے جزوی نقصان پہنچتا ہے جو اس چیز کے نصف یا ایک تہائی کے برابر ہوتا ہے تو بیمہ دار بھی اسی مناسبت سے بیمہ کی رقم کا حق دار بن جاتا ہے اس طرح ان دونوں امکانات میں بہت بڑا فرق ہے اس لئے کہ کبھی تو بیمہ کمپنی جو رقم ادا کرے گی جیسے پہلی صورت میں وہ مثلاً دس ہزار روپے ہوں گے اور کبھی کم جیسے دوسری صورت میں مثلاً صرف ایک ہزار روپے اور کبھی حادثہ پیش آجانے کی صورت میں بیمہ کمپنی کچھ بھی ادائیگی نہیں کرتی، اس لئے کہ آگ لگانے یا غرق کرنے کی ذمہ داری کسی اور شخص پر عائد ہوتی ہے (جس سے بیمہ دار اپنے نقصان کی تلافی کے لئے تاوان وصول کر لیتا ہے)۔

اس کے ساتھ ساتھ جیسا کہ ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں یہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ بیمہ دار اس شخص سے جو اس نقصان کا ذمہ دار ہے جو کچھ وصول کرے گا اسے اور بیمہ کی رقم کو جس کے لئے اس نے قسطیں ادا کی ہیں، دونوں کو

بیک وقت حاصل نہیں کر سکتا۔

دوسری طرف بیمہ کمپنی کی جانب سے بھی شدید قسم کا دھوکہ پایا جاتا ہے اس معاوضہ کی مقدار میں جو اسے حاصل کرنا ہے۔ کیونکہ کبھی تو وہ ایک ہی قسط جس کی مقدار مثلاً ایک ہزار روپیہ ہے وصول کرتا ہے کہ حادثہ پیش آجاتا ہے جس کی وجہ سے اسے بیمہ کی رقم یا نقصان کی پوری قیمت ادا کرنی پڑ جاتی ہے۔ اور کبھی وہ دس قسطوں میں دس ہزار روپیہ وصول کر لیتا ہے اور پھر حادثہ پیش آجاتا ہے تب اسے بیمہ کی رقم یا نقصان کی پوری رقم ادا کرنی پڑتی ہے، اور کبھی پوری قسطیں وصول کر لیتا ہے اور بیمہ کے لئے مقررہ مدت کے دوران حادثہ سرے سے پیش ہی نہیں آتا لہذا اسے ذرا سا بھی نقصان نہیں اٹھانا پڑتا۔ ان مختلف امکانات کی وجہ سے بیمہ کمپنی جو معاوضہ وصول کرے گی اس کی مقدار کا مختلف ہونا بہت ہی بڑے درجے کا اختلاف ہے اور اسے اس معمولی اور حقیر سے اختلاف مقدار پر قیاس ہرگز نہیں کیا جاسکتا جو ان مثالوں میں بطور امکان کے پایا جاتا ہے جو مالکی فقہاء نے معمولی نوعیت کے دھوکہ کے سلسلہ میں پیش کی ہیں۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ کاروبار بیمہ میں دونوں فریق اچھے یا بڑے امکانات کی مناسبت سے جو معاوضہ بھی وصول کریں گے اس کی مقدار میں بہت زیادہ تفاوت اور فرق پایا جاتا ہے نسبت اس دھوکہ کے جو معاملات میں غیر موثر ہے اور جس کی مثالیں فقہاء مالکیہ نے پیش کی ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاہدات بیمہ میں دھوکہ کی وجہ سے دونوں متبادل ذمہ داریوں کے درمیان پایا جانے والا امکانی خرابی تناسب بہت بڑا اور بہت زیادہ ہے نسبت اس امکانی خرابی کے جو گھر کو اس کی بنیاد دیکھے بغیر خریدنے میں ہے یا جہت کہ اس کے استر کے بارے میں علم نہ ہو کہ کس معیار کا ہے اسے فروخت کرنے یا گھر کو ایک ماہ تک کرایہ پر دے دینے یا حمام میں داخل ہونے اور پانی پلانے والے سے پینے کو پانی خریدنے

کی صورتوں میں ہے۔ لہذا جو شخص اسٹرک صفات کو پہچانے بغیر مثلاً ایک سو روپیہ میں کوئی جُبہ خرید لیتا ہے تو اس میں یہ امکان ہوتا ہے کہ اس کا اسٹر عمدہ قسم کا ہو یا ادنیٰ قسم کا ہو یا درمیانے درجے کا ہو۔ تو حقیقت میں ان تینوں اقسام میں جو فرق ہے وہ بہت معمولی نوعیت کا ہے۔ اس لئے کہ اعلیٰ قسم کے اسٹرک وجہ سے یہ جُبہ زیادہ سے زیادہ ایک سو دس روپے کا ہو سکتا ہے اور ادنیٰ قسم کے اسٹرک وجہ سے نوے روپے کا اور درمیانی درجے کے اسٹرک بنا پر یہ سو روپے کا ہو سکتا ہے جبکہ اعلیٰ یا ادنیٰ احتمالات کے درمیان جو فرق ہے عام طور پر لوگ اس کی پروا نہیں کیا کرتے لہذا یہ معمولی نوعیت کا دھوکہ ہوا جو غیر مؤثر ہوتا ہے اور یہی حال ہے پینے کے پانی اور حمام میں ٹھہرنے کی مدت کی صورت میں کیونکہ پانی کی قیمت بہ نسبت حمام میں داخلے کے فوائد کے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

دوسرا عنصر: دھوکہ کا غیر مقصود ہونا؛

معاملات میں جس دھوکہ سے درگزر کیا گیا ہے اس کے عناصر میں سے دوسرا عنصر اس معمولی دھوکے متعلق کا غیر مقصود ہونا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دھوکہ کا وجود کاروبار کے دونوں طرف کے معاوضوں یا کسی ایک پر قائم نہ ہو اور نہ ہی عوض کے کسی ایسے ذیلی معاملے پر اس کا وجود قائم ہو جو معاملات میں عام طور پر مطلوب ہوتا ہے۔ بلکہ اس کا وجود کسی ایسے ذیلی معاملے پر قائم ہونا چاہیے جو عام طور پر غیر مقصود ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پھلوں کے پیدا ہونے سے قبل ان کی خرید و فروخت اور ہوا میں اڑتے پرندے اور دریا میں تیرتی ہوئی مچھلی کے لین دین میں پائے جانے والے دھوکہ کا وجود ایک غیر مقصود ذیلی معاملے پر قائم نہیں بلکہ خود محل معاوضہ میں یہ پایا جاتا ہے لہذا یہ خود اس شے کے وجود یا اس کے حصول کے سلسلہ کا دھوکہ ہوا۔ اسی طرح حاملہ ہونے کی شرط پر حیوان کی خرید و فروخت

میں دھوکہ کا وجود کسی غیر مقصود ذیلی معاملے پر قائم نہیں بلکہ ایک ایسے ذیلی معاملے پر قائم ہے جو بذاتِ خود مقصود ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اگرچہ عمل معاوضہ میں جو کہ حیران ہے کوئی دھوکہ نہیں پایا جاتا لیکن اس حیران کا عمل کہ جس کے ساتھ دھوکہ کا تعلق ہے، عمل معاوضہ کے تابع ہونے کے ساتھ ساتھ خود مقصود بھی ہے۔

جن مثالوں میں یہ عنصر بکثرت پایا جاتا ہے وہ وہی اشلہ میں جنہیں فقہاء مالکیہ نے بیان کیا ہے: جیسے گھر کو اس کی بنیاد پر کھے بغیر فروخت کرنا، جبہ کے استر کی پہچان کے بغیر اس کی خریداری، گھر کو ایک ماہ کے لئے کرایہ پر دینا باوجود یکہ مہینہ کے ایام کبھی کم ہوتے ہیں کبھی زیادہ اور پانی پلانے والے سے پینے کو پانی خریدنا یا حمام میں داخل ہونا باوجود یکہ پانی پینے کی مقدار اور حمام میں کم یا زیادہ دیر رکنے میں لوگوں کی عادات مختلف ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان تمام معاملات میں دھوکہ کا وجود اصل معاوضہ پر قائم نہیں اس لئے کہ خود اس معاوضے کا وجود یا عدم مشکوک نہیں نہ ہی اس کے حصول یا عدم حصول کے بارے میں کوئی شبہ ہے۔ اسی طرح اہل کا وجود کسی ایسے ذیلی معاملے پر قائم نہیں جو اس عمل سے مربوط ہونے کے ساتھ ساتھ لین دین کرنے والوں کے لئے مقصود کا درجہ رکھتا ہو بلکہ دھوکہ کا ان تمام مثالوں میں ایک ایسے ذیلی معاملے سے تعلق ہے جو لین دین کرنے والوں کے لئے لین دین کرتے وقت کٹا حیثیت نہیں رکھتا اس لئے کہ اصل معاوضہ میں تبادلاً داخل ہوتا ہے قصداً نہیں لہذا گھر کی بنیاد کے مجہول ہونے کے باوجود اسے فروخت کرنے میں جو دھوکہ پایا جاتا ہے اس کا وجود خود اصل عمل معاوضہ پر جو کہ گھر ہے قائم نہیں۔ اس لئے کہ خود گھر کے مشلہ میں کسی قسم کا دھوکہ نہیں پایا جاتا بلکہ دھوکہ تو اس کی بنیاد میں ہے جو عام طور پر لین دین کرتے وقت غیر مقصود ہوتا ہے اور اس میں صرف تبادلاً داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح جبہ کے استر کے مجہول ہونے کی وجہ سے پایا جانے والا دھوکہ اصل معاوضہ جو کہ خود جبہ ہے کا دھوکہ نہیں ہے بلکہ اس جبہ کی ایک ذیلی چیز کہ جو معاملات میں غیر مقصود ہوتا ہے کا دھوکہ ہے۔ اسی طرح حمام میں داخل ہونے کی صورت میں باوجود یکہ استعمال ہونے والے پانی کی مقدار معلوم نہیں ہوتی۔ اس میں بھی دھوکہ اصل معاوضہ کہ جس کے لئے

اس نے پیسے دیئے ہیں جو کہ حرام میں داخل ہوتا ہے، میں نہیں ہے بلکہ یہ دھوکہ اس کے ایک ذیلی معاملے میں ہے جو استعمال شدہ پانی کی مقدار ہے جسے عام طور پر حمام میں داخل ہوتے وقت کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ اسی طرح گھر کو کرایہ پر دینے کی صورت میں دھوکہ اصل مدت کے سلسلہ میں نہیں ہے۔ اس لئے کہ اصل مہینہ میں تو کوئی دھوکہ نہیں بلکہ اس کے دنوں کے سلسلہ میں دھوکہ پایا جاتا ہے جو کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

جبکہ کاروبار بیمہ میں دھوکہ کا تعلق اصل معاوضہ سے ہوتا ہے نہ کہ کسی غیر مقصود ذیلی معاملے کے ساتھ۔ ہم نے اب تک جو کچھ بیان کیا ہے اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ کاروبار بیمہ میں دھوکہ کا تعلق معاوضہ کے وجود اور اس کی مقدار اور مدت سے ہے اور یہ تمام کے تمام معاملات کاروبار کرنے والے کیلئے مقصود بالذات ہوتے ہیں کیونکہ بیمہ وار صرف بیمہ کی رقم کے حصول ہی کے لئے تو قسطیں ادا کرتا ہے جو اسے حادثہ پیش آنے پر مل سکتی ہے جبکہ یہ بات واضح ہے کہ اس رقم کا حصول اس کے لئے اس حادثہ کی بنیاد پر ایک امکانی چیز ہے جو کبھی تو واقع ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ اسی طرح معاوضہ کی مقدار، ادائیگی کی میعاد وغیرہ کے مقصود ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ کاروبار بیمہ میں دھوکہ کا تعلق خود مقصود معاوضہ سے ہے جو کہ بیمہ کی رقم اور قسطوں کی مقدار ہے جس میں بیمہ دار کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آیا وہ بیمہ کی رقم حاصل بھی کر سکے گا یا نہیں۔ اور تحفظ دینے والا یہ نہیں جانتا کہ جس حادثہ سے اس نے تحفظ فراہم کیا ہے اس کے پیش آنے سے پہلے وہ کتنی قسطیں وصول کر سکے گا۔ جس کا یہ مطلب ہوا کہ تحفظ دینے والا اور تحفظ حاصل کرنے والا دونوں لین دین کرتے وقت یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ انہیں جو کچھ وصول کرنا ہے اس کی مقدار کیا ہوگی اور جو کچھ ادا کرنا ہے اس کی مقدار کتنی ہوگی؟ جبکہ مذکورہ مثالوں میں دھوکہ کا تعلق اصل لین دین سے نہیں یا اصل میں جو معاوضہ مقصود بالذات ہے اس سے نہیں جو کہ گھر، جہتہ، لحاف، حمام میں داخل ہونا

اور پینے کا پانی خریدنا اور گھر سے ایک ماہ کے لئے کرایہ پر لفع حاصل کرنا ہے، اس لئے کہ ان تمام معاملات میں خود محل عقد یا ان معاملات سے جو کچھ مقصود ہوتا ہے، ان میں کسی قسم کا دھوکہ یا احتمال نہیں پایا جاتا بلکہ دھوکہ محل عقد کے بعض ذیلی معاملات میں پایا جاتا ہے جو کہ لین دین کرتے وقت کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔

تیسرا عنصر: دھوکہ کا ارتکاب ناگزیر ہونا؛

معاملات میں جو دھوکہ قابل معافی و درگزر ہے، اس کے عناصر میں سے تیسرا عنصر کاروبار میں کسی ایسی ضرورت کا وجود ہے جو اس دھوکہ کے ارتکاب کو ناگزیر بنا دے، لیکن اگر ضرورت دھوکہ کی متقاضی نہیں ہے تو پھر یہ دھوکہ درگزر والے دھوکہ میں شمار نہیں ہوگا۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ کاروبار بنیادی طور پر تو جائز ہو، جیسے خرید و فروخت اور کرایہ پر دینا وغیرہ ہیں کہ لوگ اس قسم کے لین دین کرنے پر مجبور ہوتے ہیں اور اگر اس سے لوگوں کو بالکل روک دیا جائے تو وہ بے جا مصیبت اور مشکل میں پھنس کر رہ جائیں گے۔ البتہ ایسے کاروبار میں معمولی نوعیت کا دھوکہ پایا جاتا ہے جو اس کی کسی ذیلی اور غیر مقصود صورت میں ہوتا ہے، اور اکثر حالات میں وہ معاملہ اس سے الگ بھی نہیں ہو سکتا، بال طور کہ معاملہ میں اس کے نہ ہونے کی شرط لگا دینا لوگوں کو اس کاروبار ہی سے منع کر دینے کے مترادف ہو۔ فقہاء مالکیہ نے اس کی مثال گھر کے فروخت سے دی ہے، جس کی بنیادوں کے بارے میں علم نہیں ہوتا۔ اور جبہ اور لحاف کو فروخت کرنا باوجود بچہ ان کے استر کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہوتیں، چونکہ خرید و فروخت ایک جائز کاروبار ہے، جس کا جواز دلائل سے ثابت ہے کیونکہ لوگوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ گھراور جبہ کی خرید و فروخت میں بنیاد اور استر کے بارے میں لاعلمی اس کا ایک جزو لاینفک ہے، لہذا اگر ہم اس قسم کے دھوکہ سے بھی منع کر دیں تو گویا ہم نے انہیں گھروں اور استروالے کپڑوں کے لین دین ہی سے روک دیا ہے۔ یا پھر ہم انہیں اس پر مجبور کر دیں گے کہ وہ

استر کو الگ کریں، اور گھر کی بنیادیں کھود کر اس کی بنیادوں کے بارے میں صحیح علم حاصل کریں، جبکہ یہ ایک ناممکن چیز ہے، اس لئے کہ یہ تو گویا مال کو خود اپنے ہاتھوں ضائع کر دینا ہے۔

ہم جب اس عنصر کو بیمہ پر منطبق کر کے دیکھتے ہیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ بیمہ میں پایا جانے والا دھوکہ ایسا نہیں جو ناگزیر ہو اور جس کا ارتکاب ضرورت کی بناء پر کیا جا رہا ہو: اس کی دو وجوہ ہیں،

اول: ہمارا سامنا یہاں کسی ایسے کاروبار سے نہیں ہے جس کے جواز کے بارے میں شرعی دلائل موجود ہوں کہ اگر ہم لوگوں کو اس سے روک دیں گے تو اس سے وہ سخت مشکل میں پھنس جائیں گے بلکہ موضوع بحث یہاں پر خود بیمہ کا جواز اور عدم جواز ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ بیمہ سے تعاون اور تضامن حقیقت کا روپ دھارتے ہیں، لیکن اس ہدف کو حاصل کرنے اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے واحد ذریعہ صرف وہ بیمہ نہیں جو شراکتی بیمہ کمپنیاں کرتی ہیں بلکہ یہاں پر ایسے دوسرے طریقے ہیں جن سے بیمہ کا کاروبار کیا جاسکتا ہے۔

دوم: ہمارا سامنا کسی ایسے کاروبار سے بھی نہیں ہے جس میں دھوکہ کا ارتکاب ناگزیر ہو گیا ہو بلکہ صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے، اس لئے کہ بیمہ کا کاروبار بذاتِ خود دھوکہ ہے۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ضرورت کے تقاضے کی وجہ سے اس میں دھوکہ کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ اور یہ چیز فقہاء مالکیہ کے بیان کردہ دھوکہ کی ان مثالوں سے بالکل واضح ہو جاتی ہے جو انہوں نے کاروبار میں قابل درگزر دھوکہ کے سلسلہ میں پیش کی ہیں۔ مثلاً گھر کی خرید و فروخت کے کاروبار کو لے لیں۔ اس میں اصل معاوضہ تو گھر ہے، جس کی خرید و فروخت کی ضرورت پیش آتی ہے، اور اس کی بنیاد کے بارے میں جو لاعلمی کے سبب دھوکہ پایا جاتا ہے وہ بر بناء ضرورت ہے، اس لئے کہ خود بنیاد کا کھودنا تو گھر کو منہدم کرنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح جبہ کی خرید و فروخت میں اصل معاوضہ توجہ

ہے جس میں دھوکہ ضرورت کی بنا پر موجود ہے، اس لئے کہ اسٹرکویلیٹیہ کرنے سے وہ خود خراب ہو جائے گا۔ اسی طرح حمام میں داخل ہونے کی صورت میں اجارہ پایا جاتا ہے جس میں دھوکہ ضرورت کی بنا پر پایا جاتا ہے، اس لئے کہ اس میں رہنے کی مدت کا اندازہ کرنا اور پانی کی اس مقدار کا اندازہ لگانا نہایت مشکل ہے جو استعمال ہونا ہے۔ رہا کاروبار بیمہ تو یہاں پر نہ تو کوئی جائز کاروبار پایا جاتا ہے اور نہ ہی اس میں دھوکہ ناگزیر ہو گیا ہے، بلکہ یہ کاروبار تو بذات خود دھوکہ ہے۔

دوسری دلیل: معاہدہ بیمہ جوئے پر مشتمل ہوتے ہیں،

بیمہ کمپنیاں جو کاروبار بیمہ کرتی ہیں اس کے حرام ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس کاروبار میں جو معاہدے ہوتے ہیں وہ معاہدات جو اکہلاتے ہیں اور جو انفقہاء شریعت کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے، لہذا بیمہ بھی بالاتفاق حرام ٹھہرا۔

بیمہ کا جو اور شرط لگانے کا کاروبار ہونا جوئے اور شرط بدنے کی تعریف اور ان کے بنیادی خصوصیات کے بیان کرنے سے بالکل واضح ہو جاتا ہے، کیونکہ بیمہ کا اس تعریف کے تحت آنا اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اس میں شرط بدنے اور جوئے کی خصوصیات بکثرت پائی جاتی ہیں۔

۱۔ جوئے اور شرط لگانے (مقامہ اور رھان) کی تعریف

جو اس معاہدے کو کہتے ہیں جس میں دونوں فریق اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ وہ دوسرے کو ایک مقررہ رقم یا کوئی دوسرا مالی معاوضہ جس پر ان کا اتفاق ہوا ہو، اس وقت ادا کرے گا جب متعین واقعہ پیش آجائے جیسے مقامہ میں اس کا ہار جانا، اور رھان میں غیر یقینی واقعہ کے بارے میں سراہن کے قول کا جھوٹا ثابت ہونا۔

ان دونوں کی اس تعریف سے جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جو بھی شرط بدنے

کی طرح ہے کہ ان دونوں میں معاہدہ کرنے والے کا حق ایک غیر یقینی واقعے کے ساتھ مشروط ہوتا ہے جو کہ اس کا جوئے میں جیت جانا اور شرط بدنے والے کا اپنے قول میں سچا ثابت ہونا ہے

۲۔ جوئے اور شرط بدنے کی خصوصیات

شارعین قانون کا اس پر اتفاق ہے کہ جوئے اور شرط لگانے کی خصوصیات بعینہ ہمہ کے کاروبار کی خصوصیات ہیں، وہ یوں کہ یہ سب کے سب ایسے معاہدے ہیں جو دونوں فریقوں کی ذمہ داری ہوتے ہیں۔ یہ مالی معاوضہ والے معاملات ہیں، یہ احتمالی اور امکانی معاہدے ہیں جی ہاں! ان تمام باتوں میں ہم ان سے پوری طرح متفق ہیں۔

رہی یہ بات کہ جو اور شرط لگانے کے معاہدے دونوں فریقوں کی ذمہ داری ہوتے ہیں تو اس لئے کہ جو کھیلنے یا شرط بدنے والوں میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے کسی مقررہ حادثہ کے پیش آنے پر ایسے مال کی ادائیگی کا ذمہ اپنے سر لیتا ہے جس پر ان کا باہم اتفاق ہوا ہو۔ اور وہ مقررہ حادثہ جوئے اور شرط بدنے میں پار جانے کی شکل میں پیش آتا ہے۔ (۵۶)

اور یہ بات کہ یہ امکانی معاہدات ہیں یا دھوکہ والے معاملات میں سے ہیں تو اس لئے کہ جوئے اور شرط بدنے میں سے ہر ایک ایسا معاہدہ ہوتا ہے جس کے دونوں فریقوں میں سے کسی ایک فریق کے لئے بھی یہ ممکن نہیں کہ وہ معاہدہ کی تکمیل کے وقت اس مقدار کا تعین کر سکے جو اسے لینا ہے یا اس مقدار کا اندازہ لگا سکے جو اسے ادا کرنا ہے۔ کیونکہ اس کا تعین تو مستقبل ہی میں ہو سکتا ہے جو کہ منحصر ہے ایک غیر یقینی واقعہ کے پیش آنے پر، اور وہ واقعہ ہے جوئے یا شرط بدنے میں جیت جانا کہ جس کے ذریعے حاصل ہونے والے مال کی مقدار کا اندازہ ہو جاتا ہے، یا پار جانا ہے کہ اس کے ذریعے ادا کر وہ مال کی مقدار کا پتہ چل جاتا ہے (۵۷)

اور یہ بات کہ جو اور شرط لگانا معاوضہ والے کاروبار میں سے ہیں تو یوں کہ جو کھیلنے

والوں یا شرط بند نے والوں میں سے ہر ایک جب کچھ حاصل کرتا ہے تو اس خطرے کے عوض جو خسارے کی صورت میں اسے درپیش ہے، اور اگر کچھ ہارتا ہے تو اس امکان کے عوض کہ اسے کچھ حاصل ہوگا، لہذا جیتنے اور ہارنے کے سلسلہ میں پایا جانے والا یہ احتمال ہی وہ بنیاد ہے، جس پر یہ کاروبار استوار ہے (۵۸)

۳۔ کاروبار بیمہ کا جوئے اور شرط لگانے کی تعریف کے تحت آنا :

جوئے اور شرط بند نے کی تعریف اور ان خصوصیات کے بیان سے جو ان دونوں کی حقیقت کو دیگر معاملات سے ممتاز و نمیز کرتی ہیں، یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ تعریف کاروبار بیمہ پر پوری طرح صادق آتی ہے، اور یہ خصوصیات مکمل طور پر اس کاروبار میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے کہ کاروبار بیمہ ایک ایسا معاہدہ ہوتا ہے جس کے بموجب ایک فریق (بیمہ کمپنی) دوسرے فریق (بیمہ دار) کو ایک مخصوص رقم یا کوئی دوسرا مالی معاوضہ جس پر دونوں باہم متفق ہوئے ہوں، اس وقت ادا کر دے گا جب وہ متعین حادثہ پیش آجائے گا جس سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے، اور اس کی یہ ذمہ داری دوسرے فریق (بیمہ دار) کی اس ذمہ داری کے مقابل ہوتی ہے جس کے بموجب وہ حادثہ پیش آنے سے پہلے تک اقساط بیمہ کی صورت میں رقم ادا کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ بیمہ کی اصلیت بعینہ جوئے اور شرط لگانے کی اصلیت ہی ہے، اگرچہ اس کے عناصر اور جزئیات کے نام مختلف ہیں۔

۴۔ جوئے اور شرط لگانے کی خصوصیات کا وجود کاروبار بیمہ میں :

جہاں تک خصوصیات کی بات ہے تو میرے خیال میں کاروبار بیمہ پر بحث کرنے والے شارحین قانون اور علماء شریعت میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو مذکورہ تینوں خصوصیات کا کاروبار بیمہ میں موجودگی سے انکار کرتا ہو، جیسا کہ ان کی عبارتوں سے یہ بات از خود واضح ہے۔ البتہ بعض علماء شریعت کا یہ کہنا ہے کہ جوئے

اور شرط بد نے میں بعض دیگر ایسی خاصیات موجود ہیں جو کاروبار بیمہ میں نہیں پائی جاتیں، لیکن ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ آگے چل کر آپ خود دیکھیں گے۔ اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ جواریوں اور شرط لگانے والوں میں سے ہر ایک دوسرے فریق کو ایک طے شدہ مال کی ادائیگی کی ذمہ داری اپنے سر لیتا ہے، اس صورت میں جب کوئی خاص واقعہ پیش آئے جو کہ جوئے اور شرط میں پار جانا ہے، اور یہی کچھ کاروبار بیمہ میں ہوتا ہے کہ بیمہ کمپنی یہ عہد کرتی ہے کہ وہ متعین کردہ حادثہ پیش آنے پر بیمہ کی رقم ادا کر دیگی، بیمہ دار کی اس ذمہ داری کے بدلے میں کہ وہ بیمہ کی اقساط اس حادثہ کے پیش آنے سے پہلے تک ادا کرتا رہے گا۔

جب صورت حال یہ ہے کہ جواری اور شرط لگانے والوں میں سے کوئی بھی جو کھیلنے یا شرط لگانے وقت یہ نہیں جانتا کہ وہ کیا کچھ حاصل کر سکے گا یا ادا کرے گا، کیونکہ اس کا دارومدار ایک غیر حقیقی واقعہ پر ہوتا ہے، بعینہ یہی صورت حال بیمہ کمپنی اور بیمہ دار کو پیش ہوتی ہے کہ وہ معاہدہ بیمہ کرتے وقت یہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کچھ حاصل کریں گے یا ادا کریں گے۔ اس لئے کہ اس کا بھی دارومدار ایک غیر حقیقی واقعہ کے پیش آنے پر ہوتا ہے جو کہ وہ حادثہ ہے جس سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔

اسی طرح اگر جواری اور شرط بد نامعاوضہ والے معاملات میں سے صرف اس لئے ہیں کہ جواری اور شرط بد نے والوں میں سے ہر ایک جب بھی کچھ حاصل کرتا ہے تو اس خطرے کے بدلے میں جو اسے نقصان کی صورت میں درپیش ہے، اور اگر کچھ ہارتا ہے تو کچھ حاصل ہونے کے احتمال کے بدلے میں۔ بعینہ یہی مفہوم کاروبار بیمہ میں بھی موجود ہے، اس لئے کہ بیمہ کمپنی اگر حادثہ پیش نہ آنے کی صورت میں اقساط بیمہ وصول کر لیتی ہے تو صرف اس امکان کے بدلے میں کہ اسے حادثہ پیش آنے پر نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہی طرح اگر وہ حادثہ پیش آنے پر نقصان اٹھاتی ہے تو صرف اس امکان کے بدلے میں کہ اس حادثہ کے پیش نہ آنے کی صورت میں اسے فائدہ مل سکتا تھا۔ لہذا یہ تمام معاملات اس حیثیت سے

بالکل برابر ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ فائدے اور نقصان کا امکان ہی وہ بنیاد ہے جس پر جوا اور شرط لگانے کے معاملات استوار ہیں اور بعینہ یہی بنیاد بالاتفاق بیمہ میں بھی موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں یہ بیان کرنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی کہ جوئے اور شرط لگانے کی تعریف کاروبار بیمہ پر پوری طرح صادق آتی ہے، یا ان کی خصوصیات اس میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے کہ شارحین قانون اور علماء شریعت میں سے جو لوگ کاروبار بیمہ کے حرام ہونے میں ہماری رائے کے مخالف ہیں وہ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ کاروبار بیمہ کمپنی اور مخصوص پالیسی ہولڈر کے درمیان موجود تعلق کی بنیاد پر تو جوا ہی ہے۔ یعنی اس بنیاد پر ان کے نزدیک جوا اور شرط بدنے کی تعریف اور ان کی خاصیات پوری طرح بیمہ کے کاروبار پر صادق آتی ہیں۔

البتہ ان کا ہم سے اختلاف ایک اور مسئلہ میں ہے، اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بیمہ کمپنیاں جس کثرت سے یہ کاروبار کرتی ہیں، اس کے باوجود یہ کاروبار دھوکہ سے پاک نہیں ہوتا اور جوئے اور شرط لگانے کی خاصیات اس سے کبھی بھی زائل نہیں ہوتیں۔ اس بارے میں ان کا نظریہ یہ ہے کہ اگر بیمہ کے کاروبار کو بیمہ کمپنی اور تمام بیمہ داران کے مابین موجود تعلق کی بنیاد پر دیکھا جائے، جہاں بیمہ داران کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے تو اس صورت میں جوئے اور شرط لگانے کی خصوصیات بیمہ کے کاروبار سے زائل ہو جاتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں بیمہ کمپنیاں جس کثرت سے معاہدے کرتی ہیں، اس کثرت کی وجہ سے خود دھوکہ اور جوئے و شرط لگانے کی خصوصیات کاروبار بیمہ سے زائل ہو جاتی ہیں۔

آپ آگے چل کر دیکھیں گے کہ یہ قول بالکل غلط ہے، اور اس کی بنیاد کسی دلیل پر قائم نہیں۔ اس لئے کہ وہ معاہدہ بیمہ جس کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں ہمیں فیصلہ کرنا ہے وہ تو صرف ایک ہی طرح کا تعلق پیدا کرتا ہے۔ اور وہ تعلق وہی ہے جو بیمہ کمپنی اور اس مخصوص متعین بیمہ دار کے درمیان پایا جاتا ہے جو کمپنی سے معاہدہ طے کرتا ہے۔

رباہہ تعلق جو بیمہ کمپنی اور تمام بیمہ داران کے مابین پایا جاتا ہو تو وہ صرف ایک خیالی تعلق ہے، اس لئے کہ موجودہ معاہدہ بیمہ تو اس قسم کا تعلق سرے سے پیدا ہی نہیں کرتا، جبکہ یہاں پر کسی اور طرح کے معاہدے کا بھی کوئی وجود نہیں ہوتا جو اس قسم کے تعلق کے پیدا کرنے کا باعث ہو اور جواز یا عدم جواز کے حکم کا تقاضا کرتا ہو۔ اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ اس قسم کا معاہدہ (مثلاً) ہوتا ہے جو بیمہ کمپنی اور تمام بیمہ داران کے درمیان بھی ایک طرح کا تعلق پیدا کر دیتا ہے تو پھر اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس پر بھی ان حقوق ذرائع کی بنیاد پر جن پر یہ مشتمل ہوتا ہے اور جو اس معاہدہ کے شرائط اور من سے ظاہر ہوتے ہوں (شرعی) حکم لاگو کیا جائے۔

جیسا کہ عنقریب آپ پر واضح ہو گا کہ بیمہ کمپنیاں جو کاروبار کرتی ہیں، اس کی کثرت بھی مکمل طور پر اس کاروبار سے نہ تو دھوکہ کو ختم کرتی ہے اور نہ ہی وہ جوئے اور شرط لگانے کی خصوصیات کو اس سے زائل کرتی ہے، بلکہ یہ تمام کی تمام خصوصیات اس کاروبار کے ساتھ بہر صورت وابستہ رہتی ہیں۔ پھر اگر ہم بیمہ کمپنی کی طرف سے اس کاروبار میں دھوکہ کے خاتمہ کو تسلیم کر لیں، اس بناء پر کہ اسے تخمینہ حسابات کے سلسلہ میں جدید علمی وسائل حاصل ہوتے ہیں یا قانون کثرت اور ریاضی کے اصول و قواعد کے سلسلہ میں جو ذرائع و وسائل اس کے پاس موجود ہوتے ہیں، تب بھی دھوکہ اور جوا بیمہ دار کی طرف سے اس کاروبار میں جوں کے توں باقی رہتے ہیں، کیوں کہ اس کے پاس اس قسم کے ذرائع و وسائل سرے سے موجود ہی نہیں ہوتے اور کثرت کا قانون اور ریاضی کے قواعد تو اس کے حق میں بالکل بیکار ہیں، جبکہ عوض و معاوضہ میں سے کسی ایک میں دھوکہ اور جوا کا ہونا اس قسم کے کاروبار کو باطل کر دیتا ہے۔

اب آپ کے سامنے ہم شارحین قانون اور علماء شریعت کی وہ عبارات پیش کرتے ہیں جن میں بیمہ کمپنی اور مخصوص بیمہ دار کے مابین موجود تعلق کی نسبت سے وہ کاروبار بیمہ کو جواز اور شرط بننا ہی تسلیم کرتے ہیں، جبکہ ہم ایک سے زیادہ مرتبہ یہ واضح کر چکے ہیں

کہ معاہدہ بیمہ صرف اور صرف ایک ہی نوعیت کا تعلق پیدا کرتا ہے اور اس تعلق کے سوا اور کسی قسم کا تعلق پیدا نہیں کرتا۔ لہذا کسی کاروبار پر جواز یا عدم جواز کا حکم لگانا کسی ایسے خیالی تعلق کی بنیاد پر جائز نہیں، جسے نہ تو وہ معاہدہ پیدا کرتا ہے اور نہ ہی اس کے پیدا ہونے کا اس معاہدہ کے سوا اور کوئی ذریعہ ہے۔

شارحین قانون کی عبارت

ڈاکٹر سنہوری کہتے ہیں: ”بیمہ کمپنی صرف ایک بیمہ دار یا تھوڑے سے بیمہ داران کے ساتھ معاہدہ نہیں کرتی۔ اگر وہ ایسا کرتی تو کاروبار بیمہ جوا اور شرط لگانے کی طرح ایک ناجائز کاروبار بن جاتا۔ کیونکہ بیمہ کمپنی کا بیمہ دار سے مثلاً اس طرح کا معاہدہ کرنا کہ اگر اس کا گھر جل گیا تو وہ اسے اس کی قیمت ادا کر دے گی، اور اگر نہیں جلا تو بیمہ دار نے جو کچھ ادا کیا ہے وہ کمپنی کا ہو جائے گا۔ یعنی جوا اور شرط لگانا ہی ہے“ (۵۹)۔

علمائے شریعت کی عبارات

پروفیسر شیخ علی الخفیف کہتے ہیں: ”بیمہ میں اگر معاہدہ صرف ایک فرد کے ساتھ محدود ہو تو وہ معاہدہ جوا ہوگا، جسے نہ کوئی قانون جائز قرار دیتا ہے اور نہ ہی شریعت۔ اس لئے کہ اس میں دھوکہ اور جوا بالکل ظاہر طور پر پایا جاتا ہے، کیونکہ اس کاروبار میں آخر کار دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کو نقصان اور دوسرے کو فائدہ حاصل ہو جاتا ہے“ (۶۰)۔

پروفیسر مصطفیٰ زرقاد کی عبارات کا ماحصل بھی یہی ہے کہ اگر بیمہ کو اس تعلق کی بنیاد پر دیکھا جائے جو بیمہ کمپنی اور مخصوص متعین بیمہ دار کے درمیان ہوتا ہے تو بیمہ کا کاروبار جوا اور شرط لگانے سے الگ کوئی شے نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی تحقیق سے یہ بات پابہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ وہ کاروبار بیمہ کو صرف اس بنیاد پر جائز قرار دیتے ہیں کہ بیمہ کمپنیاں اس سلسلہ میں بشمار معاہدے سے طے کرتی ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ”مخصوص بیمہ دار کی نسبت سے

بیمہ کے کاروبار میں ایک امکانی عنصر بھی پایا جاتا ہے، باہی طور کہ اگر وہ حادثہ جس سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے، پیش آگیا تو یہ کمپنی بیمہ دار کو معاوضہ ادا کرے گی اور اگر حادثہ پیش نہ آیا تو کچھ ادا نہ کرے گی۔ لیکن یہ احتمال اور امکان صرف اس صورت میں ہے جب ہر ایک معاہدہ بیمہ سے الگ الگ اس امکان کی نسبت کی جائے۔ جہاں تک تحفظ فراہم کرنے والے کی طرف سے بیشتر معاہدوں کی نسبت سے یا خود نظام بیمہ کی نسبت سے اس امکان کا تعلق ہے تو اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس لئے کہ خود نظام بیمہ اور تمام معاہدے مجموعی طور پر ریاضی کی ایک ایسی بنیاد پر استوار ہوتے ہیں جس کی وجہ سے عام طور پر تنہا بیمہ دار کی حد تک بھی اس کاروبار سے احتمال کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ (۶۱۳)

اس عبارت میں وہ واضح طور پر یہ بات تسلیم کر رہے ہیں کہ اگر تنہا پالیسی ہولڈر کی مناسبت سے بیمہ کو دیکھا جائے، تو اس میں احتمال کا فرما نظر آتا ہے۔ اور حقیقت حال بھی یہی ہے کیونکہ خود نظام بیمہ کو دیکھا جائے یا مجموعی معاہدوں کی نسبت سے اس کاروبار کو پرکھا جائے تو اس میں سے احتمال زائل ہو جاتا ہے۔ لیکن ایک شرط کے ساتھ جس کی ہم ایک سے زائد مرتبہ وضاحت کر چکے ہیں: وہ یوں کہ ہم ہر ایک معاہدہ پر اس کے مستقل بالذات ہونے کے اعتبار سے حکم لگاتے ہیں، جبکہ خود نظام بیمہ یا بیمہ کمپنی کی تمام بیمہ داران سے مجموعی تعلق کی بنا پر کوئی فیصلہ صادر نہیں کرتے۔ اس لئے کہ ہم حکم صرف اسی پر لگا سکتے ہیں جو عملی طور پر موجود ہے، اور اس پر نہیں جو محض خیال اور مفروضہ ہے۔

تیسری دلیل: کاروبار بیمہ میں ربا کی دونوں قسمیں پائی جاتی ہیں

معاہدات بیمہ دونوں اقسام کے ربا پر مشتمل ہوتے ہیں، یعنی ادھار اور اضافہ والے سود پر مشتمل ہوتے ہیں، تین طرح سے:

اول: کاروبار بیمہ واصل اس معاہدہ کا نام ہے جو بیمہ کمپنی اور بیمہ دار کے درمیان

طے پاتا ہے، اور جس کی رو سے بیمہ دار ایک ہی دفعہ یا کئی قسطوں میں ایک رقم دینے کا عہد کرتا ہے اس شرط پر کہ حادثہ پیش آنے پر بیمہ کمپنی اسے کوئی رقم ادا کرے گی جو یا تو اس رقم کے برابر ہوگی جو اس نے دی ہے یا کم یا اس سے زیادہ۔ اب اگر یہ رقم اس رقم کے برابر ہے جو پالیسی ہولڈر نے ادا کی تھی تو یہی ادھار کا سود کہلاتا ہے۔ اور اگر یہ رقم اس سے زیادہ ہے تو یہ ادھار اور اضافہ دونوں طرح کا سود ہوگا۔ اس لئے کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ نقدی کو نقدی سے فروخت کرنا ادھار پر اگر دونوں رقمیں برابر ہوں تو اسے ادھار کا سود (النسیئہ) کہتے ہیں اور اگر بعد میں ادا ہونے والی رقم زیادہ بھی ہو تو ادھار کے سود کے ساتھ اضافہ کا سود (ربا الفضل) بھی شامل ہو جاتا ہے۔ اور یہی کچھ کاروبار بیمہ پر بھی صادق آتا ہے، اس لئے کہ اس معاہدہ کی رو سے بیمہ دار ایک ہی دفعہ یا مختلف اقساط میں ایک رقم ادا کرتا ہے اس شرط پر کہ بیمہ کمپنی اسے یا اس کے وراثت کو یا جسے یہ شخص خود نامزد کرے۔ ایک رقم ادا کرے گی جو یا تو ان اقساط کے برابر ہوگی یا زیادہ یا کم۔ اور بیمہ دار کو معاہدہ کرتے وقت یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کتنا کچھ حاصل کر سکے گا۔ تو گویا وہ دونوں رقموں کی برابری کے بارے میں لاعلم ہے اور برابری کے بارے میں لاعلمی اضافہ کے بارے میں علم کی طرح ہے جس سے بالاتفاق ربا ثابت ہو جاتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت نے نقدی کے لین دین میں عوض پر قبضہ کو مجلس چھوڑنے سے پہلے فروری قرار دیا ہے تاکہ ادھار کے سود سے بچا جاسکے۔ اس لئے کہ بشمول نقدی کے جن اشیاء میں سود ہوتا ہے ان میں کسی ایک عوض کو مؤخر کر دینا شرعاً ناجائز ہے چاہے دونوں معاہدے برابر اور نقدی کی نوع مختلف ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کاروبار بیمہ میں ایک طرف کا معاوضہ یعنی بیمہ کی رقم نقدی ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری طرف کے معاوضہ سے مؤخر یعنی مؤجل ہے جو کہ خود اقساط بیمہ کی صورت میں نقد رقم ہے۔ لہذا اگر بیمہ کی رقم اقساط کی رقم کے برابر ہوگی تو یہ ادھار

کا سود ہوگا، اور اگر بیمہ کی رقم اقساط کی رقم سے زیادہ ہوگی تو یہ ادھار اور اضافہ (بالنسیبہ اور ربا الفضل) دونوں طرح کا سود ہوگا۔

اب ہم فقہاء کو کچھ ایسی عبارتیں پیش کرتے ہیں جن سے ہماری اس بات کی تائید ہوتی ہے:

تحفة المحتاج میں لکھا ہے: جب نقدی کو نقدی کے ساتھ فروخت کیا جا رہا ہو اور وہ ایک ہی جنس ہوں تو اس صورت میں اس کی تکمیل، برابری اور قبضہ دونوں معاوضوں میں شرط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی ایک عوض کے ساتھ تاخیر کا عمل دخل پیدا ہو جائے گا، چاہے ایک لمحہ کے لئے ہی کیوں نہ ہو اور دونوں لین دین کرنے والے ابھی اس مجلس میں ہی موجود ہوں تب بھی یہ لین دین جائز نہ ہوگا۔ اور قبضہ سے یہاں پر جدا ہونے سے پہلے حقیقی قبضہ مراد ہے۔ اور اگر وہ دونوں نقدیاں الگ الگ جنس ہوں جیسے سونا اور چاندی، تو ان میں کمی بیشی تو جائز ہے، لیکن لین دین کی فوری تکمیل اور قبضہ پھر بھی ضروری ہے (۶۲۱)۔

الشرح البکیر کے حاشیۃ السوتی میں لکھا ہے: ”ادھار کا سود نقدی میں مطلقاً حرام ہے“ (۶۲۲) مبسوط میں لکھا ہے: ”ایسا اضافہ جس کے عوض میں کچھ نہ ہو، کا سود ہونا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ ہر ایک پر واضح ہے“ (۶۲۳) بدایتہ المجتہد میں تحریر ہے: ”علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سونے کو سونے کے ساتھ اور چاندی کو چاندی کے ساتھ یعنی نقدی کو نقدی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں۔ الا یہ کہ وہ برابر برابر اور دست بدست ہوں“ (۶۵۱)۔

دوم: زندگی کے میعادِ بیمہ میں جب مقررہ مدت تک بیمہ دار زندہ رہتا ہے تو بیمہ کمپنی اسے اقساط کی رقم کی واپسی کے ساتھ ساتھ مزید منافع بھی دیتی ہے جو سود ہوتا ہے اور حرام ہے۔

سوم: بیمہ کمپنیاں اس کاروبار کے سلسلہ میں اکثر ایسے اقدامات کرتی ہیں جن کی بنیاد سود پر ہوتی ہے، مثلاً وہ ہنڈلیوں کے کاروبار میں سود پر سرمایہ کاری کرتی ہیں،

اور پالیسی کو گروی رکھ کر سود پر قرضہ دینے کا کاروبار بھی کرتی ہیں۔

بیمہ دراصل ادھار کو ادھار کے ساتھ فروخت کرنے کا نام ہے، لہذا حرام ہے :

اسی دلیل کے ضمن میں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ بیمہ ادھار کو ادھار کے ساتھ فروخت کرنے کی صورت پر مشتمل ہے، لہذا یہ حرام ہے۔ کیونکہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ادھار کو ادھار کے ساتھ فروخت کرنا باطل ہے۔ اس کے باطل ہونے کی دلیل وہ روایت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے کالی کو کالی کے ساتھ فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، اور تمام مجتہدین نے اس کو ادھار کو ادھار سے فروخت کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بیع السلم میں رأس المال پر مجلس سے چلے جانے سے پہلے ہی قبضہ کرنے کو شرط قرار دیتے ہیں، تاکہ ادھار کو ادھار کے ساتھ فروخت کرنے کی صورت نہ پیدا ہو جائے۔ اس لئے کہ اس میں خرید کردہ چیز ادھار ہوتی ہے جس کی ادائیگی بعد میں ہونی ہوتی ہے۔ لہذا اگر اس کی قیمت پر بھی فوری طور پر اسی مجلس میں قبضہ نہ کیا جائے تو یہ لین دین ہی سرے سے باطل ہو جائے گا کیونکہ یہ تو ادھار کو ادھار کے ساتھ فروخت کرنے کا کاروبار بن جائے گا جس سے شارع نے منع کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کاروبار بیمہ بھی ادھار کو ادھار کے ساتھ فروخت کرنا ہی ہے۔ اس لئے کہ اس میں بیمہ دار بیمہ کی قسطیں ادا کرنے کا عہد کرتا ہے جو اس کے ذمہ ادھار ہوتی ہیں، اس لئے کہ وہ معاہدہ کرتے وقت انہیں ادا نہیں کرتا بلکہ وہ معاہدہ طے پا جانے کے بعد میعاد قسطوں میں ادائیگی کرتا ہے۔ دوسری طرف بیمہ کمپنی رقم بیمہ کی ادائیگی کا عہد کرتی ہے جو اس کے ذمہ ادھار ہوتی ہے۔ لہذا یہ کھلم کھلا ادھار کو

ادھار کے ساتھ فروخت کرنے کا کاروبار ہی ہوا، اس لئے شرعاً یہ باطل ٹھہرا۔

شارحین قانون بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں، ڈاکٹر سنہوری کہتے ہیں: ”بیمہ کی رقم تحفظ فراہم کرنے والے کے ذمہ ہوتی ہے، بیمہ کی اقساط کے بدلے میں جو تحفظ حاصل کرنے والے کے ذمہ ہوتے ہیں“ ۶۶، تو گویا بیمہ کی قسط بیمہ دار کے ذمہ یعنی اس پر ادھار ہوتی ہے، اور یہی چیز عوض ہے بیمہ کی اس رقم کا جو خود تحفظ دینے والے کے ذمہ یعنی اس پر ادھار ہے۔

مواصب الجلیل میں ناجائز معاملات کے ضمن لکھا ہے: ”جیسے کالٹی ہے جو حرام ہے، اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کالٹی کو کالٹی کے ساتھ فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ابن عرفہ کہتے ہیں کہ ائمہ کرام نے اس حدیث کو اسناد طلب کئے بغیر ہی قبول کیا ہے، جیسا کہ انہوں نے حدیث ”وارث کے لئے وصیت جائز نہیں“ کو قبول کیا ہے۔ ۶۷، ابن المنذر کہتے ہیں: فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ ادھار کی فروخت ادھار کے ساتھ جائز نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کو فروخت کرنا جو کسی کے ذمہ ہو، کسی دوسری ایسی چیز کے ساتھ جو کسی اور کے ذمہ ہو، یعنی دونوں ادھار پر ہوں، اور کوئی ایک دوسرے پر مقدم نہ ہو۔ اور اس مقولے سے بھی یہی مراد ہے کہ: ادھار کو ادھار ہی سے شروع کرنا۔ پھر دونوں طرف کے ادھار معاوضوں میں سے اگر کسی عوض کا مقدم ہونا طے پا گیا تو یہ ادھار کو ادھار سے منسوخ کر دینے کے مترادف ہو جائے گا، اور اس سے دوسرے کے ذمہ جو کچھ ہے وہ فسخ ہو جائے گا۔“

مواصب الجلیل ہی میں ہے کہ اگر دونوں مؤخر ہوں۔ یعنی عوض اور معاوضہ دونوں ایک ساتھ اور شروع ہی سے مؤجل ہوں تو یہ ادھار کو ادھار سے فروخت کرنے کی شکل ہی ہے جو ناجائز ہے (۶۸)۔

مطالب اولیٰ النہی میں لکھا ہے: ”اگر بیع اسلم میں اس کی قیمت پر مجلس کے

برخواست ہونے سے پہلے قبضہ نہ کیا گیا تو یہ بیع ممنوع ہوگا، اس لئے کہ یہ ادھار کو ادھار کے ساتھ فروخت کرنا ہے (۶۹۸)

اس مقام پر یہ وضاحت نہایت ضروری ہے کہ ادھار کا بدلہ ادھار کے ساتھ ناجائز ہے۔ چاہے یہ دونوں ادھار والی اشیاء سبب ربا میں مشترک ہوں یا نہ ہوں۔ یعنی اگرچہ ایک ادھار والی چیز تو ربا والی ہو اور دوسری نہ ہو یا دونوں ہی ربا والی نہ ہوں تب بھی یہ ناجائز ہے۔ اس لئے ادھار کو ادھار کے بدلے میں فروخت کرنے کا مسئلہ ادھار والے سوو سے بالکل مختلف ہے۔ اب جبکہ ہم لے واضح کر دیا کہ بیع السلم میں بھی اگر مجلس کے اندر ہی اس کی قیمت پر قبضہ نہ کیا جائے تو وہ باطل ہو جاتا ہے اس لئے کہ یہ ادھار کو ادھار سے فروخت کرنے کی شکل بن جاتی ہے، باوجودیکہ ایک عوض نقدی ہے اور دوسرا نقدی نہیں، بلکہ سامان وغیرہ کی شکل میں ہے، تو بیمہ کا کاروبار بطریق اولیٰ اس کے ضمن میں آجائے گا۔

بحث سوم

بیمہ کے حرام ہونے کے مخالف حضرات کے شبہات کا رد،

اس کتاب کی بحث اول میں جسے کاروبار بیمہ کے بارے میں شرعی حکم بیان کرنے کے لئے مخصوص کیا ہے، ہم نے واضح کر دیا تھا کہ ہم کاروبار بیمہ کے باعتبار ایک سوچ اور نظام کے جواز کے مخالف نہیں، کہ جس کے ذریعے لوگوں کے ایک گروہ کے مابین تعاون اور باہمی ذمہ داری پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بلکہ ہم اس سوچ اور نظام کو حقیقت میں بدلنے کے لئے جو طریقے اختیار کئے گئے ہیں ان پر بحث کرتے ہیں۔ اس لئے کہ لوگوں کے مابین تعاون اور تضامن تو ایسی چیز ہے جو شریعت کے مقاصد اور اس کے اصول و ضوابط سے پوری طرح مطابقت رکھتی ہے، جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کیونکہ اس سوچ اور اس نظام کو عملی جامہ پہنانے اور اس کے مقاصد کے حصول کے لئے تین طریقے اپنائے گئے ہیں:

اول: اجتماعی بیمہ کا طریقہ جسے خود حکومت چلاتی ہے یا اس کا کوئی ادارہ اپنی نگرانی میں یہ کام کرتا ہے۔

دوم: بیمہ باہمی (تبادلہ بیمہ) جسے امداد باہمی کی انجمنیں انجام دیتی ہیں۔

سوم: مقررہ قسط والا بیمہ جسے بیمہ کمپنیاں انجام دیتی ہیں۔

یہ تو ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ اجتماعی اور باہمی یعنی تبادلہ بیمہ میں کوئی خرابی نہیں اور یہ جائز ہیں۔ اس لئے کہ کاروبار بیمہ میں حرام ہونے کی بنیاد دھوکہ پر

ہے جبکہ ان فقہاء کے نزدیک جن کی رائے پر اعتماد کیا جاسکتا ہے، دھوکہ مالی معاوضات والے معاملات میں تو موثر ہوتا ہے لیکن عطیات والے معاملات میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور بیمہ کی ان دونوں اقسام کی بنیاد عطیہ پر ہے کہ جن میں منافع کمانا مقصود نہیں ہوتا، لہذا حرام ہونے کی علت ان دونوں سے ختم ہوگئی۔

رہے وہ معاہدات بیمہ جنہیں بیمہ کمپنیاں طے کرتی ہیں تو ہم ان کے بارے میں حرام اور باطل ہونے کا حکم صادر کرنے کے ساتھ ساتھ اسکے دلائل اس کتاب کے دوسرے بحث میں بیان کر چکے ہیں۔ اب ہم اس تیسرے بحث میں بیمہ کمپنیوں کی طرف سے چلائے جانے والے کاروبار بیمہ کی ممانعت و حرمت کے مخالف حضرات کے شبہات کو پیش کر کے ان کا رد پیش کریں گے۔ اس مقصد کے لئے ہم نے اس بحث کو متعدد ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ اور پھر ہر باب میں اس نوعِ بیمہ کے حرام ہونے کے سلسلے میں جو دلائل ہم نے پیش کئے ہیں، ان میں سے ہر دلیل کے خلاف پیش کئے جانے والے اعتراضات اور شبہات کا جواب دیا ہے۔

ہم نے اس کاروبار کے حرام ہونے کے لئے تین دلائل پیش کئے تھے جن میں سے ہر دلیل کے خلاف مخالف حضرات نے بعض شبہات پیش کئے ہیں، لہذا میں پہلے تو مختصراً ہر دلیل کو دوبارہ بیان کروں گا اور پھر اس پر کئے جانے والے اعتراضات پیش کر کے ان میں سے ہر ایک کا جواب دوں گا۔

پہلا باب

دھوکہ والی دلیل پر کئے جانے والے اعتراضات

کاروبار بیمہ کے حرام ہونے کے لئے ہماری نظر میں سب سے بڑی دلیل اس میں دھوکہ کا پایا جانا ہے۔ اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ کاروبار بیمہ مالی معاوضہ والے معاملات میں شامل ہے جس میں شدید نوعیت کا دھوکہ بکثرت پایا جاتا ہے، اور معاوضہ والے معاملات میں جب دھوکہ زیادہ ہو جائے تو وہ بالاتفاق باطل ہو جاتے ہیں۔ اس دلیل کا پہلا حصہ یہ ہے کہ معاہداتِ بیمہ مالی معاوضہ والے معاملات میں شامل ہیں، اس سلسلہ میں ہم پہلے ہی ثابت کر چکے ہیں کہ کاروبار بیمہ جس طرح اس کے لئے وضع کردہ قوانین سے منظم و مرتب ہوتا ہے اور کمپنیاں اسے چلاتی ہیں، واقعتاً مالی معاوضات میں شامل ہے۔ خود شارحین قانون اور علماء شریعت یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ کاروبار بیمہ اپنے اس تعلق کی بناء پر جو بیمہ کمپنی اور اس کے بیمہ داران کے ماہین پایا جاتا ہے، مالی معاوضات ہی میں سے ہے، لیکن ان کے خیال میں اس کاروبار سے خصوصیات معاوضہ نائل ہو جاتی ہیں اور اس کی جگہ قربانی، تعاون اور باہمی ذمہ داری کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں، یعنی یہ بھی عطیات کی طرح ہو جاتا ہے۔

یہ بات ہم متعدد مرتبہ واضح کر چکے ہیں کہ بیمہ داران کے ماہین جس تعلق کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ محض مفروضہ اور خیال ہے، جس کے لئے نہ تو کوئی دلیل موجود ہے اور نہ ہی حقیقت حال اس کی تائید کرتی ہے، اس لئے کہ اس قسم کے تعلق اور واسطہ کے

کے لئے کوئی معاہدہ وغیرہ ہونا ضروری ہے جو اس کے لئے بنیاد بنے۔ اور پھر اس معاہدہ سے معاہدہ کرنے والوں کا یہ مقصد واضح طور پر ظاہر ہوتا ہو کہ وہ یہ سب کچھ تعاون و قربانی اور باہمی ذمہ داری کے احساس کے تحت ہی کر رہے ہیں، جبکہ یہاں پر یہ سب کا سب فرضی اور خیالی طور پر سمجھا گیا ہے، جس کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں، لہذا اس بنیاد پر فیصلہ دینا ناممکن اور محال ہے۔ اور پھر بیمہ کمپنیاں کسی مخصوص بیمہ دار کے ساتھ معاہدے کی شکل میں جو کاروبار بیمہ کرتی ہیں اس سے تمام پالیسی ہولڈرز کے مابین کسی طرح بھی اس قسم کا تعلق یا واسطہ پیدا نہیں ہوتا جس کی بنیاد تعاون، تضامن اور قربانی پر ہو، لہذا ایک ایسے واسطے اور تعلق کو بنیاد بنا کر حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں، اور نہ ہی اس سے کسی قسم کے حقوق و ذمہ داریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس قسم کی صورت حال اگر قانون میں جائز ہو تو ہر شریعت میں یہ ناممکن اور محال ہے۔

اس دلیل کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ کاروبار بیمہ میں شدید قسم کا دھوکہ پایا جاتا ہے، جس سے مالی معاوضہ والے معاملات حرام ٹھہرتے ہیں۔ اس کے لئے ہم نے دو دلیلیں قائم کی ہیں:

اول: کاروبار بیمہ میں جو دھوکہ پایا جاتا ہے وہ تمام ائمہ اجتہاد کے نزدیک اسی دھوکہ کی تعریف کے تحت آتا ہے ہم نے دھوکہ کی تمام تعریفات جو مختلف ائمہ کرام نے بیان کی ہیں، پہلے ہی پیش کر دی ہیں۔ اور پھر وہاں پر یہ بھی ثابت کر دیا تھا کہ یہ تمام کی تمام تعریفات کاروبار بیمہ پر پوری طرح صادق آتی ہیں۔ لہذا یہ کاروبار بھی حرام اور ممنوع معاملات میں داخل ہے۔

دوم: مالی معاوضات میں جس قسم کا دھوکہ درگزر کے قابل ہے اور جو ان میں اثر انداز نہیں ہوتا، کاروبار بیمہ اس کے ضوابط کے تحت نہیں آتا، جیسا کہ ہم نے درگزر کے قابل دھوکہ کی حقیقت پہلے بیان کر دی ہے۔ اور اس کے عناصر کو واضح کر

کے اس کی مثالیں پیش کر دی ہیں۔ اس کے علاوہ وہاں پر ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں کہ کاروبار بیمہ میں جو دھوکہ پایا جاتا ہے اس میں یہ عناصر اور یہ ضوابط نہیں پائے جاتے ان دونوں دلیلوں کے مجموعہ سے یہ بات پایہ ثبوت و تحقیق کو پہنچ جاتی ہے کہ کاروبار بیمہ اس دھوکہ کے تحت آتا ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے اور دوسری دلیل یعنی معمولی دھوکہ کے ضابطہ کے اندر اس کی عدم شمولیت سے یہ بات پوری طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ اس کاروبار میں شدید قسم کا دھوکہ کثرت سے پایا جاتا ہے۔

اس دلیل کا تیسرا حصہ یہ ہے کہ جو مالی معاوضہ والے معاملات شدید قسم کے دھوکہ پر مشتمل ہوں وہ باطل و ممنوع ہیں اور ان کے حرام اور باطل ہونے میں میرے نزدیک کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ شریعت اسلامیہ کا ایک مسلمہ اصول ہے اور اس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دھوکہ والے لین دین سے منع کرنا اور تمام مجتہدین کا جملہ اقسام کے مالی معاوضات کو اس حکم میں لین دین کے ساتھ شریک ٹھہرانے پر متفق ہونا ہے۔ اور حدیث میں ممانعت کا عام اور مطلق ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ تمام مالی معاوضات جو دھوکہ پر مشتمل ہوں اس حکم کے تحت آتے ہیں الا یہ کہ اس دھوکہ کا اس معمولی نوعیت کے دھوکہ کے تحت آنا ثابت ہو جائے جس کو مجتہد حضرات نے اس حکم کے عموم اور اطلاق سے خارج قرار دیا ہے۔

جواز بیمہ کے قائل حضرات نے جو شبہ ظاہر کیا ہے وہ اس دلیل کے پہلے اور دوسرے حصہ کے سلسلہ میں ہے۔ یعنی ایک تو کاروبار بیمہ کا مالی معاوضہ والے معاملات میں سے ہونا اور دوم یہ کاروبار جس قسم کے دھوکہ پر مشتمل ہوتا ہے اس کا زیادہ اور شدید نوعیت کا ہونا آئندہ صفحات میں ہم آپ کے سامنے یہ شبہ اور اس کا جواب پیش کریں گے۔

پہلا اعتراض: کاروبارِ بیمہ مالی معاوضہ والے معاملہ میں سے نہیں ہے

کاروبارِ بیمہ کے سلسلے میں تحقیق کرنے والے بعض حضرات کی کوشش یہ ہے کہ وہ پہلے تو اس کاروبار سے معاوضہ کی نفی کریں اور پھر اسے عطیات کے زمرے میں یہ کہہ کر شامل کر دیں کہ اس کاروبار سے درحقیقت تعاون اور باہمی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ قربانی ہی مقصود ہوتی ہے، بعد ازاں وہ اپنے اس قول کو اس کاروبار پر لاگو کرتے ہیں جسے بیمہ کمپنیاں چلاتی ہیں۔ اس کاروبار سے معاوضہ کی صفت کے انکار اور اسے تعاون و تضامن اور قربانی و عطیات کے زمرے میں شامل کرنے سے دراصل ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس طرح اس کاروبار میں شدید قسم کا دھوکہ غیر موثر ہو جائے۔ اس لئے کہ شدید قسم کا دھوکہ مالی معاوضات میں تو موثر ہے، لیکن عطیات وغیرہ میں یہ غیر موثر ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے اس قول سے یہ بھی نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ کاروبار نہ تو جوئے اور شرط لگانے کے زمرے میں آتا ہے اور نہ ہی سود کے ذیل میں آتا ہے۔ اس لئے کہ جوئے، شرط بد نے اور سود کی ایک ایسے کاروبار میں کوئی گنجائش نہیں جو بقول ان کے لوگوں کی ایک مخصوص جماعت اور گروہ کے مابین ایک قسم کے تعاون کا معاہدہ ہے، اس طور پر کہ ان میں سے ہر ایک اپنی مرضی اور خوشی سے مالی قربانی دیتا ہے، تاکہ یہ تمام مجموعہ مل کر ان میں سے کسی ایک کے ساتھ پیش آنے والے حادثہ کی وجہ سے پہنچنے والے نقصان کی تلافی کا ذریعہ بن سکے۔

ملاحظہ کیجئے ان حضرات کی اس سلسلہ میں پیش کردہ عبارتیں، ان کے بعد ہم اپنا رد پیش کریں گے۔

اولیٰ وان لوگوں کی عبارتیں جو یہ کہتے ہیں کہ کاروبار بیمہ معاوضہ نہیں بلکہ تعاون اور تبرع کا نام ہے :

پروفیسر شیخ علی الخفیف فرماتے ہیں: اگر ہم کاروبار بیمہ کے صرف ایک رخ کو دیکھیں جو کہ تحفظ فراہم کرنے والے اور تنہا بیمہ دار کے مابین واسطہ اور تعلق کی صورت میں موجود ہے اور اس کے دوسرے رخ کو نہ دیکھیں جو کہ وہ تعلق اور واسطہ ہے جو تحفظ فراہم کرنے والے اور جملہ پالیسی ہولڈرز کے مابین پایا جاتا ہے، جس میں تحفظ دینے والے کی حیثیت ان سب کے درمیان ایک طرح کے واسطہ کی ہوتی ہے، جو ان سب کی قسط کو جمع کرتا اور ان کے اس تعاون کو منظم کرتا ہے جو وہ ایک ایسے نقصان سے بچنے کے لئے ایک دوسرے سے کرتے ہیں جو ان میں سے تھوڑے لوگوں کو پہنچ سکتا تھا، اور یہ تحفظ فراہم کرنے والا ہی ہے جو اکثر کاروبار بیمہ کے عدم جواز کے فتاویٰ کا دفاع بھی کرتا ہے۔ اس پہلے رخ کے اعتبار سے اگر ہم دیکھیں اور دوسرے پہلو کو مد نظر نہ رکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ کاروبار بیمہ جوا اور شرط بدنے کا دوسرا نام ہے جو کہ نہ صرف شریعت اسلامیہ کی فقہ میں ناجائز ہے، بلکہ اثباتی فقہ (POSITIVE-LAW)

میں بھی یہ ممنوع ہے۔ لیکن اگر ہم اس کاروبار کو دوسرے پہلو سے دیکھیں جس کی رو سے یہ کاروبار اپنی اصلی اور حقیقی شکل و صورت میں نظر آتا ہے اور اس کی فطرت ظاہر ہوتی ہے، تو پتہ چلتا ہے کہ یہ کاروبار بہت سے ایسے لوگوں کے مابین کہ جنہیں ایک ہی طرح کا کوئی خطرہ درپیش ہے، صرف تعاون کے ایک ایسے معاہدے میں شمولیت کا نام ہے جس کی ترتیب و تنظیم میں بڑی باریک بینی سے کام لیا گیا ہے اور ان میں سے کسی ایک کو حادثہ پیش آجانے کی صورت میں سب مل کر اپنی طرف سے بہت ہی معمولی رقم خرچ کر کے ایک دوسرے کے تعاون سے اس شخص کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کر دیتے ہیں۔ (۶۷)

علامہ صاحب مزید فرماتے ہیں: رہے وہ اتساطہ بیمہ جو بیمہ دار تحفظ فراہم کرنے والے کو ادا کرتا ہے، تو ان کی حیثیت اس مال کی طرح ہے جو اس کے تصرف

اور اختیار میں اس سلسلہ میں وضع کئے گئے قوانین کے بموجب دسے دیا گیا ہو۔ (۱۲۱) علامہ صاحب کہتے ہیں: ”جہاں تک بیمہ دار کا تعلق ہے تو اس کا مقصد اس معاہدہ سے کسی قسم کا مادی منافع کا حصول نہیں ہوتا، ماسوائے اس کے جو قسمت اور اتفاق سے اسے مل جائے بلکہ اس کا مقصد اس سے یہ ہوتا ہے کہ وہ اس پالیسی کے ذریعے سے قسمت اور حادثات کے اس اتفاتی نقصان سے خود کو بچا سکے جس سے ان میں سے ہر ایک دو چار ہو سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے ان میں سے ہر ایک کے حصے میں ایک معمولی رقم کا بوجھ آتا ہے جو وہ بلا کسی پریشانی اور دقت کے برداشت کر لیتا ہے۔“ (۱۲۲)

وہ مزید فرماتے ہیں: ”دونوں اقسام کے کاروبار بیمہ۔ یعنی تعاونی بیمہ اور وہ بیمہ جو بیمہ کمپنیاں کرتی ہیں۔ کی بنیاد پالیسی ہولڈرز کے مابین تعاون اور باہمی ذمہ داری کے اصول پر قائم ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو کسی مخصوص حادثہ کی بناء پر پہنچنے والے نقصان کی تلافی کر دی جاتی ہے، اس مال کے ذریعے سے جسے ایک ادارہ ان سے وصول کر کے جمع کرتا ہے اور پھر اس مال کی حفاظت اور سرمایہ کاری کا کام وہ ان تمام بیمہ داران کی جانب سے دونوں صورتوں میں بطور نائب کے انجام دیتا ہے۔“ (۱۲۳)

پروفیسر مصطفیٰ زرتا کہتے ہیں: ”بیمہ کی تمام فنی بنیادیں ایک ہی محور پر قائم ہیں اور اسی پر گردش کرتی ہیں، اور وہ محور ہے لوگوں کی ایک جماعت کے مابین باہمی ذمہ داری کو ایک ایسے خطرے کے خلاف جو ان سب کو درپیش ہے حقیقت کاروبار دینا۔ البتہ بیمہ کی مختلف صورتوں کے پیش نظر اس تعاون کی ظاہری شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔“ (۱۲۴)

پروفیسر صاحب کہتے ہیں: ”رہی اس میں سود کے شبہ والی بات کہ اس میں بیمہ دار ایک معمولی قسط ادا کر کے اس خطرہ کے پیش آنے پر جس سے تحفظ دیا گیا تھا، اس قسط کے مقابلے میں اس سے کئی گنا زیادہ رقم وصول کر لیتا ہے،

تو یہ ایک ایسا شبہ ہے جو ظاہراً بھی ایک خیالی شبہ ہے اور حقیقت میں تو اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر ہم یہ ذہن نشین کر لیں کہ بیمہ کاروبار مصائب و نقصانات کی تلافی کے لئے تعاون کی بنیاد پر قائم ہے۔ اور پھر اس میں ہم ربا کو بھی موجود تسلیم کر لیں، یا اس کا شبہ ہی ہو تو پھر یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم تبادلہ بیمہ کو بھی حرام قرار دے دیں۔ اس لئے کہ اس میں بھی بیمہ دار ایک معمولی قسط ادا کرتا ہے اور پھر حادثہ پیش آنے پر اس سے زیادہ اور بڑی رقم وصول کر لیتا ہے۔ اور اگر سود کا شبہ درست ہوتا تو حکومت کے ملازمین کے حق میں پنشن اور گزبجوٹی وغیرہ کا نظام بھی حرام ٹھہرتا۔“ (۷۴)

پروفیسر صاحب کہتے ہیں: بیمہ زندگی کا اصل مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ بیمہ دار کے مرنے کی وجہ سے جسے نقصان اٹھانا پڑتا ہے، اس کو ایک طرح سے مالی امداد فراہم کی جائے، لہذا اس میں اور بیمہ کے دیگر اقسام میں اپنی سوچ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں رہ جاتا، چاہے وہ اشیاء کا بیمہ ہو یا ذمہ داریوں کا۔“ (۷۶)

وہ مزید فرماتے ہیں: جس حقیقی بنیاد پر یہ کاروبار جسے بیمہ کمپنیاں چلاتی ہیں استوار ہے، وہ یہ ہے کہ حادثات کے پیش آنے کی وجہ سے جو نقصانات کسی ایک شخص کو پہنچ سکتے ہیں، ان کے بوجھ کو ایک شخص کے سر سے اتار کر تمام ارکان پر بٹا دیا جائے، اس طور پر کہ ان کی جمع شدہ اقساط کے مجموعہ میں سے اس شخص کو نقصان کا معاوضہ ادا کر دیا جاتا ہے، اور اسے ہی تعاون کہتے ہیں۔“ (۷۷)

دوم: ان شبہات کی تردید!

اس سلسلہ میں پیش کی گئی سابقہ عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شبہ تین امور پر قائم ہے۔

امراول: یہ کاروبار بیمہ تعاون کے ایک ایسے معاہدے میں شمولیت کے

سوا اور کچھ نہیں، جو لوگوں کی ایک بڑی تعداد کہ جتنی ایک ہی قسم کا خطرہ درپیش ہے کے مابین طے پاتا ہے، اور یہ کہ اس معاہدے کا مقصد صرف یہ ہے کہ مخصوص خطرہ پیش آنے کی صورت میں ان میں سے کسی ایک کو پہنچنے والے نقصان کی سب مل کر تلافی کر دیں، اور یہ کہ اس تعاون کے لئے ہر ایک کو ایک بہت ہی معمولی رقم خرچ کرنی پڑتی ہے۔

لیکن اس کاروبار کا یہ تصور حقیقت حال کے بالکل خلاف ہے، دو وجوہ کی

بنیاد پر:

اول: یہ کہ اس کے لئے لوگوں کے ایک گروہ کے مابین ایک اور معاہدے کے وجود کو فرض کرنا پڑتا ہے جو ان کے مابین ان میں سے کسی ایک پر آنے والی مصیبت کو دور کرنے کے لئے طے پا چکا ہو۔

دوم: یہ کہ اس صورت میں معاہدہ بیمہ سے اس قسم کے معاہدے میں بیمہ دار کی شرکت و شمولیت کا اظہار واضح طور پر ہونا چاہیے۔ جبکہ اس طرح کے دونوں معاہدوں کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ اور صرف تعاون کا ارادہ جبکہ خود اس کا وجود نہ ہونا ممکن ہوتا ہے۔ اور شرعی طور پر ایسا تعاون کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوتا جس کی وجہ سے اس میں پایا جانے والا دھوکہ تو مؤثر ہوتا ہو لیکن اس میں نیت تبرع کا کہیں کوئی وجود نہ ہو۔ اس لئے کہ نیت کا اظہار اور ثبوت تو معاہدے کے متن اور اس کی عبارت ہی سے ہو سکتا ہے، جبکہ اس کاروبار میں اس قسم کا معاہدہ کہاں ہوتا ہے کہ جس کی بنیاد پر ہم دونوں معاہدہ کرنے والوں کی نیت کو دیکھ سکیں؟ شرعی احکام کی بنیاد اس قسم کے دو دروازے کے مفروضوں پر قائم نہیں ہوتی، بلکہ ان کی بنیاد تو ایسی حقیقت حال پر استوار ہوتی ہے جن کے لئے دلیل و برہان بھی موجود ہو۔ یہ بات واضح ہو گئی کہ کاروبار بیمہ، ان قوانین کی رو سے جن کے تحت اس کا نظام ترتیب پاتا ہے، اور اپنی اس شکل و ہیئت کے اعتبار سے جس پر حقیقت

میں عمل ہوتا ہے، نقصانات و خطرات کے ازالے کے لئے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے مابین تعاون کے معاہدے کا نام نہیں۔ اس لئے کہ اس میں صرف دو فریق ہوتے ہیں، جو کہ بیمہ کمپنی اور مخصوص بیمہ دار ہیں جبکہ لوگوں کی وہ بہت بڑی تعداد کہاں ہے جنہوں نے تعاون، تضامن اور قربانی کے لئے ایک دوسرے سے اتفاق کر لیا ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بیمہ کمپنی سے معاملہ کرنے والا ایک شخص بھی دوسرے شخص کو نہیں جانتا، چہ جائیکہ اس سے تعاون اور نیکی و تقویٰ پر کسی قسم کا معاہدہ طے کرے۔ رہی اس قسم کے تعاون میں شمولیت تو کاروبار بیمہ میں اس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ اور جس چیز کا وجود ہے، وہ صرف بیمہ کمپنی کا یہ معاہدہ ہے کہ حادثہ پیش آنے پر وہ بیمہ دار کو بیمہ کی رقم ادا کر دے گی، بیمہ دار کے اس عہد کے بدلے میں کہ وہ اس کمپنی کو بیمہ کی قسطیں ادا کرتا رہے گا۔ تو بتائیے اس میں تعاون اور نیکی کا ارادہ بیمہ کمپنی یا بیمہ دار کی طرف سے کہاں ہے؟

ہم نے متعدد مرتبہ یہ بات واضح طور پر کہی ہے کہ معاہدہ بیمہ سے صرف ایک ہی نوعیت کا تعلق پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ تعلق وہی ہے جو بیمہ کمپنی اور مخصوص بیمہ دار کے مابین ہوتا ہے۔ اور اس تعلق کی بناء پر معاہدوں کے اثرات کی نسبت جو کہ فقہ اور قانون کا ایک مسلمہ اصول ہے، کے اعتبار سے جو بھی حقوق و فرائض مرتب ہوتے ہیں وہ صرف اور صرف انہی دونوں فریقوں تک ہی محدود ہوتے ہیں۔ اور یہ بات تو کوئی بھی نہیں کہتا کہ بیمہ کمپنی جو معاہدہ کسی ایک بیمہ دار سے کرتی ہے اس کی وجہ سے دیگر بیمہ داران کے لئے بھی حقوق و فرائض مرتب ہوتے ہیں۔

ان معاہدات بیمہ کو جنہیں بیمہ کمپنیاں طے کرتی ہیں اس تبادلی بیمہ کے ساتھ تشبیہ دینا جسے امداد باہمی کی انجمنیں کرتی ہیں یا پنشن کے اس نظام سے تشبیہ دینا جو حکومت نے اپنے ملازمین کے لئے اختیار کیا ہے، ایسا ہے جیسے کسی چیز کو اپنی ضد اور نقیض سے تشبیہ دی جائے۔ اس لئے کہ تبادلی بیمہ میں نہ تو کوئی تحفظ

دینے والا ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی تحفظ لینے والا۔ بلکہ اس میں اس انجمن کے تمام ارکان ایک مقصد کے لئے ایک دوسرے سے تعاون اور نیکی کرتے ہیں، اور وہ مقصد ہے ان میں سے کسی ایک کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کرنا، اور جب کوئی رکن ایسے نقصان سے درچار ہو جاتا ہے تو وہ اس عطیات والی رقم سے اتنی ہی رقم حاصل کر لیتا ہے جو اس کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کے لئے کافی ہو۔ اس لئے کہ استحقاق کی شرط یا جس سے استحقاق کو مشروط کر دیا گیا تھا وہ پایا گیا ہے اور یہ اس مقصد کے لئے جو کچھ بھی وصول کرتا ہے وہ کسی قسط یا بدلہ اشتراک کا معاوضہ نہیں ہوتا۔ اور یہی صورت حال پنشن کے نظام میں پائی جاتی ہے کہ جس شخص کے لئے بھی اس نظام کے شرائط پائے جاتے ہیں اسے اس عطیہ کے نئے سے رقم مل جاتی ہے، اور اس میں منافع کا حصول مقصود نہیں ہوتا۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم تبادلہ بیمہ اور نظام پنشن میں اس قسم کی صفت کی واضح موجودگی کو ضروری قرار دیتے ہیں، یعنی ان کے کسی مخصوص غرض کے لئے تبرع اور عطیات کی بنیاد پر استوار ہونے کی صفت کا پایا جانا۔

امردوم: یہ کہ بیمہ کمپنی کا کردار بیمہ کے کاروبار میں بیمہ داران کے مابین واسطہ کا ہوتا ہے جو ان سب کی طرف سے بطور نائب کے ان کی اقساط کو جمع کرتا ہے اور ان کے تعاون کو منظم اور مربوط بناتا ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ یہ بھی خیال اور مفروضات میں اپنے سابقہ مفروضے سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں بیمہ کمپنی ہی اصل فریق ہوتی ہے جس کا دوسرا فریق بیمہ دار ہے۔ یہ نہیں کہ بیمہ کا اصل معاہدہ تو تمام بیمہ داران کے مابین طے پاتا ہو اور بیمہ کمپنی صرف واسطہ کا کام دیتی ہو۔ یا اس معاہدہ سے ان تمام بیمہ داران کے مابین کوئی تعلق قائم ہو جاتا ہو، اور پھر اس تعلق کی بنیاد پر ان کے ذمہ کچھ فرائض اور ذمہ داریاں اور خود ان کے لئے کچھ حقوق متعین ہو جاتے ہوں۔ بلکہ حقیقت حال تو اس کے بالکل

برعکس ہے کہ اس کاروبار کی بناء پر تو حقوق و فرائض کا تعین صرف بیمہ کمپنی اور مخصوص بیمہ دار کے لئے ہو جاتا ہے، اور اس معاہدہ کے اثرات دیگر بیمہ داران کے حق میں کسی طور پر بھی نافذ نہیں ہوتے۔

امر سوم: بیمہ کمپنی کی حیثیت اس اعتبار سے کہ وہ تمام بیمہ داران سے قسطیں وصول کرتی ہے، مختار یا متولی کی ہوتی ہے۔ گویا مال کو اس کے اختیار اور تولیت میں دیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے بیمہ کمپنی کو جو قسطیں ادا کی جاتی ہیں وہ ان کی مالک نہیں ہوتی بلکہ یہ اس کے ہاتھ میں امانت ہوتی ہیں اور وہ ان میں تصرف خود کو مختار یا متولی بنانے والوں کی مرضی و منشاء سے کرتی ہے۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ یہ قسم خیال اور مفروضہ سے بھی بڑھ کر بعید از قیاس ہے۔ اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ اختیار یا تولیت تو اس شخص کے لئے ضروری ہوتے ہیں جس میں خود اہلیت و صلاحیت موجود نہ ہو۔ اور پھر یہ بغیر کسی ایسے شرعی نص کے ثابت بھی نہیں ہوتے جو ان کو لازم ٹھہرائے، اور ان کے احکام کو واضح کرے۔ پھر مختار یا متولی ایسے تصرفات بھی نہیں کر سکتا جس میں اسے مختار یا متولی بنانے والے کے مفادات خود اس کے مفادات سے متصادم ہوں۔ جبکہ اس طرح کے احکام کاروبار بیمہ میں کہاں سے آگئے؟ اس لئے کہ کاروبار بیمہ میں اس قسم کے کسی اختیار یا تولیت کا سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہوتا۔ اس میں صرف اس ٹہد کا ذکر ہوتا ہے جو بیمہ کمپنی حادثہ پیش آنے پر بیمہ دار کو بیمہ کی رقم کی ادائیگی کے سلسلہ میں کرتی ہے، بیمہ دار کے اس ٹہد کے بدلے میں کہ وہ کمپنی کو بیمہ کی قسطیں اس وقت تک ادا کرتا رہے گا جب تک کہ وہ حادثہ پیش نہ آجائے۔ اس کے علاوہ بیمہ کمپنی کے مفادات بیمہ داران کے مفادات سے پوری طرح متصادم ہوتے ہیں کیونکہ کمپنی کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ منافع کمائے، اسی طرح اپنی ذمہ داریوں سے بچنے کے لئے وہ ہر حربہ استعمال کرتی ہے جبکہ بیمہ دار

کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی کی طرف سے اس کی جان اور اس کے حقوق کی پوری طرح حفاظت ہو۔ لہذا یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ کمپنی کی حیثیت مختار یا متولی کی ہے؟ کیا مختار یا متولی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس شخص کے مفادات کے عکس جس کا یہ مختار یا متولی ہے، اپنے مفادات کے لئے کام کرتا رہے؟

رہی یہ بات کہ بیمہ کمپنی کو جو قسطیں ادا کی جاتی ہیں، وہ ان کا مالک نہیں ہوتی بلکہ یہ اس کے ہاتھ میں امانت ہوتی ہیں۔ بیمہ داران کی طرف سے متولی یا مختار ہونے کی بناء پر۔ لیکن یہ بات تو سیدھے سادے شرعی قواعد اور اصولوں کے بھی خلاف ہے، اور حقیقت حال کے بارے میں عدم واقفیت کے ساتھ ساتھ ان قوانین سے لاعلمی کا نتیجہ ہے جس سے یہ کاروبار منظم ہوتا ہے۔ کیونکہ شارحین قانون کے ماہرین اس پر پورا اتفاق پایا جاتا ہے کہ بیمہ کمپنی کو ان اقساط پر پوری طرح حق ملکیت حاصل ہوتی ہے اور اسے تمام مالکانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ لہذا جب لیس دین کرنے والے دونوں فریقوں کی نیت و ارادے کے مطابق اور ان قوانین کے مطابق جن سے یہ نظام ترتیب پاتا ہے، اس کاروبار کی اصل حقیقت یہی ہے تو پھر شریعت کے ایک عالم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان تمام حقائق سے چشم پوشی کرتے ہوئے اپنے فیصلے کی بنیاد ایسے خیالی مسائل اور عجیب و غریب صورتوں پر رکھے جن کی قانون میں کہیں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

یہاں ایک اہم بات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری ہے، وہ یہ کہ بعض محققین کے نزدیک، جیسا کہ ان کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے، تعاون کو منافع کے ساتھ جمع کیا جاسکتا ہے۔ اس کے نزدیک بیمہ کمپنیاں جو کاروبار کرتی ہیں۔ وہ ایسے تعاون اور تضامن میں سے شمار ہوتا ہے جس میں منافع کے حصول کا ارادہ بھی کارفرما ہوتا ہے، لیکن یہ بات اسلامی فقہ کے لئے ایک نئی اور عجیب و غریب بات ہی ہے۔ اس لئے کہ جس تعاون کو تبرع اور نیکی کہا جاتا ہے۔ اور جس میں دھوکہ کا وجود اور

سود کا پایا جاننا غیر مؤثر ہوتا ہے، یعنی جس میں تھوڑا دینا اور پھر زیادہ وصول کرنا سود نہیں کہلاتا، وہ تو صرف اس صورت میں تبرع اور نیکی ہو سکتا ہے جس طرح کہ فقہاء اسلام نے اسے بیان کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ خرچ کرنے والا اس کے بدلے میں کسی قسم کے معاوضہ کا طالب اور خواہش مند نہیں ہوتا اور نہ ہی اپنی اس نیکی سے وہ کسی قسم کے منافع کا حصول چاہتا ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص عوض کے بدلے میں معاوضہ وصول کر رہا ہے اور پھر اس معاملہ سے اس کا مقصد منافع کمانا بھی ہے تو اسے تعاون اور تبرع نہیں کہیں گے۔ اس لئے کہ ایسا کہنا گویا دو اعضاء کو باہم جمع کرنا ہے، الا یہ کہ اصطلاح شرعی میں جس قسم کی نیکی کو تعاون کہا جاتا ہے یہاں اس سے الگ مفہوم تعاون کا مراد ہو۔ تو اس صورت میں بھی اس محقق کو یہ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کہ کاروبار مجھ میں تعاون موجود ہوتا ہے۔ کیونکہ جو دھوکہ قابل معافی ہے وہ اس تعاون میں ہے جو شرعی اعتبار سے ہوتا ہونہ کہ کسی اور طرح کے تعاون میں بھی وہ قابل درگزر ہوگا۔ اسی طرح تھوڑا دے کر زیادہ لینا بھی اس تعاون میں سود نہیں کہلاتا جو شرعی اصول کے مطابق ہوتا ہے، نہ کہ اس تعاون میں بھی یہ سود نہیں ہوتا جس میں منافع کمانا بھی مقصود ہوتا ہے اور معاوضہ لینا بھی۔

دوسرا شبہ: کاروبار بمیہ میں دھوکہ کا معمولی ہونا، اس لئے

کہ وہ باعث اختلاف و نزاع نہیں ہوتا:

بعض محققین بمیہ کا خیال ہے کہ اس کاروبار میں جو دھوکہ پایا جاتا ہے وہ اس معمولی قسم کے دھوکہ میں سے ہے جس سے مالی معاوضہ والے معاملات باطل نہیں ہوتے۔ اس دھوکہ کے معمولی ہونے کی بنیاد انہوں نے ایک ایسے عجیب و غریب قاعدہ پر رکھ دی ہے جس کے لئے کوئی دلیل شرعی موجود ہے نہ کسی مجتہد کے کسی ایک قول سے وہ ثابت ہوتا ہے۔ آپ کے سامنے ہم پہلے یہ شبہ اور پھر اس کا

روپیش کرتے ہیں۔

اول: اس شبہ کا بیان

ہمارے استاد محترم شیخ علی التحفیف فرماتے ہیں: ”کاروبارِ بیمہ میں جو دھوکہ پایا جاتا ہے وہ ایسا دھوکہ ہے جو باعثِ نزاع نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس پر لوگوں کا عمل بکثرت ہوتا ہے۔ اور یہ ان میں بڑے پیمانے پر رواج پا جانے کی وجہ سے ان کے تمام اقتصادی معاملات میں عام ہو کر رہ گیا ہے۔ لہذا یہ ایک ایسا معمولی نوعیت کا دھوکہ ہے جس کی وجہ سے نہ تو کاروبار کو روکا جاتا ہے۔ اور نہ ہی یہ ممنوع ٹھہرتا ہے۔ اس لئے کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ معمولی دھوکہ کی بنیاد پر ممانعت و حرمت کا نفاذ نہیں ہوتا۔“ (۶۷۸)

دوم: اس شبہ کی تردید:

اس شبہ کی بنیاد دو مقدمات پر قائم ہے۔ ایک یہ کہ کاروبارِ بیمہ کا دھوکہ باعثِ نزاع نہیں ہوتا، اور دوسرا یہ کہ جو دھوکہ باعثِ نزاع نہ ہو وہ معمولی دھوکہ کہلاتا ہے جو باعثِ ممانعت و حرمت نہیں ہوتا۔ لیکن یہ دونوں مقدمے باطل ہیں۔ ان سے اس مقصد کے لئے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ اس کی تفصیل یوں ہے:

پہلا مقدمہ: کاروبارِ بیمہ کا دھوکہ باعثِ نزاع نہیں!

پہلا مقدمہ جس پر اس شبہ کا دارومدار ہے وہ یہ ہے کہ کاروبارِ بیمہ میں پایا جانے والا دھوکہ باعثِ نزاع نہیں ہوتا۔ اس شبہ کو پیش کرنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ لوگ بکثرت اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اور یہ ان میں عام ہو گیا ہے، اور ان کے تمام اقتصادی معاملات میں رواج پا گیا ہے۔ نیز اس لئے کہ یہ سوچا بھی نہیں جا

سکتا کہ ان کے درمیان ایسا کوئی کاروبار عام ہو جائے جس میں دھوکہ پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے ان میں تنازعات بھی اٹھ کھڑے ہوتے ہوں، لیکن اس کے باوجود وہ اس کاروبار کو چھوڑ نہیں دیتے جبکہ حقیقت میں یہی ہوتا ہے کہ لوگ اگر کوئی کاروبار کریں اور پھر اس کے بارے میں ان کے مابین نزاع و اختلاف پیدا ہو جائے تو لوگ خود بخود اس کاروبار سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔“ (۹۶)

لیکن یہ مقدمہ مسلمہ نہیں ہے۔ اور اس سے جس بات کی خاطر استدلال کیا گیا ہے وہ بھی درست نہیں ہے۔ رہا اس کا غیر مسلم ہونا تو اس کی دلیل وہ بے شمار تنازعات ہیں جو کاروبار بیمہ کے سلسلہ میں عدالتوں میں چلتے رہتے ہیں۔ یہی یہ بات کہ ان جھگڑوں کی اصل وجہ کاروبار بیمہ کی اصل حقیقت اور اس کی فطرت و طبیعت میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ ان کی اصل وجہ بیمہ دار کا تحفظ دینے والے کی طرف سے معاہدہ بیمہ میں لگائی گئی شرطوں کی خلاف ورزی کرنا ہے، تو یہ بات اصل واقعہ اور حقیقت حال کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ ان تنازعات کی تعداد جن کی بنیاد بیمہ کمپنی کی طرف سے شرائط کی خلاف ورزی، معاہدہ بیمہ کے دفعات کی من مانی تشریح اور معمولی چیلے بہانوں سے رقم بیمہ کی ادائیگی سے بچنے کی کوششوں پر ہے، کہیں زیادہ ہے ان تنازعات سے جو بیمہ دار کی طرف سے شرائط کی خلاف ورزی کی بناء پر اٹھتے ہیں۔

یہی اس مقدمہ کے لئے جس چیز سے استدلال کیا گیا ہے اس کے غیر صحیح ہونے کی بات، تو اس سے استدلال کرنا بڑی عجیب سی بات ہے، کیونکہ یہ بات لوگوں کی عادات و حالات کے اصل واقعہ سے مطابقت نہیں رکھتی، کیونکہ کسی معاملے کے نزاع و اختلاف کی صورت اختیار کر لینے سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ لوگ اس کا تعامل ہی چھوڑ دیں گے، تاکہ یہ کہا جاسکے کہ ان کا کثرت تعامل اور اس چیز کا ان میں زیادہ رواج پاجانا اور ان کے ہر اقتصادی میدان میں اس کا عام ہوجانا اس بات کی دلیل ہے

کہ اس میں کسی قسم کے اختلاف یا نزاع کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی۔ جیسا کہ دھوکہ پر مشتمل وہ بیوعات جن کی حرمت و ممانعت پر سب کا اجماع ہے، دور جاہلیت کے لوگوں کا ان پر بکثرت تعامل رہا ہے، اور یہ ان میں بکثرت مروج اور عام ہو گئے تھے، باوجودیکہ ان معاملات میں موجود دھوکہ کی وجہ سے ان کے مابین لازمی طور پر اختلافات اور جھگڑے پیدا ہوئے تھے جس سے تو خود یہ محققین بھی انکار نہیں کرتے۔ اگر لوگوں کے باسے میں یہ خیال کیا جائے کہ وہ لوگ جب کوئی ایسا کاروبار کرتے ہیں جس میں دھوکہ پایا جاتا ہے اور جس کی وجہ سے ان کے مابین تنازعات بھی پیدا ہو جاتے ہیں، لیکن وہ ان میں بکثرت مروج ہونے کی وجہ سے اسے چھوڑتے نہیں، اور یہ کہ عام طور پر تو یہی ہوتا ہے کہ جب وہ کوئی معاملہ کرتے ہیں، اور اس میں کسی طور پر نزاع پیدا ہو جائے تو وہ ایسے معاملہ کو ترک کر دیتے ہیں (۸۱) تو پھر شریعت میں ایسے نصوص کیوں مذکور ہوئے ہیں جن کی رو سے دھوکہ والے معاملات ممنوع ٹھہرے؟ ان نصوص کی ضرورت ہی اس لئے محسوس کی گئی ہے کہ لوگ نزاع اور جھگڑے والے معاملات کو عام طور پر ترک نہیں کرتے۔

دوسرا مقدمہ؛ جو دھوکہ باعثِ نزاع نہ ہو وہ معمولی دھوکہ کہلاتا ہے

دوسرا مقدمہ جس پر اس شبہ کا دار و مدار ہے، یہ ہے کہ جو دھوکہ باعثِ نزاع نہ ہو وہ معمولی دھوکہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے حرمت و ممانعت کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔ یہ شبہ پیش کرنے والوں نے اس مقدمہ کے لئے استدلال اس روایت سے کیا ہے جو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوگ پھلوں کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے۔ اور جب پھلوں کو توڑنے اور اس میں دین کی تکمیل کا وقت آتا تو خریدار یہ اعتراض اٹھاتا کہ پھل تو خراب ہو گیا ہے۔ اس طرح اکثر ہوا کرتا تھا اور اس معاملے میں وہ اکثر جھگڑا کیا کرتے تھے۔ پھر

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس طرح کے تنازعات بکثرت آنے لگے تو آپ نے فرمایا: ”تم اس وقت تک خرید و فروخت مت کیا کرو جب تک کہ پھل دیک کر تیار نہ ہو جائے“ اس مقدمہ کے لئے انہوں نے اس حدیث سے جس طرح استدلال کیا ہے اس سلسلہ میں وہ کہتے ہیں کہ ”اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کرنے کی اصل وجہ اس میں تنازعہ اور جھگڑے کا پیدا ہو جانا ہی ہے“ اس طرح انہوں نے ایک عام قاعدہ بنا لیا کہ جو دھوکہ باعث نزاع ہو وہ ممنوع ہے اور جو باعث نزاع نہ ہو وہ ممنوع نہیں ہے (۸۲) لیکن یہ مقدمہ مکمل طور پر غلط ہے اور اس کی عدم صحت چار امور سے پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔

امرا اول: فقہاء نے اس دھوکہ کی تعریف میں جو معاملات میں مؤثر ہوتا ہے، نزاع کو کسی طور پر بھی شامل نہیں کیا ہے، لہذا جس دھوکہ سے شریعت نے روکا ہے اس کی ماہیت و طبیعت میں دھوکہ کا باعث نزاع ہونا شامل نہیں ہے، اور نہ ہی اس کے وجود کے لئے یہ شرط ہے۔

اہل لغت کے نزدیک دھوکہ اس خطرہ کا نام ہے جس کے بارے میں یہ علم نہیں ہوتا کہ آیا وہ وقوع پذیر ہوگا یا نہیں (۸۳) اور فقہاء کے نزدیک اسے کہتے ہیں جس کا حصول یا عدم حصول غیر یقینی ہو (۸۴) یا جس کا علم آپ سے پوشیدہ ہو، اور اس کا باطن اور راز آپ کے لئے نہاں ہو (۸۵) یا جو سلامتی اور ہلاکت و بربادی کے مابین معلق ہو یا جس کے دونوں معروضوں میں سے کسی ایک کے حصول کا شک ہو (۸۶) یا جس کا پتہ نہ ہو کہ آیا یہ مکمل بھی ہوگا یا نہیں (۸۷) یا جس میں اس کا وجود اور عدم برابر ہوں (۸۸) جو چیز جو کبھی تول جاتی ہے اور کبھی نہیں (۸۹) یا دونوں پہلو مشکوک ہوں، لیکن جو پہلو غالب الوقوع ہو وہ دونوں پہلوؤں میں سے زیادہ خوفناک ہو (۹۰) یا جس میں دونوں فریق یہ نہ جانتے ہوں کہ اس نے جو کچھ خرچ کیا ہے، اس کے بدلے میں وہ کس چیز کا مالک بنا ہے (۹۱) یا جس میں معاوضہ کے حصول کا پختہ یقین نہ ہو (۹۲) یا جس کی دونوں صورتیں مشکوک ہوں، اور ان میں سے کوئی ایک واضح نہ ہو (۹۳)

ان تمام تعریفیات سے جو بات واضح ہوتی ہے، وہ یہی ہے کہ دھوکہ کا باعث نزاع ہونا اس دھوکہ کی حقیقت اور ماہیت کا جز نہیں ہے جس سے شریعت نے روک دیا ہے، اور نہ ہی اس کے لئے یہ شرط کی حیثیت رکھتا ہے، حتیٰ کہ یہاں پر یہ غلط بات کہنے کی گنجائش نکل سکے کہ اگر دھوکہ باعث نزاع نہ بنتا ہو تو وہ غیر مؤثر معمولی دھوکہ کہلائے گا۔ اس لئے کہ یہ تمام تعریفیات اس دھوکہ کی ہیں جو معاوضہ والے معاملات میں مؤثر ہوتا ہے، الا یہ کہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ معاوضہ میں جو دھوکہ پایا جاتا ہے وہ قابل معافی و درگزر والا دھوکہ ہے۔ اور اس نوعیت کا دھوکہ جیسا کہ آپ ملاحظہ کریں گے کاروبار بیمہ پر منطبق نہیں ہوتا۔

امردوم: وہ معمولی نوعیت کا دھوکہ جو تمام فقہاء کے نزدیک بالاتفاق کسی قسم کی ممانعت اور حرمت کا سبب نہیں بنتا وہ ہے جس میں وہ تین عناصر مکمل طور پر موجود ہوں جو ہم نے پہلے بھی ذکر کئے ہیں۔ وہ ہیں دھوکہ کا معمولی ہونا، اس کا مقصود بالذات نہ ہونا اور ناگزیر ہونا۔ تو مالی معاوضہ والے معاملات میں دھوکہ کے غیر مؤثر ہونے کی بنیاد انہی تینوں عناصر کے مجتمع ہونے پر ہے نہ کہ اس کے باعث نزاع ہونے پر جیسا کہ یہ محققین دعویٰ کرتے ہیں۔

مالی معاوضات میں جو دھوکہ قابل معافی و درگزر ہے اس کا قاعدہ اور ضابطہ بیان کرتے وقت ہم نے یہ بات پوری طرح ثابت کر دی تھی کہ یہ قاعدہ کاروبار بیمہ میں پائے جانے والے دھوکہ پر کسی طرح بھی صادق نہیں آتا۔ اس لئے کہ کاروبار بیمہ میں پایا جانے والا دھوکہ خود حصول شئی کا دھوکہ ہے، جس کے بارے میں یہ کسی طرح بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ معمولی نوعیت کا دھوکہ ہے، خود غیر مقصود ہے اور ضرورت کی بناء پر اس کا ارتکاب ناگزیر ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ فقہاء مالکیہ نے جنہوں نے قابل درگزر دھوکہ کا قاعدہ مقرر کیا ہے اور اس کے عناصر کی وضاحت کی ہے، مالی معاوضات میں سے حصول کے دھوکہ کو اس سے خارج قرار دیا ہے۔ جیسے ہوا میں اڑتے ہوئے

پرنسے کی خرید و فروخت یا پانی میں تیرتی مچھلی کی خرید و فروخت یا حیوان کی فروخت اس شرط پر کہ وہ حاملہ ہے۔

اسی طرح کاروبارِ بیمہ میں معاوضہ کی مقدار اور میعادِ ادائیگی کے سلسلہ میں جو دھوکہ پایا جاتا ہے وہ بھی قابلِ درگزر دھوکہ کے قاعدہ اور ضابطہ کے تحت نہیں آتا۔ اس لئے کہ یہ بھی شدید ترین نوعیت کا دھوکہ ہے جو اس کی قیمت اور مدت کے بارے میں ہے۔ لہذا اس میں معمولی ہونے والی شرط نہیں پائی جاتی۔ اس کے علاوہ اس کا تعلق ایک مقصود بالذات معاملہ سے ہے، لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ دھوکہ اس معاملہ کی جس چیز سے متعلق ہے، وہ غیر مقصود ہے۔ اور ان سب سے بڑھ کر یہ کہ ضرورت کی بناء پر بھی اس قسم کے دھوکہ کا ارتکاب نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ ایسی بات کہنا درست نہیں، جیسا کہ ہم نے پہلے ہی اس کی وضاحت کر دی ہے۔ الا یہ کہ ہمارا واسطہ کسی ایسے کاروبار سے ہو جو بذاتِ خود توجائز ہے کہ اس پر بہت سے انسانی فوائد کا دار و مدار ہے، اور پھر ضرورت کی بناء پر اس میں معمولی نوعیت کے ایسے دھوکہ کا ارتکاب ضروری ہو گیا ہے جو بذاتِ خود مقصود بھی نہیں جبکہ کاروبارِ بیمہ ایسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس میں تو خود اس کے اپنے وجود میں دھوکہ کا فرما ہے، کیونکہ خطرہ اس کا بنیادی رکن، اس کا لازمی عنصر اور اس کا وہ محل ہے کہ جس کے بغیر اس کا وجود ہی ممکن نہیں۔

امر سوم: مجتہدین میں سے جو حضرات پھلوں کے پکنے سے پہلے ان کی خرید و فروخت سے منع کرتے ہیں ان کے نزدیک اس ممانعت کے لئے جھگڑوں اور تنازعات کی کثرت علت نہیں، جیسا کہ اس شبہ کے پیش کرنے والوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں ان تنازعات کا ذکر ہے۔ اس لئے کہ ان مجتہدین میں سے کوئی ایک بھی پھلوں کے پکنے سے قبل ان کی لین دین کے جواز کا قائل نہیں چاہے اس سے تنازعات نہ ہوتے پیدا نہ بھی ہوتے ہوں۔ بلکہ ہر صورت میں اس کی ممانعت پر ان کا مکمل اتفاق ہے۔ دوسری طرف کوئی ایک مجتہد بھی یہ نہیں کہتا کہ اگر کوئی معاملہ دھوکہ اور جہالت یعنی

لا علمی سے پاک اور خالی ہو لیکن اس کے سلسلہ میں تنازعات اور جھگڑے پیدا ہوتے ہوں تو وہ معاملہ اور کاروبار ممنوع ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ معاوضہ والے معاملات میں ممانعت کی علت تنازعہ اور جھگڑا نہیں۔ اس لئے اگر ایسا معاملہ دھوکہ سے پاک ہو چاہے وہ تنازعہ کا باعث ہی کیوں نہ بنتا ہو تب بھی جائز ہے۔ لیکن اگر اس میں دھوکہ پایا جاتا ہے تو وہ ناجائز ہے، چاہے وہ باعثِ نزاع نہ بھی ہو۔

شاید جس اشتباہ میں اس شبہ اور اعتراض کے اٹھانے والے حضرات پڑے ہیں وہ ان کا پھلوں کو پکنے سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کی علت اور حکمت کو غلط ملط کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ اس لئے کہ اس ممانعت کی علت کہ جس کے وجود اور عدم وجود کے اوپر اس کے حکم کا دار و مدار ہے، وہ دھوکہ ہے جو پھلوں کے تیار ہونے سے پہلے ان کی خرید و فروخت کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ اور یہ دھوکہ معاوضہ والے معاملات میں مؤثر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ یہ خود اس شئی کے حصول کے سلسلہ کا دھوکہ ہے۔ جبکہ اس ممانعت کی حکمت وہ نزاع اور اختلاف ہے جو اس قسم کے معاملہ کو طے کرنے پر پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اصول فقہ کا یہ تسلیم شدہ قاعدہ ہے کہ حکم کا دار و مدار علت کے وجود یا عدم وجود پر ہوتا ہے حکمت پر نہیں۔ اس لئے جب علت موجود ہوگی تو اس کے مطابق حکم بھی لگایا جائے گا، چاہے حکمت نہ بھی پائی جاتی ہو۔ اور اگر علت موجود نہ ہوگی تو حکم بھی نافذ نہیں ہوگا، چاہے حکمت موجود ہی کیوں نہ ہو۔ لہذا پھلوں کے پکنے سے پہلے ان کی خرید و فروخت کی صورت میں جو تنازعات پیدا ہوتے ہیں وہ علت ہیں اس قسم کے معاملے میں دھوکہ کے پائے جانے کے لئے جو کہ ممانعت کی علت اور سبب ہے، اور علت کی علت کا نام ہی حکمت ہے۔

خرید و فروخت کے ان معاملات کے بارے میں کہ جن کی ممانعت سنت سے ثابت ہے اور جن کی علت کے بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ وہ دھوکہ ہے، کسی کا اختلاف نہیں کہ ان کی ممانعت اور ان کا باطل ہونا ثابت ہے۔ چاہے وہ باعثِ نزاع

اختلاف ہوں یا نہ ہوں جیسے ہوا میں اڑتے پرندے، دیا میں تیرتی مچھلی، رحم مادر میں موجود حمل اور پھلوں کی پیدائش سے قبل ان کی خرید و فروخت یا چھو کر یا پتھر پھینک کر خرید و فروخت کرنا، تو اس قسم کی خرید و فروخت کے تمام معاملات فقہاء مجتہدین کے نزدیک بالاتفاق باطل ہیں۔ اور ان کے باطل ہونے کی علت کے بارے میں بھی ان کے مابین کوئی اختلاف نہیں، جو کہ دھوکہ ہے۔ لہذا یہ یقینی طور پر باطل ہیں چاہے ان کی وجہ سے لین دین کرنے والوں کے مابین کسی قسم کا کوئی تنازعہ پیدا ہی نہ ہو۔ اور اگر نزاع اور اختلاف کے پیدا ہونے کا علت ہونے میں کوئی عمل دخل ہوتا، تو حکم کا دار و مدار بھی اس کے وجود اور عدم وجود پر ہوتا۔

امر چہارم: اگر ہم حکمت کو علت تسلیم کر بھی لیں تب بھی دھوکہ کا باعث نزاع و اختلاف ہونا دھوکہ والے معاملہ کی ممانعت و حرمت کے لئے اکیلا اور تنہا حکمت یعنی علت نہیں ہے بلکہ یہاں پر ایک اور حکمت بھی موجود ہے جس کا ذکر سنت میں موجود ہے اور جس کی تصریح علماء نے بھی کی ہے۔ اور وہ حکمت و علت ہے لوگوں کے مال کو ضائع ہونے سے بچانا اور محفوظ کر دینا۔ اسی طرح دھوکہ والے معاملات میں نزاع کا پیدا ہونا جزء علت تو ہو گا مکمل علت نہیں ہو سکتا جبکہ حکم کا دار و مدار اپنے وجود اور عدم وجود کے لئے مکمل علت پر ہوتا ہے۔ نہ کہ اس کے جزء پر۔ لہذا دھوکہ والے لین دین میں سے اگر تنازعہ ختم بھی ہو جائے، تب بھی ممانعت کا حکم ختم نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس کی وجہ سے لوگوں کے مال کے ضائع ہونے کا سبب باقی ہے۔ بعض روایتوں میں پھلوں کی پکنے سے پہلے خرید و فروخت سے ممانعت ان الفاظ میں آئی ہے: ”بھلا اگر اللہ تعالیٰ پھل رکی پیدائش ہی روک دے تو پھر تم میں سے کوئی شخص دوسرے کا مال کس چیز سے اپنے لئے حلال کرے گا۔“ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ پھل کے پکنے سے پہلے کی خرید و فروخت سے ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ جب خریدار کو یہ پھل اس صورت اور ان صفات کے

ساتھ حاصل نہ ہو سکے جن کے مطابق خرید و فروخت کا معاہدہ طے پایا تھا تو یہ دوسرے کا مال باطل طریقے سے کھانے کے زمرے میں آتا ہے۔

الخطابی کہتے ہیں: ”دھوکہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس چیز کا علم آپ سے مخفی ہو، اور اس کا باطن اور راز آپ سے پوشیدہ ہو۔ اور ہر وہ بیع جس کا مقصود غیر معلوم ہو اور اس کے حصول سے آدمی عاجز ہو، یعنی اس پر پوری طرح قدرت حاصل نہ ہو تو وہ دھوکہ ہے۔ جیسے پانی میں موجود مچھلی کو فروخت کرنا یا ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کو بیچنا یا سمندر میں موجود موتی کو یا گمشدہ ادنیٰ کو بیچنا یا کسی جانور کے ایسے بچے کو فروخت کرنا جو ابھی پیدا نہیں ہوا یا کسی درخت کے ایسے پھل کو بیچنا جو ابھی درخت پر لگا ہی نہیں، اور ان کے علاوہ دیگر ایسے معاملات جن کے بارے میں علم نہیں ہوتا کہ وہ عملاً ہو بھی سکیں گے یا نہیں۔ ان تمام صورتوں میں بیع فسخ ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی خرید و فروخت سے اس لئے منع فرمایا ہے تاکہ لوگوں کے مال کو ضائع ہونے سے بچایا جائے، اور لوگوں کے مابین جھگڑے اور تنازعات پیدا نہ ہونے پائیں۔ دھوکہ کی صورتیں بشمار ہیں جن میں یہ خاصیت مشترک ہے کہ ان میں مقصود بالذات شئی مجہول یعنی غیر معلوم ہوتی ہے (۱۹۳)۔“

اس شبہ کی تردید میں ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ کاروبار ہمہ میں جو دھوکہ پایا جاتا ہے وہ معمولی نوعیت کا نہیں بلکہ شدید ترین نوعیت کا دھوکہ ہے جو مالی معاوضہ والے معاملات میں ممانعت اور حرمت کا سبب بنتا ہے۔ اس لئے کہ اس کاروبار کا دھوکہ ایک طرف تو اس دھوکہ کی تعریف کے ذیل میں آتا ہے جس سے روکا گیا ہے اور دوسری طرف یہ معمولی نوعیت کے دھوکہ کے اس قاعدہ کے تحت بھی نہیں آتا جس کے عناصر میں سے اس کا معمولی ہونا، خود غیر مقصود ہونا اور اس کے ارتکاب کا ناگزیر ہونا ہے۔ اور کاروبار ہمہ میں جو دھوکہ ہے وہ ان تینوں عناصر سے خالی ہے۔ اور یہ کہنا کہ وہ معمولی دھوکہ جو معاوضہ والے معاملات میں حرمت و ممانعت

کا سبب نہیں بنتا، اس کے قاعدہ کی بنیاد اس پر ہے کہ یہ باعث نزاع نہیں ہوتا۔ تو اس بات کی کوئی سند نہ تو شریعت میں موجود ہے، اور نہ ہی کسی مجتہد کے قول سے یہ بات ثابت ہوتی ہے، جبکہ اس کی خرابی خود دلیل سے واضح ہو چکی ہے۔

تیسرا شبہ: معاہدات بیمہ کی کثرت کی بنیاد پر بیمہ کمپنی کی جانب سے یہ دھوکہ معمولی نوعیت کا ہوتا ہے۔

اولے: اس شبہ کا بیان: بیمہ کمپنیاں بیمہ کار جو کاروبار کرتی ہیں اس کے جواز کے قائل حضرات میں سے بعض کا کہنا یہ ہے کہ معاہدہ بیمہ کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک پہلو وہ ہے جو بیمہ کمپنی اور مخصوص بیمہ دار کے مابین پائے جانے والے تعلق کی صورت میں ہوتا ہے اور دوسرا پہلو وہ تعلق ہے جو بیمہ کمپنی کا تمام بیمہ دار سے ہوتا ہے۔ اور کاروبار بیمہ کیلئے شرعی حکم بیان کرتے وقت اس کا یہ دوسرا پہلو مد نظر رکھنا چاہیے، نہ کہ پہلا پہلو۔

اس کے ساتھ ساتھ وہ مزید کہتے ہیں: اگر ہم کاروبار بیمہ کو اس پہلو سے دیکھیں جو بیمہ کمپنی اور بیمہ دار کے مابین تعلق کی بنیاد پر قائم ہے تو یہ کاروبار نہ صرف دھوکہ ہے بلکہ جوا اور شرط بدنا بھی ہے۔ لیکن اگر ہم اس کے اس پہلو کو مد نظر رکھیں جو بیمہ کمپنی اور تمام بیمہ داران کے مابین تعلق کی بنیاد پر ہے تو دھوکہ کی حیثیت اس میں معمولی ہو جاتی ہے، اگرچہ بالکل ختم نہیں ہو جاتا۔ انہوں نے اپنے اس قول کی بنیاد اس بات پر رکھی ہے کہ بیمہ کمپنی جس کثرت سے یہ معاہدے طے کرتی ہے، اور اسے اسکانی و احتمالی حسابات کے سلسلہ میں جو سائنسی وسائل و ذرائع حاصل ہیں، ان کی وجہ سے کمپنی کے لئے یہ بات ممکن ہو جاتی ہے کہ اس نے جو کچھ تمام بیمہ داران کو ادا کرنا ہے، یا ایک مخصوص مدت تک جو کچھ ان سے وصول کرنا ہے، اس کا تعین اس طور پر کر سکے کہ جو حقیقت سے زیادہ قریب ہو۔ اس طرح بیمہ کمپنی کی طرف سے دھوکہ ختم ہو جاتا ہے یا کم سے کم رہ جاتا ہے۔

دوم، اس شبہ کا جواب: یہ شبہ تین وجوہ کی بنیاد پر باطل ہے:

اول: یہ کہ بیمہ کمپنی بیمہ دار سے جو معاہدہ طے کرتی ہے وہ کمپنی اور تمام بیمہ داران کے مابین کسی قسم کے تعلق کو پیدا نہیں کرتا، بلکہ یہ معاہدہ اثرات کاروبار کے تعلق اور نسبت کے قاعدہ کی رو سے صرف اور صرف ایک ہی نوعیت کا تعلق پیدا کرتا ہے جو بیمہ کمپنی اور اس بیمہ دار کے مابین پایا جاتا ہے جو پالیسی خرید رہا ہے۔ لہذا بیمہ کمپنی اور تمام بیمہ داران کے درمیان تعلق ایک مفروضہ سے بڑھ کر نہیں جس کا عملی طور پر کوئی وجود نہیں۔

اور اگر ہم اس قسم کے تعلق کے وجود کو فرض کر لیں تو اس صورت میں پہلے تو ہمیں اس تعلق کی اس بنیاد کو تلاش کرنا ہوگا، اور اس معاہدہ کو ڈھونڈنا ہوگا جو اس کے وجود کا باعث ہے اور پھر اس تعلق کی بنیاد اور اس کی وجہ سے جو حقوق و فرائض مرتب ہوتے ہیں، ان کی بناء پر اس قسم کے معاہدہ کا حکم معلوم کرنا ہوگا۔ چونکہ ایسے تعلق اور معاہدے کا کوئی وجود نہیں، لہذا معلوم ہوا کہ کاروبار بیمہ کا صرف ایک ہی پہلو ہے جو کہ صرف وہ تعلق ہے جو اس معاہدہ کی رو سے بیمہ کمپنی اور مخصوص بیمہ دار کے مابین قائم ہو جاتا ہے جب حقیقت حال اسی طرح ہے (جیسا کہ ہم کہتے ہیں) تو پھر فقہیہ پر یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اس کاروبار کے جواز یا عدم جواز کا حکم اس معاہدہ سے دونوں فریقوں کے مابین پیدا ہونے والے تعلق اور اس تعلق کی وجہ سے مرتب ہونے والے حقوق و فرائض کی بناء پر صادر کرے۔ اسلامی اجتہاد کے اصول و ضوابط میں فقہیہ کے لئے ایسی گنجائش کہیں بھی موجود نہیں کہ وہ ایسے خیالی تعلق پر اپنے حکم کی بنیاد رکھے جو معاہدہ بیمہ سے پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ اس قسم کے (خیالی) تعلق کو تسلیم کرنے سے فریقین کے مابین مرتب ہونے والے حقوق و فرائض کی پہچان مشکل ہو جاتی ہے جبکہ اس قسم کی پہچان اس طرح کے حکم کے لئے لازمی اور ضروری گردانی جاتی ہے۔

دوم: اگر ہم اس قسم کے تعلق کو تسلیم کر بھی لیں جو تمام بیمہ داران اور بیمہ کمپنی کے مابین پایا جاتا ہو، تب بھی ہم یہ ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ بیمہ کمپنی کے پاس جو سائنسی وسائل ہیں، جیسے امکانی حسابات، قانون کثرت اور ریاضی کے قواعد کہ ان کے ذریعے سے وہ ایک مقررہ مدت کے لئے اس رقم کا تعین کر سکتی ہے جو اس نے پالیسی ہولڈرز کو مجموعی طور پر ادا کرنا ہے، یا ان سے وصول

کرنا ہے، اور اس تعین کی بناء پر دھوکہ اور احتمال سے بچا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ بعض اوقات ایسے حادثات پیش آجاتے ہیں جن کی بیمہ کمپنی کو توقع نہیں ہوتی، جیسے جنگوں کا چھڑ جانا، سیلاب کا آجانا یا متعدی امراض کی وباء کا پھیل جانا، جن کی وجہ سے بیمہ کمپنیاں دیوالیہ ہو جاتی ہیں، جیسا کہ متعدد مرتبہ ایسا ہو چکا ہے۔

سوم: اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ کاروبار بیمہ میں معمولی نوعیت کا دھوکہ پایا جاتا ہے ان معاملات کی کثرت کی وجہ سے جو یہ کمپنی طے کرتی ہے، یا ان وسائل کی کثرت کی وجہ سے جو اسے امکانی حسابات کے لئے حاصل ہیں کہ جن کی وجہ سے اسے تمام بیمہ داران کو مجموعی طور پر جو کچھ دینا ہے یا ان سے جو کچھ وصول کرنا ہے، اس کا وہ پہلے سے تعین کر سکتی ہے تب بھی یہ کاروبار بیمہ کے جواز کے لئے بائیں طور کہ وہ دھوکہ سے خالی اور پاک ہو گیا ہے، کچھ بھی موثر نہیں۔ اس لئے کہ اس کے باوجود یہ کاروبار بیمہ دار کی مناسبت سے تو جوا اور شرط لگانے کے قواعد کے تحت اسی طرح باقی رہتا ہے جیسا کہ پہلے تھا۔ اس لئے کہ جن علمی وسائل نے بیمہ کمپنی کی طرف سے امکان اور دھوکہ کو ختم کر دیا تھا یا انہیں معمولی بنا دیا تھا، وہ وسائل بیمہ دار کو تو میسر نہیں ہیں۔ اور جب اس صورت میں وہ خود اس رقم کا تعین نہیں کر سکتا جو اس نے بیمہ کمپنی کو ادا کرنا ہے، یا اس سے وصول کرنا ہے تو گویا اس کے لئے تو کوئی فرق نہیں پڑتا ان علمی وسائل کی موجودگی سے لہذا اس کے حق میں یہ معاہدہ جوا اور شرط لگانا ہی رہا۔ اور معاوضہ والے معاملات میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر ایک جانب سے بھی دھوکہ موجود ہو تو ایسا معاملہ باطل ہو جاتا ہے، اور جب پالیسی ہولڈر پر اس صورت میں معاوضہ ادا کرنا حرام ٹھہرا تو کمپنی کے لئے اس کا لینا بھی حرام ہوا۔ اور جب کمپنی پر اس کا وصول کرنا حرام ٹھہرا، تو اس کے لئے اس کا خرچ کرنا بھی حرام ہوا، اس قاعدہ کے مطابق کہ جس چیز کا لینا حرام ہے، اس کا دینا بھی حرام ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب اس شبہ کے اٹھانے والے حضرات یہ بات تسلیم

کرتے ہیں کہ بیمہ کمپنی اور بیمہ دار کی مناسبت سے تو یہ کاروبار جو، شرط لگانا اور دھوکہ ہی ہے، تو پھر یہ بھی لازمی ہے کہ اس کے حق میں اس کا حکم بھی باقی رہے۔ اس بات کو تسلیم کر لے کے باوجود کہ بیمہ کمپنی کو جو علمی وسائل حاصل ہیں، امکانی حسابات کے لئے اور اس حساب کے لئے قانون کثرت کی وجہ سے وہ ایک مقررہ مدت کے لئے بیمہ داران کو مجموعی طور پر جو کچھ ادا کرے گی یا ان سے وصول کرے گی، اس کا وہ پہلے سے تعین کر سکتی ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کے وسائل بیمہ دار کو میسر نہیں ہوتے، لہذا وہ بیمہ کمپنی سے اپنے اصل تعلق کے حکم پر برقرار رہے گا، جس کی بناء پر ان محققین کے نزدیک بھی یہ کاروبار جو، شرط لگانا اور دھوکہ کہلاتا ہے۔

چوتھا شبہ: یہ دھوکہ معمولی نوعیت کا ہوتا ہے، اس

لئے کہ بیمہ کمپنی کو پہلے سے اس کی توقع ہوتی ہے اور یہ اتفاقی نہیں ہوتا۔

اول: اس شبہ کا بیان | کاروبار بیمہ کے جواز کے قائل حضرات میں سے بعض کا کہنا یہ ہے کہ بیمہ کمپنی کی نسبت سے کاروبار بیمہ میں جو دھوکہ پایا جاتا ہے، وہ معمولی نوعیت کا ہوتا ہے۔ لہذا وہ اس کاروبار کے لئے حرمت و ممانعت کا سبب نہیں بن سکتا۔ اس دھوکہ کے معمولی ہونے کے لئے ان لوگوں نے جس بات سے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے کہ بیمہ کمپنی کو اس دھوکہ کی پہلے سے توقع ہوتی ہے، لہذا وہ اس کا پہلے سے اندازہ لگا سکتی ہے اور اس کے حساب کو درست کر سکتی ہے۔ یہی وجہ

ہے کہ وہ پہلے سے اس طرح کے نقصان اور اس کے اثرات کے ازالے کے لئے اتنی رقم رکھ لیتی ہے جو اس کے لئے کافی ہو، لہذا یہ اچانک پیش آکر پریشان کرنے والا دھوکہ نہیں ہے (۹۶)۔

اس شبہ کے پیش کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی بنیاد اچانک پیش آنے والے دھوکہ اور متوقع دھوکہ کے مابین فرق اور امتیاز پر ہے کہ پہلے قسم کا دھوکہ شدید نوعیت کا ہے، جو ممانعت کا باعث بنتا ہے، بخلاف دوسرے قسم کے دھوکہ کے کہ وہ معاملہ کے درست ہونے پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

دوم: اس شبہ کا جواب | اس شبہ کے خلاف ہمارے جواب کی بنیاد دو صورتوں پر قائم ہے:

اول: یہ کہ شدید نوعیت کے دھوکہ اور معمولی قسم کے دھوکہ کے مابین فرق اور امتیاز کی بنیاد اس کے اچانک پیش آنے یا پہلے سے متوقع ہونے پر رکھنا ایک ایسا معاملہ ہے جس کے لئے نہ تو شریعت میں کوئی دلیل موجود ہے، نہ ہی مجتہدین کے اقوال سے یہ ثابت ہوتا ہے بلکہ اسلامی فقہ کے لئے تو یہ بات انتہائی انوکھی اور عجیب و غریب ہے۔ — معاوضات میں موثر شدید نوعیت کے دھوکہ کی — جیسا کہ ہم نے تعریفات بیان کی ہیں، اسی طرح اس معمولی دھوکہ کا کلیہ بھی بیان کیا ہے جو معاوضات میں قابل درگزر ہے، لیکن کسی ایک مجتہد نے بھی ان دونوں نوعیت کے دھوکہ جات میں اچانک پیش آنے یا پہلے سے متوقع ہونے کی بناء پر کوئی فرق روا نہیں رکھا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ فقہاء مالکیہ وغیرہم کے نزدیک مالی معاوضات میں جو دھوکہ قابل معافی و درگزر ہے،

اس کا کلیہ یہ ہے کہ وہ معمولی ہونڈیات خود غیر مقصود ہو اور اس کا ارتکاب ناگزیر ہو چکا ہو۔ لہذا جس دھوکہ میں یہ تینوں عناصر موجود ہوں گے وہ معمولی دھوکہ ہو گا اور معاوضاتِ مالیہ میں غیر موثر ہو گا، چاہے وہ اچانک ہی پیش آکر پریشانی کا باعث کیوں نہ ہو۔ اور جس دھوکہ میں یہ تینوں عناصر موجود نہ ہوں تو وہ شدید نوعیت کا دھوکہ ہو گا جس کی وجہ سے ایسا کاروبار ممنوع و حرام ہو جاتا ہے، اس میں چاہے لین دین کرنے والے کو اس دھوکہ کی پہلے سے توقع ہی کیوں نہ ہو اور اس نے اس کے لئے پہلے سے اندازہ لگا کر اس کے نقصانات سے بچنے کے لئے پیش بندی کے طور پر کچھ رقم مخصوص ہی کیوں نہ کر دی ہو۔ جو اٹھانے جو لوگ چلاتے ہیں انہیں بھی تو خطرات کی پہلے سے توقع ہوتی ہے جن کے لئے وہ پہلے سے منصوبہ بندی کرتے ہیں اور ان خطرات کی بنا پر پہنچنے والے متوقع خسارے کے نقصانات کی تلافی کے لئے پہلے سے اسی طرح اور انہی وسائل و ذرائع سے پیش بندی کرتے ہیں جو وسائل و ذرائع بیمہ کمپنیاں تخمینہ حسابات کے لئے اختیار کرتی ہیں۔ لیکن جو اور شرط بدنے کے جواز کا تو کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ پھر اگر لین دین کرنے والا جان بوجھ کر دھوکہ اور لاعلمی والے معاہدے میں صرف اس بنا پر شریک ہوتا ہے کہ اس نے اس کے لئے پیش بندی پہلے سے کر لی ہے اور اس سے پہنچنے والے نقصان کی تلافی کا اس نے بندوبست کر لیا ہے تب بھی ایسا معاہدہ شریعت کے مقاصد کے باسکل خلاف ہونے کی وجہ سے مکمل طور پر باطل اور غیر موثر ہو گا۔

دوم ۱۔ اگر ہم یہ فرض کر بھی لیں کہ بیمہ کمپنی کی جانب سے کاروبار بیمہ میں جو دھوکہ پایا جاتا ہے وہ معمولی نوعیت کا دھوکہ ہے، اس وجہ سے کہ کمپنی کو پہلے سے اس کی توقع ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ قبل از وقت اس کا اندازہ کر کے اس سے پہنچنے والے نقصانات کی تلافی اور اثرات کے ازالے کے لئے تیار ہی کر لیتی ہے ان امکانی حسابات کی مدد سے جو قانون کثرت اور ریاضی کے اصولوں کی صورت میں اسے حاصل ہیں۔ اگر اس بنا پر ہم کمپنی کے لئے یہ بات تسلیم کر بھی لیں تب بھی کاروبار بیمہ

میں شدید نوعیت کا دھوکہ پالیسی ہو لڈر کی جانب سے باقی رہتا ہے کہ اس کے لئے قانون کثرت اور امکانی حسابات کے لئے جدید سائنسی وسائل بیکار ہیں، یہی وجہ ہے کہ اُسے تو معاہدہ کرتے وقت کوئی علم نہیں ہوتا کہ اس نے کمپنی کو کتنا کچھ ادا کرنا ہے اور کیا کچھ وصول کرنا ہے جبکہ یہ بات تو مسلم ہے کہ جب معاوضہ والے معاملہ میں کسی ایک جانب بھی دھوکہ ہو تو وہ تمام فقہاء کے نزدیک اس معاملہ کو باطل کر دیتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات کہنے والے جب خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بیمہ کمپنی سے مخصوص بیمہ دار کا جو تعلق ہے اس کی وجہ سے یہ کاروبار جو ایسا ہے، کیونکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ اس نے کتنا ادا کرنا ہے اور کتنا وصول کرنا ہے، تو معلوم ہوا کہ بیمہ دار کی طرف سے اس کاروبار کے لئے یہ حکم قرار پھر بھی باقی رہے گا اگرچہ بیمہ کمپنی کے لئے یہ بات تسلیم کر لیں کہ اس کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ اچانک پیش آنے والے دھوکہ کے لئے پہلے سے اندازہ کر کے اس کے نقصانات کی تلافی کا بندوبست کر لے ان وسائل کی بناء پر جو اسے امکانی حسابات کے سلسلہ میں حاصل ہیں اور اس طرح اس کے حق میں دھوکہ کا ازالہ ہو جاتا ہے اور اس کے کم سے کم ہونے کے لئے یہ وسائل سبب بن جاتی ہیں۔ لیکن یہ بات بیمہ دار کے سلسلہ میں بیکار ہے۔ کیونکہ اس کو یہ وسائل میسر نہیں ہوتے۔ لہذا کمپنی کے حق میں دھوکہ کے ازالہ کے لئے جو سبب اور علت پائی جاتی ہے وہ بیمہ دار کے حق میں ثابت نہیں ہوتی۔ اور اصول یہ ہے کہ حکم کا وجود علت کے وجود کا رہین منت ہوتا ہے۔

پانچواں شبہ: کاروبار بیمہ میں بیمہ دار کی جانب سے بھی

کوئی دھوکہ نہیں پایا جاتا؛ اس لئے کہ وہ

اقساط کے بدلے میں تحفظ حاصل کرتا ہے؛

اول: اس شبہ کا بیان: جواز بیمہ کے قائل بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ

اس کاروبار میں بیمہ دار کی جانب سے بھی کوئی دھوکہ نہیں پایا جاتا۔ اس لئے کہ

امکان واحتمال اس کی جانب سے بھی رفع ہو جاتا ہے۔ اس کی وضاحت وہ کچھ یوں کرتے ہیں ۱ بیمہ میں معاوضہ قسطوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور یہ معاوضہ بیمہ دار کی طرف سے ادا کردہ قسط اور اسے محض معاہدہ ہی سے حاصل ہونے والے تحفظ کی درمیانی کڑی ہے اور اس میں جس خطرہ سے تحفظ دیا گیا ہے اس کا وقوع پذیر ہونا ضروری نہیں۔ اس صورت میں بیمہ دار بہر صورت معاوضہ حاصل کرتا ہے۔ کیونکہ یہ (تحفظ) ایک ایسا معاوضہ ہے جو معاہدہ طے کرتے وقت موجود ہے اور احتمالی چیز نہیں کہ جس کا دار و مدار اس خطرہ کے وقوع پذیر ہونے پر ہو جس سے تحفظ دیا گیا ہے اور مال خرچ کر کے تحفظ حاصل کرنے کے جواز کے لئے وہ کاروبار بیمہ کو اجرت پر نگرانی و نگاہ بانی کرنے پر قیاس کر کے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں متاثر اجرت ادا کر کے اس کے بدلے میں تحفظ حاصل کرتا ہے تو اسی طرح بیمہ دار بھی قسطیں ادا کر کے تحفظ حاصل کر لیتا ہے۔

پروفیسر مصطفیٰ الزرقا کہتے ہیں: "جس دھوکہ سے روکا گیا ہے وہ شدید ترین نوعیت کا دھوکہ ہے۔۔۔۔۔ کہ وہ کاروبار کو جو ابنا کر رکھ دیتا ہے باہر طور کہ اس میں ایک فریق کو نقصان پہنچ جاتا ہے اور دوسرے کو بغیر کسی معاوضے کے منافع مل جاتا ہے" پھر وہ مزید کہتے ہیں: "اور جب ہم اس معیار کو بیمہ کے نظام اور اس کے کاروبار پر منطبق کرتے ہیں تو ہمیں بہت بڑا فرق نظر آتا ہے۔ کیونکہ بیمہ دار کی طرف سے دیکھیں تو اس میں احتمال نہیں پایا جاتا۔ اس لئے کہ بیمہ میں حقیقی معاوضہ کا تعلق اقساط سے ہے کہ وہ بیمہ دار کی طرف سے ادا کردہ قسط اور اس قسط کے بدلے میں اسے حاصل ہونے والے تحفظ کی درمیانی کڑی ہے اور جس خطرہ سے تحفظ دیا گیا ہے اس کا وقوع پذیر ہونا اس کے لئے ضروری نہیں بلکہ یہ تحفظ تو صرف معاہدہ ہی سے اسے حاصل ہو جاتا ہے۔ لہذا اسے جو تحفظ حاصل ہو گیا ہے اور جو اطمینان میسر آ گیا ہے اس کی مناسبت سے اب خطرہ کبہ پیش آنے یا نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ

اگر خطرہ پیش نہ آیا تو اس کا مال اس کے حقوق اور مفادات محفوظ رہیں گے اور اگر خطرہ پیش آ ہی گیا تو معاوضہ کے ذریعے وہ پھر بھی محفوظ رہتے ہیں۔ لہذا معاہدہ بیمہ کے بعد خطرہ کا پیش آنا اور نہ آنا برابر ہیں۔ اور یہ نتیجہ ہے اس تحفظ اور اطمینان کا جو اسے تحفظ دینے والے نے معاہدہ کے تحت اقساط کے بدلے میں فراہم کیا ہے۔

پھر یہ و فیہ صاحب تحفظ کے حصول کے لئے مال خرچ کرنے پر استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں: ” ہم دیکھتے ہیں کہ بعض قدیم معاہدات کہ جن کے جواز پر تمام فقہی مذاہب متفق ہیں سے پتہ چلتا ہے کہ مال کے تحفظ اور اطمینان کے حصول کے لئے معاہدہ کے ذریعے مال خرچ کرنا جائز ہے جیسے چوکیداری کے لئے مستاجری کا معاہدہ کہ اس میں چوکیدار اگرچہ ایک کام کے لئے اجرت پر رکھا گیا ہے جو کہ چوکیداری ہے، لیکن بذات خود اس کام کا مقصد اجرت پر رکھنے والے کے مال کے تحفظ اور اس اطمینان کے سوا کچھ نہیں کہ اس کے مال کو کوئی دوسرا شخص یا حیوان نقصان نہیں پہنچائے گا۔ لہذا چوکیدار کی چوکیداری کا اس تحفظ کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں جس کو حاصل کرنے کے لئے مستاجر نے اپنا مال خرچ کیا ہے اور یہی حال کاروبار بیمہ کا ہے کہ اس میں بیمہ دار اپنے مال کا کچھ حصہ اس لئے خرچ کرتا ہے کہ وہ جن خطرات سے ڈرتا ہے ان سے اپنے مال کو تحفظ فراہم کر سکے۔“

دوم: اس شبہ کا جواب

یہ شبہ تو وجوہ کی بنا پر باطل ہے،

پہلی وجہ: ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ جس دھوکے سے روکا گیا ہے وہ صرف وہی ہے جو کاروبار کو جو بنا دیتا ہو کہ جس میں ایک فریق کو تو نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے اور دوسرے کو بغیر کسی عوض کے فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بھی اس دھوکے کی ایک قسم ہے جس سے شریعت نے روکا

ہے اور یہ ہے حصول شئی کے سلسلہ کا دھوکہ یعنی اصل معاوضہ کے حصول کا دھوکہ جبکہ یہ بات تو ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ جس دھوکہ سے روک دیا گیا ہے وہ جس طرح اصل معاوضہ کے حصول کے سلسلہ میں ہو سکتا ہے اسی طرح وہ اس کی مقدار اور اس کی میعاد ادائیگی کے سلسلہ میں بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ تمام کے تمام (اقسام دھوکہ) معاوضہ کے بطلان کے لئے بالاتفاق مؤثر ہیں۔ لہذا اگر ہم وقتی طور پر کاروبار بیمہ کو حصول کے دھوکہ سے پاک مان بھی لیں تب بھی ہم مقدار اور میعاد کے دھوکہ سے اسے خالی نہیں مانتے۔

دوسری وجہ: یہ کہنا کہ بیمہ میں بیمہ دار جو قسط ادا کرتا ہے اور اس کے بدلے میں جو تحفظ حاصل کرتا ہے معاوضہ ان دونوں کی درمیانی کڑی ہے اور اس کے لئے اس حادثہ کے پیش آنے کی ضرورت نہیں جس سے تحفظ دیا گیا ہے، لیکن یہ بات دو وجوہ کی بنا پر حقیقت حال کے بالکل برعکس ہے۔

اول: متن قانون اور معاہدہ کرنے والے دونوں فریقوں کے مقصد و ارادے سے حادثہ پیش آنے کی صورت میں بیمہ کمپنی کی طرف سے جس معاوضہ کی ادائیگی کے عہد کا پتہ چلتا ہے وہ بیمہ کی رقم ہے نہ کہ وہ تحفظ جس کا یہ دعویٰ کیا گیا ہے۔ اسی پر شارحین قانون کا اتفاق ہے اور اسی کے مطابق بیمہ کمپنیاں عمل کرتی ہیں۔

طرق اجتہاد کے مسلمہ قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ کسی کاروبار پر حلت یا حرمت کا حکم لگانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بنیاد اس کاروبار کی حقیقت اور اصل ہیئت پر ہو اور لین دین کرنے والوں کے ارادے اور اس کی بنا پر جو حقوق و فرائض مرتب ہوتے ہیں ان کی بنیاد پر حکم لگایا جائے نہ کہ ایسے فرضی امور پر اس کی بنیاد رکھی جائے جن کے لئے نہ تو قانون میں کہیں کوئی دلیل موجود ہے اور نہ ہی لین دین کرنے والوں کے ارادے میں وہ شامل ہیں۔

اگر فقیہ کوئی ایسی بات فرض کر لے جو لین دین کرنے والوں کے ارادے میں شامل ہی نہیں اور پھر اپنے اس مفروضے کی بنا پر حکم شرعی بیان کرے تو اس صورت میں ہوتا ہے کہ وہ ایک غیر موجود کاروبار پر حکم لگا کر یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ یہ حکم اس موجود کاروبار پر بھی لاگو ہوتا ہے۔

دوہ :- قانون کی دفعات میں جب یہ تصریح موجود ہے کہ تحفظ فراہم کرنے والے کی طرف سے رقم بیمہ کی ادائیگی کی ذمہ داری دراصل ایک احتمال اور امکانی شے ہے جو ثابت شدہ نہیں، اس لئے کہ اس ذمہ داری سے عہدہ برآہونے کا دارو مدار اس حادثہ کے پیش آنے پر ہے جس سے تحفظ دیا گیا ہے، اسی پر شارحین قانون کا اتفاق ہے اور اسی کے مطابق بیمہ کمپنیاں عملی طور پر بیمہ دار سے معاہدے طے کرتی ہیں، تو پھر کاروبار بیمہ کے لئے شرعی حکم کے طالب فقیہ کو بیمہ کمپنی کی ذمہ داری اور اس کے عہد کو ثابت شدہ فرض کر لینے اور اسے امکان و احتمال سے پاک تصور کر لینے کا حق کیسے پہنچتا ہے۔ یا کہنا کہ بیمہ دار کو معاہدہ کرتے ہی وہ (معاوضہ) حاصل ہو جاتا ہے اور وہ حادثہ پیش آنے پر موقوف نہیں ہوتا۔ یہ صرف اور صرف تصور خیال اور مفروضہ نہیں تو اور کیا ہے جو دفعات قانون، متن معاہدہ، اور لین دین کرنے والوں کے ارادے کے بھی خلاف ہے؟

تیسری وجہ: یہ کہنا کہ بیمہ کمپنی بیمہ دار کو اس کی قسطوں کے بدلے میں جو معاوضہ دیتی ہے وہ تحفظ اور اطمینان ہے جو اسے حاصل ہوتا ہے، تو یہ بات جادہ حق سے بالکل جدا اور الگ ہے۔ اس لئے کہ شرعی کلیات اور قانونی اصول مبادی میں یہ بات بالکل صراحت سے موجود ہے کہ جس عوض کے بدلے میں مال لینا جائز ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ یا تو مال ہو جو ایک شخص کی ذمہ داری سے نکل کر دوسرے کی ذمہ داری میں آجائے یا کوئی ایسا کام ہو جو ایک فریق دوسرے فریق کے فائدے کے لئے انجام دے، جیسے چوکیداری کرنا، تعمیراتی کام

کرنا، تعلیم دینا، جانور چرانا، مال کی نقل و حمل کرنا وغیرہ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ جس تحفظ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بیمہ کمپنی نے بیمہ دار کو فراہم کرنے کی ذمہ داری لی ہے وہ نہ تو مال ہے جو بیمہ کمپنی کی ذمہ داری سے نکل کر بیمہ دار کی ذمہ داری میں داخل ہو گیا ہے اور نہ ہی کوئی ایسا کام ہے جو بیمہ کمپنی نے بیمہ دار کے فائدے کے لئے انجام دیا ہے جیسے ان اموال کی چوکیداری جن کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے، یا خود بیمہ دار کی زندگی کے لئے کوئی طبی نگرانی وغیرہ۔ لہذا جب اس نے اپنی ذمہ داری سے نہ تو کسی مال کو خارج کیا ہے اور نہ ہی کوئی کام انجام دیا ہے تو یہ دوسرے فریق سے کسی قسم کے مالی معاوضے کا مستحق نہیں بنتا۔ اس لئے کہ اس نے خود کچھ بھی نقصان نہیں اٹھایا کہ جس کے بدلے وہ معاوضہ کا حق دار بن جائے۔

چوتھی وجہ: یہ کہنا کہ بیمہ کمپنی ہی بیمہ دار کو اس کی اقساط کے بدلے میں تحفظ اور اطمینان فراہم کرتی ہے، بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ تحفظ اور اطمینان اعتماد، آرزو اور امید کی طرح احساس اور شعور کا نام ہے جو کسی انسان کے بس میں نہیں کہ وہ دوسرے کو دے سکے۔ لہذا اس طرح کی کسی چیز کی ادائیگی کا عہد کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی ایسی چیز کو دینے کا عہد کرنا جسے پورا کرنا اور ادا کرنا عہد کرنے والے کی قدرت اور طاقت سے باہر ہو جو کہ بالاتفاق باطل ہے۔ جیسے اس بات پر معاہدہ کرنا کہ کوئی شخص دوسرے کو خوش قسمت بنا دے گا یا اسے اعتماد آرزو اور امید سے سرفراز کرے گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ بیمہ کمپنی تحفظ فراہم کرنے پر بائیں طور پر قیاد رہے کہ وہ اس کے سبب کو مہیا کرنے پر قدرت رکھتی ہے جو کہ بیمہ کی وہ رقم ہے جس کی ادائیگی کا وہ حادثہ پیش آنے کی صورت میں وعدہ کرتی ہے۔ تو ہمارا جواب یہ ہے کہ بے شک ہم اسے تسلیم کرتے ہیں لیکن اس صورت میں قسطوں کے بدلے میں جو معاوضہ ہے وہ مندرجہ سبب ہی ہے جو اس کی قدرت اور طاقت میں ہے

یعنی رقم بیمہ کی ادائیگی بصورتِ حادثہ۔

پانچویں وجہ ۱۔ یہ کہنا کہ بیمہ دار کو اس کی قسطوں کے بدلے میں جو معاوضہ ملتا ہے وہ بیمہ کمپنی کی طرف سے فراہم کردہ تحفظ ہی ہے اور بیمہ کمپنی کا یہ ذمہ داری لینا کہ وہ حادثہ پیش آنے کی صورت میں بیمہ کی رقم ادا کرے گی دراصل اسی تحفظ کا نتیجہ اور ثمرہ ہے، یہ بات دراصل حقائق کو الٹ کر دینے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ حقیقت میں بیمہ کمپنی نے جو ذمہ داری لی ہے وہ حادثہ پیش آنے پر بیمہ دار کی اقساط کے بدلے میں رقم بیمہ کی ادائیگی کی ہے۔ اور بیمہ کمپنی کی طرف سے یہی ذمہ داری جو اگرچہ ایک احتمالی اور امکانی چیز ہے بیمہ دار کو تحفظ دیتی ہے کہ وہ حادثہ پیش آنے سے خود کو محفوظ سمجھ کر مطمئن رہے اس بنا پر کہ اگر وہ حادثہ پیش آ ہی گیا تو بیمہ کمپنی اس کو اس کا بدلہ اور معاوضہ ادا کر دے گی۔ حقیقت یہی ہے کہ بیمہ کمپنی کی طرف سے اس کا یہ عہد کرنا کہ وہ حادثہ پیش آنے پر رقم بیمہ ادا کر دے گی تحفظ کے لئے سبب ہے اور یہ چیز تحفظ کا نتیجہ اور ثمرہ نہیں ہے۔ لہذا بیمہ کی رقم ہی اصل معاوضہ ہے اقساط کا، اور تحفظ اسی کا ثمرہ اور مقصود ہے۔

چھٹی وجہ ۲۔ کاروبار بیمہ کو چوکیداری کے معاہدے پر قیاس کرنا بایں طور کہ ہر دونوں میں تحفظ مال کے بدلے میں حاصل ہوتا ہے جو کہ چوکیداری کے معاہدے میں اجرت کی صورت میں اور کاروبار بیمہ میں اقساط کی صورت میں ہے۔ لیکن یہ قیاس دو اسباب کی بنا پر قیاس فاسد ہے۔

پہلا سبب ۱: چوکیداری کے معاہدے میں مستاجر نے جو مال خرچ کیا ہے وہ اس کام کے بدلے میں ہے جو چوکیدار انجام دیتا ہے نہ کہ اس تحفظ کے بدلے میں ہے جس سے مدت اجارہ کے دوران مستاجر سرشار رہتا ہے۔

پھر چوکیداری ایک ایسا کام ہے جس کی مالیت و قیمت ہے اور جسے

چوکیدار خرچ کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا اس مدت کے لئے خود کو چوکیداری کا پابند کر دینا اسے ایسی کمائی سے محروم کر دیتا ہے جسے وہ حاصل کر سکتا تھا۔ لہذا وہ اس کے لئے معاوضہ کا حق دار بن جاتا ہے۔

ہماری تائید درج ذیل تین باتوں سے بھی ہو جاتی ہے کہ یہاں پر اجرت معاوضہ ہے کام کا نہ کہ تحفظ کا۔

اول : اگر وہ مال جس کی نگرانی کی جا رہی ہے اس کے چوری ہو جانے یا تلف ہو جانے کی صورت میں تحفظ مفقود بھی ہو جائے تب بھی چوکیدار اس معاوضے اور اجرت کا حق دار رہتا ہے جس پر معاہدہ ہوا تھا۔ اس پر سب کا اجماع ہے اس لئے کہ اجرت کے بدلہ میں جو عوض ہے وہ چوکیداری ہے جو اس نے بغیر کسی کوتاہی کے انجام دی ہے۔

دوہرہ ۱۔ چوکیدار نے اگر چوکیداری کا کام انجام دیا ہے تو وہ اس کے لئے مقرر کردہ اجرت کا حقدار بن جاتا ہے چاہے متاجر یہ دعویٰ ہی کیوں نہ کرتا ہو کہ اس نے اس کی چوکیداری کی مدت میں کسی قسم کے تحفظ کو محسوس نہیں کیا۔ اس لئے کہ یہاں اجرت چوکیداری کے بدلے میں ہے نہ کہ تحفظ کے بدلے میں۔

سومرا۔ اگر چوکیدار اس طریقے سے چوکیداری نہیں کرتا جس طرح کہ طے پایا تھا تو پھر یہ اس اجرت کا حق دار نہیں رہتا جو اس چوکیداری کے بدلے میں مقرر ہوئی تھی۔ چاہے متاجر کے حق میں تحفظ پایا گیا ہو اور اس کا مال محفوظ ہی کیوں نہ رہا ہو۔ اس لئے کہ اجرت چوکیداری کے بدلے میں ہے جو اس نے انجام نہیں دی۔ اور تحفظ کے بدلے میں نہیں ہے۔ اس سے یہ بات حتمی طور پر ثابت ہو گئی ہے کہ اجرت کے استحقاق کی علت اور اس کا سبب کام ہے تحفظ نہیں لہذا مال کو اس کے بدلے میں خرچ نہیں کیا جاسکتا۔ اب اگر ہم اس کو ہمہ کنی پر لاگو کریں تو ہماری اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اسے معاہدہ چوکیداری پر

قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اس لئے کہ بیمہ کمپنی تحفظ فراہم کرنے کے لئے کوئی بھی ایسا کام انجام نہیں دیتی جیسا کہ چوکیدار کرتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نہیں! بیمہ کمپنی بھی ایک کام انجام دیتی ہے اور وہ کام اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ حادثہ پیش آنے کی صورت میں وہ رقم بیمہ کی ادائیگی کرے گی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں تو بیمہ دار کی طرف سے ادا کردہ اقساط کا معاوضہ یہی بیمہ کی رقم بنتی ہے جس کی ادائیگی کا بیمہ کمپنی نے ذمہ لیا ہے۔ معلوم ہوا کہ کاروبار بیمہ میں دو ذمہ داریاں باہم مقابل ہیں؛ ایک حادثہ کی صورت میں بیمہ کمپنی کی طرف سے رقم بیمہ کی ادائیگی کی ذمہ داری اور دوسری بیمہ دار کی طرف سے اقساط کی ادائیگی کی ذمہ داری۔ اب اگر بیمہ دار کی طرف سے اقساط کی رقم اس کی طرف کا معاوضہ ہے تو پھر یقیناً بیمہ کمپنی کی طرف سے بیمہ کی رقم ہی دوسری طرف کا معاوضہ ہے۔ رہا تحفظ تو وہ معاہدہ بیمہ سے بیمہ دار کو اس کے نتیجہ میں اوزا اس کے ثمرہ کے طور پر حاصل ہو جاتا ہے اور معاہدہ کا ثمرہ اور اس سے مقصود وہ معاوضہ نہیں جو مال کی صورت میں ہے بلکہ وہ تحفظ ہے جو اس معاہدہ کی صورت میں حاصل ہوتا ہے اور جو کہ اس کا سبب بنتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

دوسرا سبب :- اس اعتراض کے پیش کرنے والے حضرات اس قیاس کے بموجب یہ بات کیوں نہیں کہتے کہ اگر مدت معاہدہ کے اندر وہ مال ضائع ہو جائے جسے تحفظ دیا گیا ہے تو بیمہ کمپنی بیمہ دار کو کسی قسم کا کوئی معاوضہ ادا نہیں کرے گی اس لئے کہ اس مال کے ضائع ہونے میں کمپنی کا ہاتھ نہیں ہوتا، جیسا کہ چوکیدار کے معاملے میں ہوتا ہے کہ وہ جس مال کی نگرانی کرتا ہے اگر وہ ایسی صورت میں تلف ہو جائے تو وہ ذمہ دار نہیں بنتا۔ کیونکہ جس معاوضہ کے خرچ کرنے کا دونوں نے عہد کیا ہے وہ تحفظ ہی ہے جسے یہاں پاس نے معاہدہ کے وقت ہی سے پوری طرح انجام دیا ہے۔ اس اعتراض کو اٹھانے والوں کے نزدیک بیمہ کمپنی کی مناسبت سے

اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ بقول ان کے بیمہ دار کو معاہدہ کے وقت ہی سے بیمہ کمپنی کی طرف سے تحفظ حاصل ہو جاتا ہے اور اس کا دار و مدار حادثہ پیش آنے پر نہیں۔ اور اس میں بھی ان کا کوئی اختلاف نہیں کہ بیمہ کمپنی حادثہ پیش آنے کا ذریعہ اور سبب بھی نہیں بنتی، لیکن اس کے باوجود وہ قیاس کی رو سے یہ بات نہیں مانتے۔ بلکہ بیمہ کمپنی کو بیمہ دار کے مال کو حادثہ کی صورت میں پہنچنے والے نقصان کی تلافی کا ذمہ دار گردانتے ہیں حالانکہ کمپنی اس حادثہ کا ذمہ دار نہیں ہوتی جبکہ اس نے معاہدہ کے وقت سے اپنی ذمہ داری بھی پوری کر دی ہوتی ہے جو (بقول ان کے) بیمہ دار کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔

ساتویں وجہ :- اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ بیمہ کی اقساط کے بدلے میں جو معاوضہ ہے وہ تحفظ ہی ہے اور یہ کہ یہ تحفظ بیمہ دار کو دونوں صورتوں میں ملتا ہے یعنی حادثہ پیش آنے کی صورت میں بھی اور حادثہ کے نہ پیش آنے کی صورت میں بھی، تب بھی اس سے دھوکہ اور احتمال کا ازالہ لازم نہیں آتا بلکہ اس میں احتمال برقرار رہتا ہے اور دھوکہ موجود اور باقی رہتا ہے۔ اس لئے کہ اس سے تو زیادہ سے زیادہ یہی فائدہ ہوتا ہے کہ بیمہ دار کو معاہدہ طے کرتے وقت یہ علم ہوتا ہے کہ اس سے دونوں صورتوں میں جو چیز حاصل ہوگی اس کی مقدار کیا ہوگی، اس لئے کہ دونوں صورتوں میں اسے تحفظ حاصل ہوتا ہے، حادثہ پیش نہ آنے کی صورت میں اسے یہ تحفظ اس طرح حاصل ہے کہ اس کا مال اور اس کے حقوق و مفادات خود بخود محفوظ رہتے ہیں اور اگر حادثہ پیش آ گیا تو رقم بیمہ کی صورت میں اسے یہ تحفظ حاصل رہتا ہے۔ البتہ بیمہ دار کو معاہدہ طے کرتے وقت اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ وہ اس تحفظ کے لئے جو معاوضہ ادا کرے گا اس کی مقدار کیا ہوگی۔ اس لئے کہ اس مقدار کے معلوم ہونے کا دار و مدار حادثہ کے پیش آنے یا نہ آنے پر ہے۔ کیونکہ حادثہ کے پیش آنے کی صورت میں اسے تحفظ کے حصول کے سلسلہ میں جو کچھ خرچ کرنا پڑے گا اس کی مقدار تھوڑی ہوگی جبکہ حادثہ نہ پیش آنے کی صورت میں اسے اسی تحفظ

کے لئے زیادہ رقم خرچ کرنا پڑے گی۔ وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات تو ایک ہی قسط کی ادائیگی کے بعد وہ حادثہ پیش آجاتا ہے جس سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے اور اس طرح اس کی وجہ سے مال کو یا حقوق و مفادات کو جو نقصان پہنچا ہے بیمہ کی رقم اس کی تلافی کر دیتی ہے حالانکہ بیمہ دار نے اس تحفظ کے لئے بہت ہی کم رقم خرچ کی ہے۔ اور اگر وہ حادثہ سرے سے پیش ہی نہیں آیا تو اس صورت میں وہ اس تحفظ کے لئے جملہ اقساط ادا کرتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چاہے بیمہ دار کو یہ معلوم ہی کیوں نہ ہو جائے کہ وہ حادثہ پیش آنے یا نہ آنے کی صورت میں بیمہ کمپنی سے جو کچھ حاصل کرے گا اس کی مقدار کیا ہوگی اور یہ کہ جو چیز اسے حاصل ہوگی وہ دونوں صورتوں میں تحفظ ہی ہے، لیکن اس کے باوجود اسے معاہدہ طے کرتے وقت یہ علم نہیں ہوتا کہ اس نے اس تحفظ کے بدلے میں کیا کچھ ادا کرنا ہے اور یہ چیز مقدار کے سلسلہ کا دھوکہ کھاتا ہے جو تمام ائمہ اجتہاد کے نزدیک بالاتفاق معاہدہ کو باطل اور ناسدہ کر دیتا ہے۔

ان محققین میں سے بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ چونکہ بیمہ دار کو ہر قسط کی مقدار کا علم ہوتا ہے لہذا اس کی بناء پر دھوکہ اور احتمال ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ تحفظ کا عوض صرف ایک قسط نہیں بلکہ متعدد اقساط ہیں، لہذا اگر بیمہ دار کو معاہدہ کرتے وقت قسط کی مقدار کا علم ہو بھی تب بھی اسے یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ اس تحفظ کے بدلے میں کتنی قسطیں ادا کرے گا۔ اس لئے کہ اس کا جاننا موقوف ہوتا ہے حادثہ کے پیش آنے یا نہ آنے پر۔

آٹھویں وجہ ۱۔ یہ کہنا کہ معاوضہ تو بیمہ دار کی طرف سے ادا کر دہ قسط اور بیمہ کمپنی کی طرف سے مہیا کردہ تحفظ کے ساتھ ہی مکمل ہو جاتا ہے اور یہ کہ جب بیمہ دار کو یہ تحفظ حاصل ہو جاتا ہے تو پھر اس کے لئے حادثہ کا پیش آنا یا نہ آنا برابر ہے، نہ صرف خیال محض اور تصور موهوم ہے بلکہ یہ تو اس حقیقت

کے برعکس ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ افراد کے بیمہ کی صورت میں بیمہ دار کے لئے رقم بیمہ کے حصول کا دار و مدار جس حادثہ پر ہوتا ہے وہ تو بعض اوقات پسندیدہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ حادثہ بیمہ دار کو رقم بیمہ کے حصول کا حقدار بنا دیتا ہے اور اس کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہوتا کہ یہ رقم اس حادثہ کی بنا پر پہنچنے والے نقصان کی تلافی کے لئے ہی ہو۔ اس لئے کہ یہ تو ایک خوش کن حادثہ ہوتا ہے اور اس حادثہ کا پیش نہ آنا غیر پسندیدہ ہوتا ہے کیونکہ اس کے پیش نہ آنے سے بیمہ دار کی وہ قسطیں ضائع ہو جاتی ہیں جو اس نے رقم بیمہ کے حصول کے لئے ادا کی ہیں۔ لہذا جب اصل حقیقت یہی ہے تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ حادثہ کا پیش نہ آنا بیمہ دار کے مفاد میں ہوتا ہے کہ اس طرح اس کا مال اور اس کے حقوق و مفادات محفوظ رہتے ہیں۔ بلکہ حقیقت میں اس کا مال اور اس کے حقوق و مفادات تو حادثہ پیش آنے پر بھی محفوظ رہتے ہیں۔ لہذا اموال اور حقوق و مفادات کے اعتبار سے تو حادثہ کا پیش آنا اور نہ آنا دونوں برابر ہیں۔ لیکن خود بیمہ دار کے اعتبار سے دونوں صورتیں برابر نہیں۔ اس لئے کہ حادثہ کا پیش آنا اس کے لئے اس رقم بیمہ کے حصول کا ذریعہ بن جاتا ہے جس کے لئے اس نے قسطیں ادا کی ہیں اور جس کے حصول کی اسے خواہش رہی ہے جیکہ حادثہ کا نہ پیش آنا اس کے لئے رقم بیمہ سے محرومی اور اقساط کے ضیاع کا سبب بن جاتا ہے۔ لہذا (کاروبار بیمہ کی) اس درست تصویر سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ حادثہ کا پیش آنا اور نہ آنا دونوں برابر نہیں اور یہ کہنا بھی درست نہیں کہ ان صورتوں میں بیمہ دار کو معاوضہ اس تحفظ کی شکل میں حاصل ہوتا ہے جو اس حادثہ کے نہ پیش آنے کے لئے اسے فراہم کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ حادثہ تو اس کے برعکس ہے یعنی کبھی اس کا پیش آنا ہی مرغوب اور پسندیدہ ہوتا ہے۔ حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ وہ بعض نتائج ہیں جو بیمہ کمپنیوں کی طرف سے افراد کے ساتھ معاہدات بیمہ کے لئے حکم شرعی بیان کرنے کے سلسلہ میں تصورات و خیالات میں الجھنے سے پیدا ہوئے ہیں۔

شارحین قانون کی اس صراحت کے بعد کہ افراد کے بیمہ کا اصل مقصد تو بچت کرنا اور بنیادی سرمایہ کا حصول ہے، اس بات کا کھوکھلا پن بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ بیمہ دار کو عوض کے طور پر بیمہ کمپنی جو کچھ دیتی ہے وہ تحفظ ہے اور اس تحفظ کے حصول کے بعد بیمہ دار کے لئے حادثہ کا پیش آنا اور نہ آنا برابر ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں بیمہ دار کسی خطرے سے تحفظ نہیں چاہتا کہ اس سے دوچار ہونے کی صورت میں خود اسے یا اس کے مال کو نقصان پہنچے گا لہذا اس کی تلافی کے لئے وہ بیمہ کی رقم حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس کا مقصد یہی ہوتا تو پھر اسے بیمہ کی اتنی ہی رقم وصول کرنی چاہیے جتنا کہ اسے نقصان پہنچا ہے نہ کہ زیادہ۔ جیسا کہ اشیاء کے بیمہ کی صورت میں ہوتا ہے اور اس صورت میں بیمہ سے بچت اور بنیادی سرمایہ کا حصول مقصود نہ ہوتا۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ بیمہ دار رقم بیمہ کے حصول کا دار و مدار کسی احتمالی حادثہ پر رکھتا ہے کہ اگر وہ حادثہ پیش آ گیا تو اسے بیمہ کی رقم مل جائے گی جو کہ اس کے ادا کئے ہوئے اقساط کی رقم سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اور اگر حادثہ پیش نہ آیا تو اس کی قسطیں ضائع چلی جائیں گی بغیر اس کے کہ وہ کسی چیز سے محفوظ ہو یا کسی چیز پر مطمئن ہو اس لئے کہ یہاں ایسی کوئی چیز ہے ہی نہیں جو اس کے لئے باعث خوف و ہراس ہو اور جس کی وجہ سے وہ قسطیں ادا کرتا ہوتا کہ اس سلسلہ میں اسے جو تحفظ فراہم کیا جاتا ہے اس کے حصول کے بعد وہ اس حادثہ کے پیش آنے کی طرف سے مطمئن ہو جائے۔

نویں وجہ ۱۔ اگر تحفظ ہی وہ معاوضہ ہوتا جس کا بیمہ کمپنی بیمہ دار کو اس سے وصول کردہ اقساط کے بدلے میں فراہم کرنے کا عہد کرتی ہے تو اس صورت میں جبکہ بیمہ شدہ مال پورا کا پورا ضائع ہو جائے اس حادثہ کے پیش آنے کی وجہ سے جس سے تحفظ دیا گیا ہے، بیمہ کمپنی کے لئے اپنی ذمہ داری کو نبھانا ناممکن ہو جاتا۔ اور ایسا معاہدہ جس کے تحت عائد شدہ ذمہ داری پوری کرنا اگر ناممکن

ہو تو تمام شارحین قانون اور فقہاء کے نزدیک وہ نسخ ہو جاتا ہے۔ اور اس نسخ کی بنا پر بیمہ کمپنی آئندہ قسطیں وصول کرنے کا حق دار نہیں رہتی۔ اسی طرح بیمہ شدہ مال کے ضائع ہونے پر بیمہ دار کو معاوضہ کی ادائیگی کی ذمہ داری بھی اس پر نہیں ہے۔ کیونکہ جس حادثہ سے بیمہ دار کا بیمہ شدہ مال ضائع ہو گیا ہے اس حادثہ کے پیش آنے کی وجہ سے تحفظ کے زائل ہونے میں بیمہ کمپنی کا کوئی ہاتھ نہیں۔ جبکہ بیمہ کمپنی نے اپنی اس ذمہ داری کو نبھانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی جو معاہدہ کے رو سے اس پر لازم ہے اور ایسے حادثہ کی وجہ سے بیمہ دار کے لئے معاوضہ کی ادائیگی کا بیمہ کمپنی کو ذمہ دار ٹھہرانے کے لئے نہ توفیقہ میں کوئی دلیل موجود ہے اور نہ قانون میں۔ اس لئے کہ کمپنی کی ذمہ داری تو صرف تحفظ فراہم کرنا ہے جو اس نے معاہدہ کے تحت بیمہ دار کو فراہم کر دیا ہے اور حادثہ کی وجہ سے اس تحفظ کے اٹھ جانے کے سلسلہ میں بیمہ کمپنی کا کوئی قصور نہیں ہے جس کی وجہ سے ہم اس پر معاوضہ کی ادائیگی کو ضروری قرار دیں۔

چھٹا شبہ: چونکہ بیمہ دار خود ہی دھوکہ پر رضامند ہے لہذا کاروبار بیمہ میں دھوکہ نہیں ہے۔

اول۔ اس شبہ کا بیان کاروبار بیمہ کے جواز کے قائل بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس کاروبار میں بیمہ دار کی جانب سے دھوکہ نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے بیمہ کا یہ کاروبار حادثہ سے دو چار ہونے کی صورت میں تو خالص منافع ہی ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں وہ اپنی ادا کردہ اقساط سے زیادہ رقم بیمہ کمپنی سے وصول کرے گا۔ لیکن اگر پالیسی کی مدت کے دوران حادثہ پیش نہیں آیا تو اس صورت میں وہ جو اقساط اپنی خوشی اور رضامند سے ادا کرتا ہے اور جن کی مقدار کا بھی اسے علم ہوتا ہے، ان کے بدلے میں اسے تحفظ حاصل رہتا ہے

اور وہ پالیسی کی پوری مدت کے دوران تحفظ اور اطمینان سے سرشار رہتا ہے۔
اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کے ساتھ نہ تو غبن لاحق ہو سکتا ہے اور نہ ہی
دھوکہ (۹۹)۔

دوہ: اس شبہ کا جواب:

اس شبہ کے لئے ہمارے پاس تین جوابات ہیں:
پہلا جواب: یہ کہنا کہ بیمہ کی اقساط کے بدلے میں معاوضہ کے طور
پر بیمہ دار جو کچھ حاصل کرتا ہے وہ تحفظ ہے، یہ نہ صرف تصور محض اور خیال ہو ہومہ
سے زیادہ کچھ نہیں جو معاہدہ کرنے والوں کے ارادے کے بھی متنافی ہے،
بلکہ یہ ایک غیر تسلیم شدہ بات بھی ہے اس لئے کہ تحفظ ایسا مال نہیں جو بیمہ کمپنی
کی ذمہ داری سے نکل کر بیمہ دار کی ذمہ داری میں آگیا ہو اور اس طرح اس کے
ایجابی عناصر میں اضافہ کا سبب بنا ہو۔ اور نہ ہی یہ کوئی ایسا کام ہے جو بیمہ دار کے
فائدے کے لئے بیمہ کمپنی انجام دیتی ہے جیسے چوکیداری کرنا۔ بلکہ یہ تو صرف
ایک طرح کے احساس اور شعور کا نام ہے جس کا نہ بیمہ کمپنی مالک ہے اور نہ
وہ اسے بیمہ دار کے دل و دماغ میں پیدا کر سکتی ہے۔ اس پر ہم پہلے ہی بہت
گفتگو کر چکے ہیں۔

دوسرا جواب: کاروبار بیمہ میں سے دھوکہ کے عدم وجود پر

اس بات سے استدلال کرنا کہ بیمہ دار حادثہ پیش آنے کی صورت میں اس رقم
سے زیادہ وصول کر لیتا ہے جتنا اس نے ادا کیا ہے، اور حادثہ نہ پیش
آننے کی صورت میں ان اقساط کے بدلے میں تحفظ حاصل کرتا ہے، کاروبار بیمہ
میں تحفظ کو مالی معاوضہ تسلیم کرنے اور اسے ان اقساط کے بدلے میں اور ان
کے برابر مان لینے کے باوجود یہ ایک ایسا استدلال ہے جس سے وہ چیز جس
کے لئے یہ استدلال کیا جا رہا ہے اس کا مخالف اور ضد تو ثابت ہو جاتا ہے

لیکن وہ خود ثابت نہیں ہر پاتا۔ کیونکہ خود اس قتل کے بموجب بیمہ دار کو معاہدہ طے کرتے وقت یہ علم نہیں ہوتا کہ آیا وہ جو کچھ ادا کرتا ہے اس سے زیادہ وصول کرے گا یا اتنا ہی وصول کرے گا جو اس نے ادا کیا ہے، اور جو نقصان کے پہنچنے سے تحفظ کی صورت میں اسے پہلے ہی حاصل ہے۔ اس لئے کہ اس کے جاننے کا دار و مدار حادثہ کے پیش آنے یا نہ آنے پر ہے۔ کیونکہ حادثہ پیش آنے کی صورت میں وہ اپنی ادا کردہ رقم سے زیادہ رقم وصول کرے گا اور حادثہ نہ پیش آنے کی صورت میں اتنا ہی وصول کرے گا جتنا کہ اس نے ادا کیا ہے اس لئے کہ ہم نے برائے مناقشہ (تھوڑی دیر کے لئے) یہ فرض کر لیا ہے کہ تحفظ، اقساط کا بدلہ ہے اور اس کے برابر ہوتا ہے) اور یہی چیز دھوکہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں: اگر تو حادثہ اس وقت پیش آیا کہ ابھی بیمہ دار نے ایک ہی قسط ادا کی تھی تو وہ بیمہ کی رقم حاصل کرے گا جو کہ یقیناً قسط کی رقم سے بہت زیادہ ہوتی ہے اور اگر حادثہ پیش نہ آیا تو اس نے گویا تمام قسطیں اس تحفظ کے لئے ادا کی ہیں جو اس نے اپنے مال اور حقوق و مفادات کے لئے حاصل کیا ہے۔ تو تحفظ اسے دونوں صورتوں میں حاصل ہے، حادثہ نہ پیش آنے کی صورت میں بھی کہ اس کا مال اور دیگر حقوق و مفادات محفوظ رہتے ہیں اور حادثہ پیش آجانے کی صورت میں بھی کہ بیمہ کی رقم سے اس کا مال اور اس کے حقوق و مفادات کا تحفظ ہو جاتا ہے۔ البتہ اس تحفظ کی قیمت یعنی جو اس کا معاوضہ ہے وہ دونوں صورتوں میں ایک جیسا نہیں ہے، بلکہ اس کی قیمت حادثہ پیش نہ آنے کی صورت میں زیادہ ہوتی ہے حادثہ پیش آنے کی صورت کے مقابلے میں اس لئے کہ بیمہ دار حادثہ پیش نہ آنے کی صورت میں اس تحفظ کے بدلے میں تمام قسطیں ادا کرتا ہے، اور حادثہ پیش آنے کی صورت میں صرف ایک یا ایک سے زائد قسطیں ادا کرتا ہے، تو اس معاوضہ کی مقدار معاہدہ طے کرتے وقت غیر متعین اور غیر معلوم ہوتی ہے۔ اور یہی مقدار

کا دھوکہ کہلاتا ہے جو معاوضہ کو حصول کے دھوکہ کی طرح باطل کر دیتا ہے۔

تیسرا جواب :- ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ غبن، عزریعی دھوکہ، رضامندی، خوشی اور اختیار وغیرہ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ تمام مجتہدین کے نزدیک مسلمہ اصول میں سے ایک اصل یہ بھی ہے کہ معاوضہ میں موجود دھوکہ پر رضامندی بھی اسے درست نہیں بنا سکتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جوئے، شرط بندی، رحم مادر میں موجود حمل کو خریدنے اور شکاری کے جال پھینکنے اور اس میں پھنسنے والے جانور کو خریدنے کی صورتوں میں خریدار اس معاوضہ پر راضی ہوتا ہے اور خوشی سے اس دھوکہ اور جہالت یعنی لاعلمی کو پسند کرتا ہے۔ اس کے باوجود یہ تمام معاوضات بالاجماع باطل ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ معاوضہ کے درست ہونے کا دار و مدار دو باتوں پر ہے: ایک معاوضہ پر رضامندی کا ہونا دوسرے اس کا دھوکہ اور لاعلمی سے پاک ہونا۔ لہذا اگر ایسے معاملہ میں سے ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی صفت موجود نہ ہو تو یہ معاملہ باطل ہو جاتا ہے چاہے دوسری صفت موجود ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے پہلے ہم واضح کر چکے ہیں کہ رضامندی کے درست ہونے کے لئے خود اس چیز کا معلوم ہونا شرط کی حیثیت رکھتا ہے جو محل عقد و معاملہ ہے۔ اور یہ کہ جس چیز کو رضامند ہونے والا جانتا ہی نہیں اس کے بارے میں رضامندی کا تصور تک ناممکن ہے۔ لہذا جو رضامندی دھوکہ، لاعلمی اور غبن کے باوجود پائی جائے وہ شریعت کی نظر میں قابل اعتماد رضامندی نہیں ہے چاہے ظاہراً ہم اسے رضامندی کیوں نہ کہتے رہیں۔

دوسرا باب

جوئے اور شرط لگانے کی دلیل پر لگائے جانے والے اعتراضات

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ بیمہ کمپنیاں جو کاروبار بیمہ کرتی ہیں اس کے حرام ہونے کے لئے دوسری دلیل اس کاروبار کا جوئے اور شرط لگانے پر مشتمل ہونا ہے۔ اور جب جوئے اور شرط لگانا تمام فقہاء کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے تو بیمہ کے کاروبار کا بھی یہی حکم ہے۔

چونکہ اس دلیل کا پہلا حصہ یعنی جوئے اور شرط لگانا تمام فقہاء کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے لہذا ہم نے اس کے لئے کسی قسم کے دلائل بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی البتہ اس دلیل کا دوسرا حصہ کہ کاروبار بیمہ جوئے اور شرط لگانے پر مشتمل ہے اسے ہم نے دو طرح سے ثابت کیا ہے:

اول: یہ کاروبار بیمہ جوئے اور شرط لگانے کی تعریفات کے تحت آتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان سب کی حقیقت و ماہیت ایک ہی ہے۔

دوہرا: کاروبار بیمہ میں جوئے اور شرط لگانے کی صفات و خصوصیات حقیقیہ بکثرت پائی جاتی ہیں۔

اس کاروبار کے جواز کے قائل حضرات نے اس دلیل کے دوسرے حصہ پر اعتراض کیا ہے۔ یعنی اس کاروبار کو جوئے اور شرط لگانے کے ذیل میں شامل کرنے پر۔ اس سلسلہ میں انہوں نے متعدد شبہات پیش کئے ہیں جن کی بنیاد

ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ کاروبار ہمہ اور جوئے و شرط لگانے کے درمیان ایک مؤثر فرق موجود ہے۔ اب ہم اس شبہ اور پھر اس کا جواب بیان کریں گے۔

پہلا شبہ :-

اول : اس شبہ کا بیان

اس شبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ شرط بدنا اور جو اقساموں سے کھیلنے کا نام ہے جس سے نہ صرف کھیلنے والوں کا وقت ضائع ہوتا ہے بلکہ یہ خود کھیلنے والے کی صلاحیتوں کا بھی قاتل ہے (۱۰۰)

دوہر : اس شبہ کا جواب :-

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ کھیل کو دور وقت کا ضائع ہونا اس حکم کے لئے مؤثر صفت نہیں ہے۔ لہذا شریعت نے جوئے اور شرط بدنے سے جو منع کیا ہے اور انہیں حرام ٹھہرایا ہے تو اس لئے نہیں کہ یہ بیکار کھیل کو دہیں اور ان سے وقت ضائع ہوتا ہے۔ بلکہ یہ سب کی سب وجوہ حکم مانعت ہیں۔ جبکہ اس کی حرمت کا سبب اور علت یہ ہے کہ جو کھیلنے والے دونوں فریق یا شرط لگانے والی دونوں پارٹیاں شرط لگاتے یا جو کھیلنے وقت یہ نہیں جانتے کہ ان میں سے ہر ایک کو کتنا کچھ ادا کرنا ہے یا کتنا کچھ انہیں وصول ہوگا۔ اس لئے کہ اس کا دار و مدار تو ایک احتمالی واقعہ ہے۔ لہذا اس کا نتیجہ ایک شخص کے نقصان اور دوسرے کے فائدے کی صورت میں نکلتا ہے۔

جوئے اور شرط لگانے کے حرام ہونے کے لئے کھیل کو دور وقت کے ضیاع کے بجائے احتمال اور دھوکہ کے علت ہونے کی تائید درج ذیل دو باتوں سے بھی ہوتی ہے۔

اول :- مجتہد حضرات کاروبار کی بعض صورتوں کو جو اور شرط لگانا کہہ کر حرام قرار دیتے ہیں

ان میں کھیل کر یا وقت کے منابع کی سورت کہیں نہیں پائی جاتی بلکہ ان کو اس لئے حرام ٹھہراتے ہیں کہ ان میں ایک فریق کے لئے منافع اور دوسرے فریق کے لئے نقصان کا احتمال اور امکان ہوتا ہے۔ یعنی ان کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں دعوہ اور احتمال پایا جاتا ہے۔ اگر کھیل کو اور وقت کا ضیاع ہی علت ہوتے یا جزو علت تو پھر ایسے معاملات کے باطل ہونے کا وہ حکم صادر نہ کرتے اور نہ ہی اس بطلان کی علت دیا جوتے اور شرط لگانا اثر دیتے۔ لیجئے آپ نذران کی عبارت میں ملاحظہ کریں:-

علاء ابن عابدین کہتے ہیں: "اور الفتح میں لکھا ہے کہ زرخ کی بنیاد پر خرید و فروخت کرنا ناسا ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں لاعلمی اور بے خبری اصل لین دین میں داخل ہو گیا ہے۔ کیونکہ زرخ کی وجہ سے اصل قیمت مجہول ہے لہذا یہ اس احتمال کی وجہ سے کہ زرخ گر بھی سکتا ہے اور چڑھ بھی سکتا ہے جوٹے کی طرح ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر اسی مجلس میں کسی دوسرے لین دین کی بنیاد پر اس کا زرخ متعین اور معلوم ہو جائے تو پھر اس کا جواز ہے اور لین دین کی یہ شکل معمول و مروج کہلائے گی جیسا کہ حلوانی نے ذکر کیا ہے (۱۰۱)۔"

وہ بیوع فاسد کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اور غوطہ لگانے (کو خریدنا) یا چھوکر، پھینک کر یا پتھر پھینک کر خرید و فروخت کرنے کی صورتیں ہیں اور ان کے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں بے خبری پائی جاتی ہے اور ملکیت کا احتمال اور امکان کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ (میں پتھر پھینکتا ہوں) میرا پتھر جس کپڑے کو جا کر لگا وہ میں نے اتنی رقم میں تجھ سے خرید لیا یا تجھے بیچ دیا یا میں نے جس کپڑے کو چھو لیا یا پھینک دیا۔۔۔۔۔ اور یہ دور جاہلیت کے کاروبار ہیں۔ لہذا یہ جوا ہوں گے کیونکہ ان میں ملکیت کو ان افعال میں سے کسی ایک پر معلق رکھا جاتا ہے (۱۰۲)۔"

فتح الباری میں دور جاہلیت کے لین دین میں سے چھوکر یا پھینک کر

خرید و فروخت کی صورتوں کو بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ "یہ سب کے سب جوئے کی شکلیں ہیں۔" (۱۰۳۴)

ابن رشد کہتے ہیں: "کنکر پھینک کر خرید و فروخت کی صورت یہ ہو کرتی تھی کہ خریدار یہ کہتا کہ میں یہ کنکر پھینکتا ہوں جس کپڑے پر بھی جا کر گرے وہ میرا ہوگا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ لوگ یوں کہتے کہ اگر یہ پتھر میرے ہاتھ سے گر جائے تو سمجھ لو کہ معاہدہ ہو گیا۔ اسی کو جو کہا جاتا ہے "پھر وہ دور جاہلیت کے دیگر معاملات جیسے ملاسہ (چھو کر خرید و فروخت کرنا) مابذہ (پھینک کر خرید و فروخت کرنا) اور مضامین و ملاحیح کی صورتوں کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں: "یہ سب کے سب دور جاہلیت کے کاروبار ہیں جن کے حرام ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ اور یہ ان وجوہ کی بنا پر حرام ہیں جو ہم نے بیان کی ہیں یعنی جو اور میعاد کے بارے میں لاعلمی۔" (۱۰۳۴)

الفروع میں لکھا ہے: "ہمارے شیخ نے بیع الصفۃ اور بیع السلم کو جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ قیمت پر فوری قبضہ ہو اور دوسری طرف سامان بھی فروخت کرنے والے کے قبضہ اور ملکیت میں موجود ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکیم بن حزام سے یہ جو کہا تھا کہ "جو تیرے قبضہ میں نہیں ہے اسے فروخت مت کیا کر، سے یہی مراد ہے۔ اور اگر بیع السلم قیمت پر فوری قبضہ کی صورت میں بھی جائز نہ ہوتا تو آپ فرماتے: تو اس طرح فروخت نہ کیا کر چاہے مال اس کے پاس موجود ہوتا یا نہ ہوتا۔ اصل مال اس کے پاس نہ ہونے کے باوجود وہ یہ کاروبار اس لئے کرتا ہے تاکہ تجارت کر کے وہ منافع حاصل کر سکے۔ کیونکہ اس طرح وہ ایک ایسے نسخ پر اسے فروخت کرے گا جو زیادہ ہو گا جبکہ خود جا کر سستا خریدے گا۔ دوسری طرف چونکہ اس کا فوری قبضہ دینا بھی اس کی ذمہ داری ہوتی ہے جو کبھی تو اس کے بس میں ہوتا ہے اور کبھی اس کا قبضہ دلانا اس کی قدرت سے باہر ہوتا ہے۔ اسی طرح کبھی تو اسے وہ سامان اس قیمت سے زیادہ ادا کر کے خریدنا پڑتا ہے جو

اس نے خود وصول کی ہے اور یوں بعد میں اسے پھپھانا پڑتا ہے، اور اگر اس قیمت سے کم پر اسے وہ چیز مل جائے تو پھر پہلے خریدار کو افسوس ہو گا کہ وہ خود بھی تو اسی کم قیمت پر اسے خرید سکتا تھا۔ لہذا یہ بھی جوئے کی ایک قسم بن جاتا ہے، جیسے کم قیمت پر بھگورے غلام کو بیچنا یا گم شدہ اونٹ کو فروخت کرنا، کیونکہ وہ (غلام یا اونٹ) مل گیا تو بیچنے والے کو (کم قیمت پر فروخت کرنے پر) افسوس ہو گا۔ اور اگر وہ نہیں ملا تو پھر خریدار کو افسوس ہو گا۔ جہاں تک تجارت میں خطرے کا تعلق ہے تو اس میں آدمی منافع کی غرض سے سامان خریدتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے نتیجہ اس پر چھوڑ دیتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے (۱۰۵)۔

ان تمام عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ جوئے کا لین دین اور کاروبار میں عمل دخل پوری سنجیدگی سے ہوتا ہے نہ کہ کھیل کی بنا پر، کیونکہ جوئے میں ممانعت اور حرمت کی بناءً اس احتمال اور خطرے پر ہے جو ایک فریق کے لئے تو کامیابی اور نائدے کا باعث بن جاتا ہے جبکہ دوسرے کے لئے نقصان اور خسارے کا، اس کے برعکس کھیل کو د اور وقت کا ضیاع اس کے لئے بناءً اور علت نہیں۔ البتہ یہ ایسی خرابیاں ضرور ہیں، جو جوئے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

دوہر: دوسری بات جو ہمارے اس قول کی تائید میں ہے کہ جوئے اور شرط لگانے کی حرمت کے لئے کھیل کو د اور وقت کا ضیاع علت نہیں، وہ یہ ہے کہ کسی بھی مجتہد نے آج تک یہ نہیں کہا کہ جو بھی کھیل کو د میں یا وقت کے ضائع ہونے کے کام میں اگر ان میں سود اور دھوکہ نہ پایا جاتا ہو تو وہ جو اور شرط لگانے کے ذیل میں آتے ہیں یا پھر وہ جوئے اور شرط لگانے کی طرح حرام ہیں اس بنا پر کہ ان میں جوئے اور شرط کی علت پائی جاتی ہے جو کہ کھیل کو د اور وقت کا ضائع کرنا ہے۔ لہذا پتہ چلا کہ جوئے اور شرط لگانے کی حرمت کے حکم کے وجود اور عدم وجود کا جس علت پر دارومدار ہے وہ ان میں موجود وہ احتمال ہے جس کی وجہ سے ایک فریق کو فائدہ اور دوسرے

کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے

دوسرا شبہ : جو اُردو شرط لگانا اخلاقی برائیاں اور اجتماعی
خرابیاں ہیں جو انسان کی صلاحیتوں اور قوتوں کو
ختم کر دیتی ہیں :

اولے : اس شبہ کا بیان :

یہ اعتراض پیش کرنے والے کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے جوئے کو شیطان
کی رسیوں میں سے ایک رسی اور ذریعوں میں سے ایک ذریعہ قرار دیا ہے کہ وہ
اس کے ذریعے لوگوں کے درمیان دشمنی اور نفرت پیدا کرتا ہے اور انہیں اس
کے ذریعے اللہ کے ذکر اور نماز سے غافل کر دیتا ہے " لہذا یہ اخلاقی برائیاں
اور اجتماعی خرابیاں ہیں جو انسانی صلاحیتوں کے لئے زہرِ ہلاک ہیں " جبکہ
کاروبارِ بیمہ میں ایسی کوئی خرابی نہیں پائی جاتی (۱۰۶)۔

دوہر : اس شبہ کا جواب :

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ لوگوں میں دشمنی اور نفرت پیدا کرنے ،
اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکنے اور انسانی صلاحیتوں کو بونے میں وقت
ضائع کر کے زنگ آلود کرنے جیسی اخلاقی برائیاں اور اجتماعی خرابیاں دراصل
جوئے اور شرط لگانے کی ممانعت و حرمت کے لئے حکم اور ان سے پیدا شدہ
نقصانات اور خرابیوں کے لئے بمنزلہ بیان کے ہیں اس ممانعت و حرمت کے
لئے علت نہیں۔ حرمت اور ممانعت کے لئے موثر و صفت اور علت تو وہ دھوکہ
اور احتمال ہے جس کی بنیاد پر ایک فریق کو فائدہ اور دوسرے کو نقصان پہنچتا ہے۔
لہذا یہی وہ وصف ہے جس پر حکم کے وجود یا عدم وجود کا رد و مدار ہے کہ جب
بھی کسی معاملے میں کسی ایک فریق کے لئے نقصان اور دوسرے کے لئے فائدہ
کا احتمال و امکان پایا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے چاہے اسکی وجہ سے کسی قسم کی

دشمنی اور نفرت نہ ہی پیدا ہوتی ہو۔ لیکن اگر کسی معاملے میں دشمنی اور نفرت موجود ہوں اور اس میں دھوکہ اور احتمال کا وجود نہ ہو تو وہ جو انہیں کہلانے گا اور اس پر جوئے کا حکم بھی لاگو نہیں ہوگا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ امر اجتهاد اس پر متفق ہیں کہ جو چاہے جواریوں کے لئے ذکر الہی اور نماز سے روکنے کا سبب نہ بھی ہو تب بھی حرام ہے۔ اگر جو خانوں میں ایسا انتظام کر دیا جائے کہ جواریوں کا وقت ضائع نہ ہو۔ جیسا کہ آج کل عملاً جو اس طرح ہوتا ہے کہ وقت ضائع نہیں ہوتا۔ مثلاً اس طرح کہ جواری یا شرط لگانے والا صرف ٹیلیفون پر نہایت ہی مختصر سی گفتگو کے ذریعے جوئے میں شامل ہو جائے جس میں اس کا ایک منٹ سے بھی زیادہ وقت ضائع نہ ہو۔ جیسے شرط لگانے والا ٹیلیفون پر صرف اتنا ہی کہہ دیا کرے کہ میں مثلاً "کال" گڈیڑے پر ایک ہزار روپے کی شرط لگاتا ہوں، تو اس صورت میں شرط لگانے والے کا تو وقت ضائع ہوگا اور نہ ہی کھیل کو دُا سے اپنے کاموں کی ادائیگی سے روک دے گا۔ اسی طرح ایسی مختصر گفتگو سے اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز کی ادائیگی سے بھی نہیں روکے گی۔ تو کیا اس صورت میں جو اجازت ہو جائے گا؟ — نہیں! اس کے باوجود شرط لگانا بالاتفاق حرام ہے۔

اکثر اوقات یہ خرابیاں جو اور شرط لگانے کے معاملات میں مجموعی طور پر پائی جاتی ہیں، لیکن ان کے سرمت کا حکم ان حالات میں بھی پایا جاتا ہے جبکہ ان خرابیوں میں سے بعض پائی جاتی ہوں اور بعض نہیں۔ اس لئے کہ ایک فریق کے لئے نفع اور دوسرے کے لئے نقصان کا احتمال اس کا ردِ بار کی بنیاد ہے۔ جس کی وجہ سے یہ دوسرے کا مال باطل طریقے سے کھانے کے مترادف ہے جیسے زنا سے ممانعت اور زانیہ کو سزا دینا اس لئے ہے کہ نسب خراب ہونے سے محفوظ رہے۔ اس لئے کہ زنا سے نسب میں اختلاط کی خرابی جنم لیتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود کسی

فقہ نے یہ نہیں کہا کہ زنا صرف ان صورتوں میں حرام ہے جبکہ یہ خرابی جنم لیتی ہو اور ان صورتوں میں یہ حرام نہیں جبکہ یقینی طور پر یہ خرابی مفسود ہو جیسے مزنی بچا چھوٹی عمر کی ہو یا ہو تو بڑی عمر کی مگر ابھی بالغ نہیں ہوئی یا زنا کے وقت مانع حمل ذریعے اختیار کئے گئے ہوں۔

سود حرام ہے۔ اس لئے کہ اس کی وجہ سے سود خور کام کرنے اور پیداوار بڑھانے سے رک جاتا ہے اور دوسری طرف بظاہر سود کی مخالفت سے فقیر اور محتاج کا استحصال ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود کسی نے یہ نہیں کہا کہ حکم کا دار و مدار اس کے وجود اور عدم وجود کے لئے اسی پر ہے۔ بلکہ اس حکم کا دار و مدار سود کی اسی علت پر ہے جو مشہور ہے اور جس کی تعریف فقہاء نے بیان کی ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ واضح طور پر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ "شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور نفرت پیدا کر دے شراب اور جوئے کے ذریعے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے" (۱۰۷) تو کیا کوئی مجتہد یہ کہہ سکتا ہے کہ شراب اس صورت میں حلال ہے جب وہ نہ تو عداوت و نفرت کا باعث بنے اور نہ ہی اللہ کے ذکر اور نماز سے روکنے کا ذریعہ؟ بلکہ شراب ہر حالت میں حرام ہے اس نشہ کی بنا پر جو عقل کو زائل کر دیتا ہے۔ چاہے آگے یہ نشہ عداوت و دشمنی کا ذریعہ اور اللہ کی یاد اور نماز سے روکنے کا سبب بنے یا نہ بنے اور یہی حال جو ا کا ہے کہ وہ اس بنا پر حرام ہے کہ اس کے ذریعے لوگوں کا مال باطل طریقے سے حاصل ہوتا ہے اور اس کے بدلے میں نہ تو کوئی مال ہوتا ہے جو ایک شخص کے ذمہ سے نکل کر دوسرے کے ذمہ (قبضہ) میں چلا جاتا ہو اور نہ ہی کوئی کام یا کوشش ہوتی ہے جسے جواری یا شرط بدنے والا انجام دے رہا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اگر جو خانے اور شرط لگانے کے مقامات میں ایسے انتظامات کر دیئے جائیں کہ وہاں پر جدید ترین سائنسی وسائل و ذرائع کے

استعمال سے لوگوں کے دقت کو ختم ہونے سے بچایا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ جوار یوں اور شرط لگانے والوں کے درمیان دشمنی اور نفرت بھی نہ پیدا ہو کیونکہ وہ ایک دوسرے کو سرے سے جانتے ہی نہیں تو دشمنی اور نفرت کیسے پیدا ہوگی اتب بھی حرمت کا حکم باقی رہے گا اور نہی و ممانعت بدستور قائم رہے گی۔ اس لئے کہ اس کی حرمت و ممانعت کی علت اقتصادی نوعیت کی ہے، یعنی اس میں معاوضہ کے اندر احتمال اور دھوکہ کا شامل ہونا ہے باہم طور کہ انجام کار اس کا نتیجہ ایک فریق کے فائدے اور دوسرے کے نقصان کی صورت میں نکلتا ہے۔ اور ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد کسی ایک کے فائدے اور دوسرے کے نقصان کی صورت پر ہو، دشمنی اور نفرت کا سبب بن جاتا ہے۔ اور ایسے معاملے میں مصروف رہنے سے اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور بجائے اس کے کہ پیداوار کی طرف توجہ دی جائے یہ وقت کے ضیاع کا سبب بن جاتا ہے۔ لیکن یہ تمام باتیں حرمت و ممانعت کے لئے علت اور سبب نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ ان خصوصیات اور اوصاف کی طرح نہیں جن پر احکام کا دار و مدار ہوتا ہے۔

شراب پینے اور جوا کھیلنے کے سلسلہ میں کوئی ایک مجتہد بھی اس کا قائل نہیں کہ شراب پینے پر سزا اور جوا کھیلنے کے حرام ہونے کا حکم صرف اسی صورت میں لگایا جائے گا جب یہ باعث عداوت و نفرت ہوں یا نماز اور ضروری ذکر الہی سے روکنے کا سبب بنتے ہوں۔

خلاصہ کلام یہ کہ جوئے کا عداوت و دشمنی و نفرت کا سبب بننا اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور نماز سے روکنے کا باعث ہونا اور کھیل کود میں وقت کے ضیاع کا ذریعہ بننا اور دوسری طرف ہمہ کا ان خرابیوں سے پاک ہونا دونوں کے حکم کے لئے کوئی مؤثر فرق نہیں بن پاتا۔ اس لئے کہ یہ چیزیں جوئے وغیرہ میں حرمت و ممانعت کی علت نہیں بلکہ حرمت کی علت تو ان معاملات کا دھوکہ اور احتمال پر

مشتمل ہونا ہے کہ نتیجہ کے طور پر ایک فریق فائدہ حاصل کر لیتا ہے اور دوسرے کو نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور یہ علت تو کاروبار بیمہ میں بھی موجود ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جو اور شرط بدنامی خرابیوں اور نقصانات کا سبب بنتے ہیں جن سے کاروبار بیمہ پاک ہے۔ اس لئے کہ علت میں ان کا اشتراک ہی کافی ہے اور اس علت کی حکمت میں اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تیسرا شبہ :- کاروبار بیمہ کی بنیاد بحرانوں کے اثرات کے ازالے پر ہے !

اول : اس شبہ کا بیان :

اس شبہ کے پیش کرنے والے کہتے ہیں کہ کاروبار بیمہ کی بنیاد ان بحرانوں سے پیدا ہونے والے اثرات کے ازالہ پر ہے جو انسان کی جان یا مال یا اس کے کام کرنے کی صلاحیتوں کو لاحق ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بیمہ دار کو ان بحرانوں کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس سے پہنچنے والے (مکتہ) نقصان سے تحفظ فراہم کرتا ہے (۱۰۸) بخلاف جوئے اور شرط لگانے کے کہ ان میں خطرات کے وقوع پذیر ہونے کے بعد ان کے اثرات کے ازالے کی کوئی صورت نہیں پائی جاتی۔ اسی طرح ان کے پیش آنے کے بعد کسی قسم کا تحفظ بھی حاصل نہیں ہوتا (۱۰۹)

اس فرق کی بنیاد اس پر ہے کہ وہ خطرہ جس پر بیمہ دار کے لئے رقم بیمہ کا حصول منحصر ہے وہ ایک ایسا بحران ہے جس کی وجہ سے اس کے جسم یا مال کو کوئی نقصان پہنچ جاتا ہے اور جس کی تلافی کے لئے رقم بیمہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ جبکہ وہ خطرہ جس پر جواری یا شرط لگانے والے کے جوئے یا شرط کی رقم کا حصول موقوف ہے اس کے پیش آنے سے جواری یا شرط باز کے مال یا جسم کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچتا لہذا جوئے اور شرط کی رقم

کسی قسم کے نقصان کے ازالے کے لئے نہیں ہوتی۔ اس شبہ کے پیش کرنے والوں کے بقول یہ ایک ایسا موثر فرق ہے جس کی وجہ سے کاروبار بیمہ کو جوڑے اور شرط لگانے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

دوہ : اس شبہ کا جواب :

ہم اس شبہ کے جواب میں کہتے ہیں کہ بحرانات کے پیش آنے سے قبل کا تحفظ اور ان کے پیش آنے کے بعد کی تلافی، معاوضہ کے حلال یا حرام ہونے کے سلسلہ میں درج ذیل وجوہ کی بنا پر بالکل غیر موثر ہیں :

اول، کسی متعین حادثہ کی وجہ سے نقصان کا متوقع ہونا ایسے شخص کے لئے جو اس کی توقع کرتا ہے ایسے حرام معاوضہ کے کاروبار کی اجازت نہیں دیتا جس سے اگرچہ اس نقصان کی تلافی مقصود ہو لیکن وہ سود یا دھوکہ یا جوڑے پر مشتمل ہو۔ اس لئے کہ اگرچہ شریعت نے نہ صرف انسان کو یہ اجازت دی ہے، بلکہ اس پر یہ لازمی قرار دیا ہے کہ وہ خطرات سے بچنے اور ایسے متوقع نقصان کی تلافی کا پہلے سے انتظام کر رکھے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ شریعت نے وہ ذرائع اور وسائل بھی بیان کر دیئے ہیں جو اس ہدف کو حاصل کرنے کے لئے اختیار کئے جاسکتے ہیں اور وہ وسائل جائز اسباب ہی ہیں جبکہ ان اہداف کے حصول کے لئے شریعت نے حرام وسائل کو جائز نہیں ٹھہرایا ہے۔ جیسے وہ معاوضہ والے معاملات جو دھوکہ اور جوڑے پر مشتمل ہوں۔

شریعت اسلامیہ کے مستمک اصول و ضوابط میں سے ایک اصل یہ ہے کہ جائز مقاصد و اغراض کے حصول کے لئے حرام طریقے اختیار کرنا جائز نہیں۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ جائز اور قانونی مقصد کا حصول بھی جائز اور قانونی طریقے سے ہو اور اس کے لئے حرام ذرائع اختیار نہ کئے جائیں۔ لہذا خطرات کے اثرات کی تلافی اور لوگوں کو ان سے بچانے والے نقصانات کا ازالہ اگرچہ ایک ایسا معاملہ ہے جو مقاصد

شریعت سے مکمل طور پر مطابقت رکھتا ہے۔ لیکن نقصانات کے اس طرح کے ازالہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جائز وسائل و ذرائع سے ہو۔ جبکہ کاروبار ہمہ ان جائز وسائل میں سے نہیں کیونکہ یہ مشتمل ہے دھوکہ اور جوٹے پر، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

پھر جائز مقاصد کے حصول کے لئے حرام وسائل اختیار کرنے (میں خرابی یہ ہے کہ اس سے ایک اور جائز مقصد کا نقصان ہو جاتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تمام مقاصد کی تکمیل چاہتا ہے۔ اسی لئے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بعض معاملات کو جائز قرار دیا ہے اور کچھ ایسے احکام و طریقے وضع کر دیئے ہیں جو تمام جائز مقاصد کے حصول کے لئے کافی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس نے کسی جائز مقصد کے لئے ایک طریقہ ممنوع قرار دیا ہے یا ایک راستہ بند کر دیا ہے تو اس نے اس کے لئے دیگر طریقے اور وسائل جائز قرار دیئے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بلا استثناء تمام جائز مقاصد کے حصول کے لئے جائز ذرائع ہی کافی ہیں۔

مثلاً بچت کرنا اور اس بچائی ہوئی رقم سے سرمایہ کاری کرنا ایک جائز مقصد اور حلال ہدف ہے۔ لیکن اس مقصد کی تکمیل اور اس ہدف کے حصول کے لئے سودی نظام پر استوار بینکوں کا ذریعہ اپنانا جائز نہیں۔ بلکہ اس کے لئے شراکتی کاروبار یا کاروبار قرض کے ذریعے اختیار کی جانی چاہئیں۔ یا جیسے مال کا باہم تبادلہ کرنا ایک جائز مقصد ہے لیکن اس تبادلہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ ایسے معاوضاتِ مالیہ کے وسیلہ سے ہو جو سود اور دھوکہ پر مشتمل نہ ہوں۔ اسی طرح نسل کی بقا اور شہواتِ نفسانی کا پورا کرنا ایک جائز مقصد ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نکاح کے ذریعے سے ہو۔ البتہ اگر یہ ضروری ہو جائے کہ کوئی جائز مقصد بعض عارضی حالات اور غیر معروف صورت حال کے پیش نظر کسی ناجائز ذریعے کے بغیر پورا نہ ہوتا ہو تو ایسی صورتوں میں ضرورت کے قاعدہ کے تحت اجازت تو ہے

لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اس ضرورت کی تکمیل ضرورت سے زیادہ ذریعہ اختیار کر کے نہ ہو۔ اور یہ عارضی اجازت بھی ان اسباب کے رفع ہونے پر ختم ہو جاتی ہے جنہوں نے ضرورت کی بناء پر اسے جائز قرار دیا تھا۔

پھر اس سے بچنے کے طریقے بھی موجود ہیں۔ وہ یوں کہ بیمہ کے جو اعراض و مقاصد ہیں جیسے لوگوں میں سے کسی ایک کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کے لئے ان کے مابین تعاون اور باہمی ذمہ داری کو فروغ دینا اور ان میں سے کسی کو پہنچنے والے نقصانات کو تمام لوگوں پر تقسیم کر دینا تو ان اعراض و مقاصد کو جائز وسائل و ذرائع سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ جیسے باہمی بیمہ یا اجتماعی بیمہ کے ذریعے بائیں طور کہ ان دونوں اقسام بیمہ کے دائرہ کار کو وسیع تر کر دیا جائے اور ان مقاصد کی تکمیل کے لئے اس کاروبار کو منظم کرنے کی خاطر جدید علمی وسائل سے استفادہ کیا جائے۔

پھر یہ کہ باہمی احساس ذمہ داری، تعاون اور باہمی کفالت کے سلسلہ میں شریعت نے ایک مستحکم اور عادلانہ نظام خود ہی فراہم کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی نظر میں حکومت اس بات کی پابند ہے کہ وہ ایسے شخص کو جو کام کر سکتا ہے، باعزت روزگار فراہم کرنے کے لئے مناسب مواقع فراہم کرنے کی ضمانت دے۔ اور جو شخص کام کرنے سے معذور ہو اسے اتنی رقم فراہم کرے جو اس کے کھانے پینے، پہننے رہنے اور سواری وغیرہ کے لئے کافی ہو۔ جیسا کہ اس کی تفسیر بعض مجتہدین نے کی ہے۔

لہذا بیمہ کمپنیاں جو کاروبار کرتی ہیں وہ تعاون و تضامن کے شرعی مقاصد کی حصول کا واحد ذریعہ نہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو ان معاہدات میں شمولیت پر مجبور ہو جاتے ہیں، ان کی یہ مجبوری اس نوعیت کی نہیں ہوتی کہ انہیں حرام دھوکہ کے ارتکاب کی اجازت ہو۔

دوہرہ ۱ یہ کہ یہ وصف یعنی حوادث کے نقصانات کی تلافی، کبھی کبھی معاوضہ میں بھی پائی جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس کے جواز کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ جیسا کہ جو اور شرط بدناماً حرام ہیں، چاہے ان کے ذریعے جواری یا شرط باز کے لئے کسی نقصان کی تلافی یا کسی حادثہ سے پہنچنے والے نقصان کی اصلاح ہی کیوں نہ ہوتی ہو۔ مثلاً وہ حادثہ کہ جس پر جواری یا شرط باز کے جوئے یا شرط کی رقم جیتنے کا دار و مدار ہے ایسا حادثہ اور بحران ہو کہ جس کے پیش آنے سے ان دونوں میں سے ہر ایک کو کوئی مالی یا جسمانی نقصان پہنچ سکتا ہے جیسے آگ لگ جانا یا ڈوب جانا۔ تو ایسے حادثہ کے پیش آنے یا نہ آنے دونوں صورتوں میں شرط لگانے کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص کسی سے یہ کہے کہ اگر تیرا سامان غرق ہو گیا تو میں تجھے دس ہزار روپیہ دوں گا اور اگر تیرا سامان غرق ہونے سے بچ گیا تو مجھے اتنی ہی رقم یا کچھ کم دے گا، تو ایسا معاہدہ کرنا بالاتفاق حرام شرط بدلنے کے ضمن میں آتا ہے باوجودیکہ اس میں جو ضمانت کی رقم ہے اس سے مقصود غرق ہونے کے حادثہ سے پہنچنے والے نقصان کی تلافی ہے۔ لہذا یہاں پر وہ حکم لاگو نہیں ہوگا یعنی معاوضہ میں بحران کی تلافی کے وصف کی موجودگی کی بنا پر اس کے جواز کا حکم۔

سوہرہ ۱۔ اس شبہ کو پیش کرنے والے علماء شریعت اور شارحین قانون یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کاروبار بیمہ اگر ایک بیمہ دار یا تھوڑے سے بیمہ داران کے ساتھ ہو تو یہ جو اور شرط بدلنے کی طرح ہے۔ باوجودیکہ اس صورت میں بھی اس کاروبار سے مقصود اس بحران کے اثرات کی تلافی ہوتی ہے جس کے پیش آنے پر رقم بیمہ کا وہ شخص حقدار ٹھہرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ صفت یعنی بحران کے اثرات کی تلافی ایسے معاملہ کے جواز کے لئے کوئی مؤثر وصف نہیں جس میں حرمت کی علت اس معاملہ کے دھوکہ پر مشتمل ہونے یا اس کے جوئے اور شرط بدلنے کے

ضمن میں آنے کی وجہ سے پائی جاتی ہو جیسے اس معاملہ میں یہ وصف یعنی بحرانات کے اثرات کی تلافی موجود ہے جبکہ اس کا حکم یعنی معاملہ کا جائز ہونا اس پر لاگو نہیں ہوتا۔ اس مثال میں وصف کی موجودگی اور حکم کے عدم نفاذ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ ایک غیر مؤثر وصف ہے اور اسے فرق ظاہر کرنے کے لئے بطور ثبوت پیش نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا اصل کے حکم کو فرع پر لاگو کرنے میں یہ مانع نہیں ہے۔

چہاں کہہ: اس شبہ کے پیش کرنے والے یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کاروبار بیمہ ان صورتوں میں بھی جائز ہے جن میں یہ کاروبار بحرانات کے اثرات کے ازالہ کا کام انجام نہیں دیتا۔ بلکہ اس میں سولے بچت کرنے اور سرمایہ جمع کرنے کے اور کوئی نظریہ ہی کارفرما نہیں ہوتا۔ جیسے افراد کا بیمہ اپنی اکثر صورتوں میں کہ اس میں پالیسی ہو لڈریا اس کے ورثاء ہر حالت میں زندگی کے بیمہ میں بیمہ کی پوری رقم کے حق دار بن جاتے ہیں۔ یعنی چاہے اسے نقصان پہنچا ہو کہ بیمہ کی رقم اس کی تلافی کے لئے ہو یا اسے سرے کوئی نقصان ہی نہ پہنچا ہو۔ بلکہ بیمہ دار تو اس رقم بیمہ کا ان صورتوں میں بھی حق دار بن جاتا ہے جہاں وہ حادثہ کہ جس سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے وہ ان حوادث میں سے ہو جنہیں لوگ پسند کرتے ہیں اور ان کے پیش آنے کی آرزو کرتے ہیں۔ جیسے زندگی کا بیمہ کر کے پوری مدت کے بعد تک زندہ رہنا یا شادی اور اولاد کی بخیر و خوبی پیدائش کا بیمہ کرانا۔ مثلاً زندگی کے میعادی بیمہ کی صورت ہے کہ جب بیمہ دار ایک مقررہ مدت تک زندہ رہتا ہے تو وہ پالیسی کی رقم کا حقدار بن جاتا ہے جبکہ اس شخص کا اس مدت تک زندہ رہنا ایک ایسا معاملہ ہے جسے وہ پسند کرتا ہے اور اس واقعہ (یعنی مدت کے گزرنے) سے اسے کوئی خوف لاحق نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس کے وقوع سے اسے کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ اس سے اسے فائدہ ہی پہنچتا ہے کیونکہ اس

صورت میں وہ رقم بیمہ حاصل کر لیتا ہے حالانکہ یہ رقم کسی ایسے نقصان کی تلافی کے لئے نہیں ہوتی جو اس واقعہ کے پیش آنے سے اسے پہنچا ہو۔ اس صورت میں بیمہ بحرانوں کے اثرات کے ازالے کے لئے نہیں کیونکہ یہاں پر ایسا کوئی بحران سرے سے ہے ہی نہیں کہ بیمہ دار اس سے پہنچنے والے نقصان سے تحفظ چاہتا ہو یا اس کے پیش آنے کے بعد بیمہ کی رقم سے اس کی تلافی کرنا چاہتا ہو۔ معلوم ہوا کہ بیمہ کی ان صورتوں میں اس کاروبار میں بحرانوں کے پیش آنے کے بعد ان سے پہنچنے والے نقصانات کی تلافی کا وصف موجود نہیں اور ان بحرانوں کے عدم وقوع کی صورت میں ان سے پہنچنے والے ممکنہ نقصانات سے تحفظ کی صفت اس میں نہیں پائی جاتی۔ البتہ اس شبہ کے پیش کرنے والے حضرات کے دعویٰ کے مطابق صرف حکم ہی باقی رہ جاتا ہے یعنی اس کاروبار کے جواز کا حکم۔ یہی وجہ ہے کہ شارحین قانون خود اس کی صراحت کرتے ہیں کہ ان اقسام بیمہ میں مصلحت کی بشرط غیر ضروری ہے۔ اس سے دراصل ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ کاروبار بیمہ کے درست ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ حادثہ کے نہ پیش آنے میں بیمہ دار کی کوئی مصلحت ہو بلکہ اگر خود اس کے پیش آنے میں بیمہ دار کی کوئی مصلحت پوشیدہ ہو تب بھی یہ کاروبار جائز اور درست ہے اس لئے کہ اس کے پیش آنے سے نہ صرف یہ کہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ اس سے اسے فائدہ پہنچ جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے وہ بیمہ کی رقم حاصل کر سکتا ہے اور یہی چیز بعینہ جو اور شرط بدنام ہے۔ کیونکہ وہ حادثہ جس پر رقم بیمہ کا حصول موقوف ہے ایک اچھا حادثہ ہے کہ اس کے پیش آنے سے بیمہ دار کو ایسا کوئی نقصان نہیں پہنچتا کہ جس کی تلافی کے لئے اسے بیمہ کی رقم مطلوب ہو۔ لہذا بیمہ دار اس کاروبار میں جواری اور شرط بازی کی طرح ہے جس کی یہ خواہش اور آرزو ہوتی ہے کہ وہ حادثہ پیش آجائے اور اس کے پیش آنے سے اسے کوئی خوف بھی لاحق نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ اس کا

پیش آنا اس کے لئے خالص منافع کا سبب بن جاتا ہے جبکہ نقصان کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اور اس حادثہ کے نہ پیش آنے کی صورت اسے خالص خسارہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور فائدہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔

پہنجم:- جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ تحفظ جو بیمہ دار کو معاہدہ کے تحت حاصل ہوتا ہے اس کا روبرو کو جائز کرانے کے سلسلہ میں قابل اعتبار وصف نہیں اس لئے کہ اس سے کاروبار بیمہ سے دھوکہ کی صفت زائل نہیں ہو جاتی لہذا یہ ایک غیر مؤثر وصف ٹھہرا۔ کیونکہ اس کا مؤثر ہونا اسے ایسا معاوضہ تصور کرنے پر موقوف ہے جو مال کے بدلے میں ہو۔ تاکہ معاہدہ میں طے شدہ مدت کے اندر مخصوص حادثہ نہ پیش آنے کی صورت میں اس کے بدلے قسطوں کی ادائیگی درست ہو سکے۔ لیکن جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ تحفظ جو بیمہ کمپنیاں بیمہ داران کو فراہم کرتی ہیں، کوئی مالی معاوضہ نہیں جو مال کے بدلے میں درست ہو۔ اس لئے کہ وہ نہ تو ایسا مال ہے جو بیمہ کمپنی کی عمل داری سے نکل کر پالیسی ہو لڈر کی عمل داری میں آجاتا ہے کہ قسطیں اس کا معاوضہ بن سکیں اور نہ ہی وہ کوئی ایسا کام یا کوئی ایسی کوشش ہے جسے بیمہ کمپنی انجام دیتی ہے کہ بیمہ کی قسطیں اس کا معاوضہ بن سکیں۔ بلکہ یہ تحفظ اور اطمینان تو ایک طرح کے احساس کا نام ہے جسے لوگوں کو صرف لوگوں کو بیدار کرنے والا ہی عطا کر سکتا ہے۔ اور بیمہ کمپنی کے بس میں جو کچھ ہے وہ صرف یہی ہے کہ قسطوں کے بدلے میں حادثہ پیش آنے کی صورت میں رقم بیمہ کی ادائیگی کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لے۔ اور یہ ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ اسی کو دھوکہ، احتمال اور جوا کہا جاتا ہے۔

اگر اس قسم کا احساس اور شعور مال کے بدلے میں معاوضہ بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور حلت و حرمت کے سلسلہ میں یہ مؤثر ہو سکتے ہیں تو پھر ہم کہتے ہیں کہ جوئے اور شرط لگانے میں بھی جواری اور شرط باز کے ذہن میں بھی تو یہ

احساس اور شعور جاگزیں ہوتا ہے کہ وہ شاید نقصان سے بچ کر فائدہ حاصل کرے۔ اور اُمیدِ فائدہ کا یہ احساس ہی تو وہ چیز ہے جو اسے جوئے اور شرط لگانے میں شمولیت پر اکساتا ہے۔ اگر وہ جوئے یا شرط لگانے میں کچھ حاصل نہ بھی کر سکتا تب بھی کم از کم وہ کچھ عرصہ کے لئے پر اُمید تو رہا اور اس امید سے مستفید بھی ہوا۔ جیسا کہ وہ شخص جو پھل پکنے سے پہلے پھل خرید لیتا ہے یا جو شکاری کے ایک دفعہ جال پھینکنے یا تیر چلانے کو خرید کر قیمت ادا کرتا ہے تو اس کے پیچھے یہی آرزو ہی تو کار فرما ہوتی ہے کہ وہ اس سے شاید زیادہ حاصل کر لے جتنا اس نے ادا کیا ہے۔ کیونکہ ایسی صورتوں میں عام طور پر اصل سے کم قیمت ادا کی جاتی ہے۔ تو کیا ایسی آرزو مالی معاوضہ نہیں بن سکتی کہ اگر پھلوں کو کسی آفت سے نقصان پہنچ جائے یا جال میں کوئی شکار نہ پھنسنے تو ہم یہ کہہ سکیں کہ وہ کم از کم (کچھ دیر کے لئے) اس آرزو سے تو مستفید ہوا جو اسے فروخت کرنے والے نے عطا کیا تھا۔

تیسرا باب

بیمہ میں سود کے وجود کے دلائل
اور ان پر کئے جانے والے اعتراضات

بیمہ کمپنیاں جو کاروبار بیمہ کرتی ہیں اس کے حرام ہونے کے سلسلہ میں ہم نے جو تیسری دلیل دی تھی وہ یہ ہے کہ یہ کاروبار تین طرح سے سود کی دونوں اقسام پر مشتمل ہے :

اول : یہ کہ کاروبار بیمہ دار اور بیمہ کمپنی کے مابین طے پانے والے ایسے معاہدے کا نام ہے جس کے رو سے بیمہ دار کمپنی کو اس شرط پر ایک رقم ادا کرتا ہے کہ حادثہ پیش آنے پر کمپنی اسے اپنی طرف سے ایک رقم ادا کرے گی۔ اور اسے ہی نقدی کو نقدی کے بدلے میں فروخت کرنا کہتے ہیں۔ اور یہی بعینہ ادھار کا سود ہے ، اگر تو دونوں رقم برابر ہیں۔ لیکن اگر مؤصل رقم زیادہ ہے تو یہ ادھار کے سود کے ساتھ ساتھ اضافے کا بھی سود ہوگا۔

دوہر : بیمہ زندگی کی میعاد سی پالیسی کی صورت میں بیمہ کمپنی یہ معاہدہ کرتی ہے کہ وہ بیمہ دار کو معاہدہ میں طے شدہ مدت گزرنے پر بیمہ دار کے زندہ رہ جانے کی صورت میں اس کی اپنی اقساط کی واپسی کے ساتھ ساتھ

سود بھی ادا کرے گی۔ اس طرح یہ کاروبار سودی ہو جاتا ہے۔

سوہرا۔ بیمہ کمپنیاں اس کاروبار کو چلانے کے لئے جو طریقہ کار عام طور پر اپناتی ہیں اس کی بنیاد سود پر ہوتی ہے۔ کیونکہ کمپنی سود پر ہینڈیلوں میں سرمایہ کاری کرتی ہے اور سود ہی پر دستاویزات بیمہ گروی رکھ کر قرض دیتی ہے اور اگر اقساط کی ادائیگی میں تاخیر ہو جائے تو اس پر سود لیتی ہے۔ اور کاروبار کا سود کی شرط پر مشتمل ہونا اسے باطل کر دیتا ہے۔ اس دلیل پر جواز بیمہ کے قائل حضرات نے بعض شبہات و اعتراضات اٹھائے ہیں۔ ہم پہلے انہیں بیان کر کے پھر ان کا جواب دیں گے۔

پہلا شبہ !

اول : اس شبہ کا بیان :

ہم بیمہ کے سلسلہ میں صرف بحیثیت اس کے قانونی نظام ہونے کے بحث کرتے ہیں۔ اور بیمہ کمپنیاں اسے جس طرح چلاتی ہیں یا جو دیگر طریقے اختیار کرتی ہیں ان کے جواز اور عدم جواز سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ لہذا جب ہم دیکھتے ہیں کہ شرعی قواعد اور اس کے اصول کاروبار بیمہ کی حرمت و ممانعت کے متقاضی نہیں ہیں تو بحیثیت ایک نظام کے ہم اس کے درست ہونے کا حکم لگائیں گے کہ اس طرح یہ اپنے بنیادی فکر اور فنی طریقوں سے ایک جائز مقصد و مصلحت کی تکمیل کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور اس نظام کے جواز کے لئے ہمارے مقصد کا یہ مطلب نہیں کہ بیمہ کمپنیاں اس سلسلہ میں جو کاروباری طریقے اور اقتصادی راستے اختیار کرتی ہیں ہم انہیں بھی تسلیم کرتے ہیں" (۱۱۰)

اس شبہ کے پیش کرنے والے محقق یہ بات تو تسلیم کر رہے ہیں کہ کاروبار بیمہ سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے باطل ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کے

خیال میں یہ دلیل عمل بحث سے متعلق ہے ہی نہیں بلکہ ان کے نزدیک اختلاف اس میں ہے کہ ”بحیثیت ایک قانونی نظام کے بیمہ کا حکم کیا ہے اور اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیے کہ بیمہ کمپنیاں اس کے لئے جو طریقے اپناتی ہیں وہ جائز ہیں کہ نہیں (۱۱۱)“

دوہ: اس شبہ کا جواب

اس شبہ کا جواب دو طرح سے ہے

اول: جیسا کہ ہم متعدد مرتبہ یہ واضح کر چکے ہیں، فقہیہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ بیمہ کے بارے میں اپنا حکم اس اعتبار سے دے جیسا کہ بیمہ کمپنیاں عملی طور پر اسے کرتی ہیں اور اس کے معاہدہ سے جو حقوق و فرائض متعین ہوتے ہیں ان کی اساس پر اس کے بارے میں فیصلہ صادر کرے نہ کہ اس بنیاد پر کہ ”بیمہ بحیثیت ایک نظام کے ایک ایسا کاروبار ہے جس میں اس کی اصلی سوچ اور فنی طریقے اپنا کر ایک جائز مقصد کی تکمیل ہوتی ہے۔“ کیونکہ تعاون اور باہمی ذمہ داری کو فروغ دینے کے لئے بیمہ میں باعتبار ایک نظریہ اور نظام کے شرعی نقطہ نظر سے کوئی خرابی نہیں ہے۔ البتہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نظریہ کو عملی جامہ پہنانے اور اس نظام کو نافذ کرنے کے لئے ایسے ناجائز وسائل اور طریقوں کو اپنانے کی بھی اجازت ہو جو شریعت کی طرف سے حرام و ممنوع سود پر مشتمل ہوں۔ کیونکہ جائز مقصد حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا حصول غیر جائز طریقوں سے نہ ہو۔ کیا کوئی فقہیہ بینکوں کے سودی کاروبار کے جواز کا فیصلہ اس بنیاد پر دے سکتا ہے کہ بینکوں کے نظام سے بھی ایسی بچت اور سرمایہ کاری کی جاتی ہے جو امت مسلمہ کے لئے خوش حالی اور طاقت کا ذریعہ ہوتا ہے اس دلیل کی بنا پر کہ یہ مقاصد یعنی خوش حالی اور طاقت کا حصول (جائز ہیں۔

اور کیا یہ کہنا درست ہو سکتا ہے کہ چونکہ اموال کا تبادلہ ایک جائز مصلحت ہے لہذا اس مصلحت شرعی کی بنیاد پر پھلوں کے پکنے سے پہلے ان کا تبادلہ کرنا یا حمل کی خرید و فروخت اس کی پیدائش سے پہلے اور شکاری کے جال اور تیر اندازی کو پہلے سے خریدنا درست اور جائز ہے ؟

اس شبہ کے پیش کرنے والے یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ کاروبار جو بیمہ کمپنیاں کرتی ہیں سود پر مشتمل ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔ اور یہی بات ہمارے حق میں جاتی ہے کیونکہ اس کاروبار کو جس طرح عملی طور پر چلایا جاتا ہے اس کی بنیاد پر اس کا حکم یہی ہے۔ رہے وہ اعراض و مقاصد جو اس نظام سے وابستہ ہیں یعنی لوگوں کے ایک گروہ کے درمیان تعاون و تضامن کو عملی جامہ پہنانا تو ہم مانتے ہیں کہ وہ مقاصد شریعت سے پوری طرح مطابقت رکھتے ہیں۔ بشرطیکہ اس کے لئے وسائل بھی جائز اور قانونی ہوں۔ یعنی دھوکہ اور سود سے پاک ہوں۔ جبکہ یہ چیز کاروبار بیمہ میں جیسا کہ عملی طور پر بیمہ کمپنیاں کرتی ہیں، مفقود ہے۔

دوہ : اگر ہم یہ تسلیم کر بھی لیں کہ کاروبار بیمہ سودی شرائط سے پاک کر کے بھی ہو سکتا ہے اور یہ کہ بیمہ کمپنیاں اس کاروبار کو ان شرائط سے پاک کرنے پر رضامند بھی ہیں لہذا وہ زندگی کے بیمہ کی صورت میں جب بیمہ دار زندہ رہ جائے صرف وہی اقساط ہی واپس کریں گی جو بیمہ دار نے جمع کرائی تھیں اور اس پر وہ سود ادا نہیں کریں گی۔ اسی طرح اقساط کی ادائیگی میں تاخیر پر وہ سود نہیں لیں گی اور اس سرمایہ کو منہڈیوں کے سودی کاروبار میں نہیں لگائیں گی اور دستاویزات بیمہ کی بنیاد پر سودی قرضے نہیں دیں گی الغرض اس طرح کی تمام شرائط سے یہ کاروبار پاک کر دیا جائے گا، حالانکہ عملاً ایک ایسے اقتصادی نظام میں جس کی بنیاد ہی سود پر ہو اور جس میں پیداوار کی تقسیم کے سلسلہ میں کام کے مقابلے میں سود ہی کو رکھا گیا ہو، یہ ناممکن ہے۔ — اس کے

باوجود اس کاروبار کی فطرت میں سود پوشیدہ طور پر برقرار ہی رہے گا کیونکہ اس کاروبار کا سود کے بغیر تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ جیسے ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں اس کاروبار کا تقاضا ہی یہی ہے کہ بیمہ دار بیمہ کمپنی کو ایک رقم یکمشت یا میعادى اقساط کی صورت میں ادا کرے گا۔ بیمہ کمپنی کی اس ذمہ داری کے بدلے میں کہ وہ اسے مقررہ مدت گزار جانے پر ایک رقم یکمشت یا حادثہ پیش آنے پر میعادى اقساط میں ادا کرے گی۔ یعنی ایک غیر معین مدت کے بعد اور یہ وہ مدت ہے جو بیمہ دار کی طرف سے ادا کردہ قسط یا اقساط اور حادثہ کے پیش آنے کے درمیان ہوتی ہے۔ اور یہ وصف اس کاروبار سے الگ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ تو اس کا ایک بنیادی عنصر ہے۔

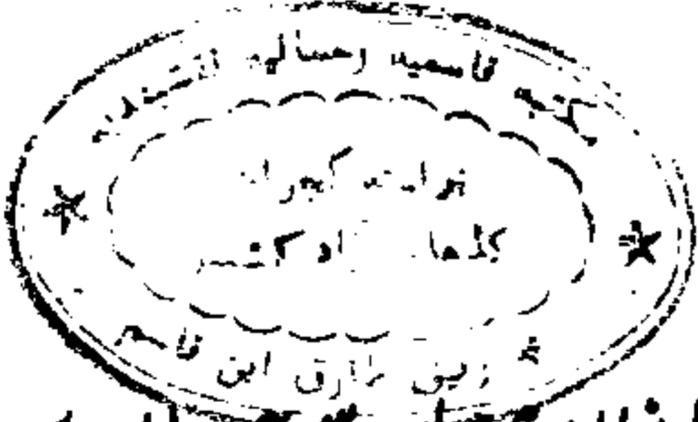
دوسرا شبہ :

اول : اس شبہ کا بیان :

کاروبار بیمہ کو سود پر مشتمل ہونے کی بناء پر حرام ٹھہرانا اس اعتبار سے کہ بیمہ دار ایک معمول قسط ادا کر کے اس کے بدلے میں جس حادثہ سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے اس کے پیش آنے پر معاوضہ میں اس قسط سے دگنی اور چوگنی رقم وصول کر لیتا ہے۔ یہ ایک خیالی شبہ ہے جس کی سرے سے کوئی حقیقت ہی نہیں ہے اس لئے کہ معاہدہ بیمہ کی بنیاد اچانک پیش آنے والے حادثات کے اثرات کے ازالے اور ان کی تلافی کے لئے باہمی تعاون پر قائم ہے۔ لہذا اگر اس میں سود کو موجود تسلیم کیا جائے یا سود کے شبہ کو مانا جائے تو پھر یہ بھی ضروری ہے کہ تبادلی بیمہ کو بھی حرام قرار دیا جائے۔ اس لئے کہ بیمہ دار اس قسم کے بیمہ میں بھی ایک حقیر سی قسط ادا کر کے اس کے بدلے میں حادثہ پیش آنے پر اس سے زیادہ معاوضہ وصول کر لیتا ہے۔ اور اگر سود کے شبہ کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر

حکومت کے ملازمین کی ریٹائرمنٹ اور پنشن کے نظام کو بھی حرام قرار دینا ہو گا۔
 کیونکہ ملازم کی تنخواہ سے ایک معمولی رقم وضع کی جاتی ہے اور ریٹائرمنٹ پر
 وہ خود یا اس کی وفات پر اس کے خاندان والے ماہوار رقم حاصل کرتے ہیں
 جو اس کی ملازمت کی مدت کے دوران اس سے وضع کردہ رقم سے بہر صورت
 زیادہ یا تھوڑی ہوتی ہے (۱۱۲)

اس شبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ بیمہ کے سوا دیگر کاروبار میں تھوڑی سی رقم دے کر
 ایک مدت کے بعد زیادہ رقم وصول کرنا سود کہلاتا ہے جبکہ کاروبار بیمہ میں لے نہ
 سود کہا جائے گا اور نہ سود کا شبہ۔ اس لئے کہ یہ معاہداتی بیمہ حادثات سے
 پیدا ہونے والے نقصانات کی تلافی کے لئے باہمی تعاون ہی کا نام ہے جیسا کہ
 تبادلہ بیمہ میں ہوتا ہے یا جیسا کہ حکومت کے ملازمین کے لئے ریٹائرمنٹ اور
 پنشن کا نظام ہے۔



دوم : اس شبہ کا جواب :

ہم یہ بات تسلیم نہیں کرتے کہ بیمہ کمپنیاں بیمہ دار سے جو معاہدے
 طے کرتی ہیں وہ حادثات سے پیدا ہونے والے نقصانات کی تلافی کے لئے تعاون
 ہی کا دوسرا نام ہے اس لئے کہ تعاون ایک طرح کا عطیہ ہوتا ہے جس
 میں عطیہ دینے والا اس سے کوئی مفاد یا مالی معاوضہ کی خواہش نہیں رکھتا
 جبکہ بیمہ کمپنیاں جو معاہدات بیمہ طے کرتی ہیں وہ مالی معاوضات ہی ہیں جن
 سے بالاتفاق منافع کا حصول مقصود ہوتا ہے۔ کیونکہ بیمہ کمپنی بیمہ کی رقم ادا
 کرنے کا عہد صرف بیمہ دار کی طرف سے اقساط کی صورت میں دیئے جانے
 والے ایک معاوضہ کے بدلے میں کرتی ہے۔ اسی طرح بیمہ دار بھی اقساط بیمہ کی
 ادائیگی کا عہد صرف ایک مالی معاوضہ کے بدلے میں کرتا ہے جو بیمہ کمپنی کی

طرف سے بیمہ کی رقم کی صورت میں ہوتا ہے۔ پھر اس میں بیمہ کمپنی یا بیمہ دار کی طرف سے عطیہ کی نیت کہاں ہے؟ اور کسی کاروبار کو معاوضہ یا عطیہ قرار دینے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں اس معاہدہ کے دونوں فریقوں کی نیت کو اس معاہدہ کے متن کی رو سے دیکھا جانا چاہیے۔ اور عطیہ کی نیت کو خواہ مخواہ فرض کر لینا ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ شریعت نے یہ اصول خود ہی قائم کر دیا ہے کہ "اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور عبادات، عرف اور معاملات کے تصرفات کے سلسلہ میں قصد و ارادہ ہی معتبر ہوتا ہے۔"

بیمہ میں جس تبرع کا دعویٰ کیا جا رہا ہے اس کی بنیاد ایک مفروضے پر ہے۔ وہ یوں کہ تمام بیمہ داران کے درمیان اس ضمن میں ایک معاہدہ ہوتا ہے اور یہ کہ یہی معاہدہ ان کے مابین ایک طرح کا تعلق پیدا کر دیتا ہے جس کی بنیاد قربانی و تبرع اور نیکی پر ہے۔ اس مقصد کے لئے وہ قسطیں ادا کرتے ہیں تاکہ ان میں سے کسی ایک کو پیش آنے والے حادثہ کی بنا پر اسے جو نقصان پہنچے اس کی تلافی ہو سکے۔ اور یہ کہ ان میں سے جو شخص معاوضہ کا حق دار بن جاتا ہے وہ اس عطیہ کے جمع شدہ مال میں سے اپنی قسطوں یا چندہ کا کوئی معاوضہ نہیں لے رہا ہوتا بلکہ وہ یہ رقم عطیات سے جمع شدہ مال کے مستحق افراد میں سے ایک فرد کی حیثیت سے لیتا ہے۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ کوئی شخص اگر کسی خاص صورت حال سے دوچار یا کسی مشترک وصف کی حامل جماعت کے لئے عطیہ دیتا ہے اور پھر وہ خود اس صورت حال سے دوچار ہو جاتا ہے یا اس جماعت کا وصف اس میں پایا جاتا ہے تو وہ خود بھی اس مال میں سے لینے کا حق دار بن جاتا ہے جیسے کوئی شخص مکہ کے رہنے والوں کے لئے کچھ وقف کر دے یا طالب علموں کے لئے وصیت کر دے تو وہ خود بھی اسی مال میں سے اس صورت میں حصہ لے سکتا ہے جب وہ مکہ میں رہائش اختیار کر لے یا طالب علم بن جائے۔ اور

اس صورت میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے جو خرچ کیا تھا اس کا کوئی معاوضہ وصول کر لیا ہے۔ بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ اس میں شرائط استحقاق پائے جانے کی وجہ سے وہ عطیات کی اس جمع شدہ رقم میں سے ایک حصہ کا مستحق بن گیا ہے۔ گویا وہ عطیہ کے طور پر مال دیتا ہے اور پھر عطیہ کے مال سے خود بھی وصول کرتا ہے لہذا ایسی صورت میں یہ معاملہ معاوضہ کی کوئی شکل نہیں بنتا۔

لیکن یہ صورت (جو اوپر بیان کی گئی ہے) صرف انجمن ہائے امداد یا بھی کی طرف سے انجام دیئے جانے والے تبادلے، بیمہ اور حکومت کی طرف سے پنشن کے نظام میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں حصہ دار یا بیمہ دار جو قسط یا حصہ رقم انجمن کو تبادلے یا بیمہ کے سلسلہ میں ادا کرتا ہے اس سے مقصود عطیہ ہی ہوتا ہے اور حادثہ پیش آنے پر اپنے نقصان کی تلافی کے لئے جو کچھ لیتا ہے وہ اپنی اقساط کے بدلے یا معاوضہ کے طور پر نہیں لیتا بلکہ وہ یہ رقم عطیہ کے طور پر لیتا ہے اس لئے کہ یہ ان لوگوں میں سے ایک بن جاتا ہے جو انجمن کے قواعد و ضوابط کے مطابق استحقاق کی شرائط پر پورا اترتے ہیں۔ یہ کہنا کہ ان انجمن ہائے امداد یا بھی کے نظام میں اس طرح کی کوئی صراحت نہیں ہوتی جس سے یہ پتہ چلتا ہو کہ اس کے شرکاء کے لئے اقساط کی ادائیگی میں عطیہ کی نیت ضروری قرار دی گئی ہے یا کسی مستحق کو مالی معاوضہ میں عطیہ و تبرع کی نیت لازمی ہو۔ کیونکہ اس طرح کے انجمنوں میں تبرع کی نیت ہو بھی نہیں سکتی۔ اس سلسلہ میں ہمارا جواب یہ ہے کہ ہم اس قسم کے بیمہ کے جواز کا فیصلہ تب ہی کریں گے جب ان انجمنوں کے نظام میں عطیہ و تبرع کی نیت بالکل واضح طور پر ضروری قرار دی گئی ہو۔ ورنہ ہم اس کے بھی عدم جواز کے قائل ہیں۔

اور یہی صورت پنشن کے نظام کی ہے جسے حکومت خود انجام دیتی ہے اور اس سے منافع کا حصول مقصود نہیں ہوتا۔ اور ملازم کی تنخواہ سے جو قسطیں کاٹی جاتی ہیں اس میں بھی مقررہ شرائط یا صورت حال کے حامل فرد کے لئے

نیت و ارادہ تبرع اور عطیہ کا ہی ہوتا ہے۔ اسی طرح جو کچھ ملازم خود یا اس کے ورثاء پنشن کی صورت میں ریٹائرمنٹ یا مرنے کے بعد لیتے ہیں تو اس لئے کہ اس میں استحقاق کی شرائط پائی جاتی ہیں۔ اور اگر پنشن کے نظام میں تبرع کی نیت واضح نہ ہو تو یہ ضروری ہے کہ اس میں اس بات کی مراحت کر دی جانی چاہیے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ملازم یہ اقساط مجبوراً ادا کرتا ہے تو ہم کہیں گے کہ نہیں! بلکہ وہ اپنی مرضی سے دیتا ہے تاکہ اس نظام کے مقرر کردہ شرائط استحقاق پر وہ خود بھی پورا تر سکے۔ اس لئے کہ اگر وہ اقساط ادا نہیں کرے گا تو وہ اس نظام کے قواعد کے بموجب مستحق افراد میں بھی شامل نہیں ہو سکے گا۔

ہم متعدد بار یہ ذکر کر چکے ہیں کہ بیمہ کمپنی جو کاروبار بیمہ کرتی ہے اس سے اس کا بیمہ داران کے ساتھ سولے ایک تعلق کے اور کسی قسم کا تعلق پیدا نہیں ہوتا۔ اور وہ تعلق پالیسی ہولڈر اور بیمہ کمپنی کے درمیان ہوتا ہے اور اس تعلق کی بنیاد معاوضہ اور منافع کے حصول کی نیت پر ہوتی ہے اور اسی پر شارحین قانون اور علماء شریعت کا اتفاق ہے۔ اور یہ کہنا کہ تمام پالیسی ہولڈرز کے درمیان ایک ایسا معاہدہ بھی ہوتا ہے جس کی بنیاد ان کے مابین تعاون اور باہمی ذمہ داری پر ہوتی ہے تو یہ سولے مفروضے کے اور کچھ نہیں کہ جس پر احکام شرعیہ کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔ اس لئے کہ تبرع اور عطیہ کی نیت کسی ایسے معاہدہ کے بغیر نہیں ہو سکتی جو اس نیت کو بھی واضح کرتا ہو۔ جبکہ بیمہ کمپنی اور بیمہ دار کے مابین اس طرح کا کوئی معاہدہ طے نہیں پاتا جو اس طرح کے تعلق کو پیدا کر سکے۔ لہذا یہ ایک ایسا مفروضہ ہے جس کا نہ تو قانون میں کوئی وجود ہے اور نہ ہی شرعی اصول میں اس کی کوئی بنیاد ہے۔ پھر مجملہ حقیقت سے چشم پوشی کر کے محض مفروضے اور اندازہ پر حکم شرعی کس طرح لاگو کیا جاسکتا ہے۔

اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ کاروبار بیمہ خالص معاوضہ والا معاملہ ہے اس میں قربانی اور تعاون و تضامن کی کوئی گنجائش نہیں جیسا کہ ان بیمہ کمپنیوں کے حامی کہتے ہیں اور جب حقیقت یہی ہے تو بغیر کسی اختلاف کے سود اس میں مؤثر ہو گا۔

.....

اختتامیہ نتائج بحث

ابہ آخر میں ہم آپ کے سامنے وہ نتائج پیش کرتے ہیں جو ہم نے ابہ تک کے اس بحث سے اخذ کئے ہیں :

اول : بیمہ کے نظریہ و نظام کی تطبیق و تحقیق کے لئے جو ذرائع و وسائل عملاً اختیار کئے جاتے ہیں ان سے صرف نظر کر کے اگر خود بیمہ کو باعتبار ایک نظام و نظریہ کے دیکھا جائے تو یہ کاروبار مکمل طور پر شریعت کے مقاصد سے مطابقت رکھتا ہے اور خود شریعت ایسی سوچ اور فکر کا متقاضی ہے جیسا کہ ایک شارح قانون کہتے ہیں کہ بیمہ کا نظریہ "صرف ایک ایسے تعاون کا نام ہے جسے بہت ہی باریک بینی سے لوگوں کی ایک ایسی بڑی تعداد کے لئے منظم کیا گیا ہے جنہیں ایک ہی نوعیت کا کوئی خطرہ درپیش ہے تاکہ ان میں سے کسی کے لئے اگر یہ خطرہ حقیقت کاروبار دھارے تو سب مل کر اس کے مقابلے کے لئے معمولی سی مالی قربانی کی شکل میں ایک دوسرے سے تعاون کریں اور اس طرح وہ ان نقصانات کی تلافی کر دیں جو ان میں سے کسی کے لئے مکمل تھا ہی کا سبب بن جائے اگر یہ تعاون نہ ہوتا؟"

ہمارے خیال میں بیمہ کے سلسلہ میں اس مفہوم کے اعتبار سے اس کے

جواز میں کوئی اختلاف نہیں، یعنی خطرات کے نقصانات کی تلافی اور ان میں لوگوں کی ایک بڑی تعداد میں تقسیم کر دینے کے لئے تعاون و تضامن کے سلسلہ میں، بلکہ اختلاف تو ان وسائل و ذرائع کے بارے میں ہے جو اس نظریہ کو عملاً نافذ کرنے اور اس نظام کو لاگو کرنے کے لئے اختیار کئے گئے ہیں، ہماری مراد اس سے بیمہ کا دو بار بار ہے جو تجارتی بیمہ کمپنیاں کرتی ہیں۔

دوہ :- غرض و غایت کے جواز سے لازمی طور پر ضروری نہیں ہو جاتا کہ اس غرض و غایت کے حصول کے لئے ہر وسیلہ بھی جائز ہو۔ اس لئے کہ شریعت کے مسلمہ اصول میں سے ایک یہ ہے کہ جائز اور قانونی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے لئے وسائل و ذرائع بھی جائز اور قانونی ہوں اور حرام نہ ہوں۔ اس لئے کہ حرام ذریعہ اختیار کرنے کی صورت میں جہاں اس سے ایک جائز مقصد پورا ہو جائے گا وہاں یہ کسی اور شرعی مقصد کے خاتمہ اور زوال کا باعث بن جائے گا۔ جبکہ اللہ عز و جل جو حکیم و علیم ہیں تمام جائز مقاصد کو حقیقت کاروبار دینا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ایسے احکام بنا دیئے اور ایسے معاملات جائز قرار دیئے ہیں جو تمام جائز مقاصد کی تکمیل کے لئے کافی ہیں اور جہاں شریعت نے کسی جائز مقصد کی تکمیل کے لئے اگر ایک راستہ بند کر دیا یا ایک وسیلہ ممنوع ٹھہرایا ہے تو اس نے اس کے لئے اور بہت سے ایسے وسائل جائز قرار دیئے اور بے شمار ایسے راستے کھول دیئے ہیں جو اس مقصد کی تکمیل کے ساتھ کسی دوسرے مقصد کے زوال کا سبب بھی نہیں بنتے۔

مثلاً، بچت کرنا اور سرمایہ کاری کے ذریعہ مالی فوائد کا حصول ایک جائز اور قانونی مقصد ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی تکمیل کے لئے جو وسائل اختیار کئے جائیں وہ بھی جائز ہوں اور سود کے نظریہ پر ان کی بنیاد نہ ہو۔ اسی طرح مال کا مال سے تبادلہ کرنا بھی ایک جائز مقصد ہے لیکن اس کو

عملی جامہ پہنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے لئے ایسے وسائل اختیار کئے جائیں جو دھوکہ سود اور جوئے پر مشتمل نہ ہوں۔ خطرات کے اثرات کے ازالے اور لوگوں کو پہنچنے والے نقصانات کی تلافی کے لئے باہمی تعاون اور تضامن شریعت کے مقاصد سے پوری طرح مطابقت رکھتے ہیں مگر اس تلافی نقصانات اور ازالہ اثرات حوادث کے لئے ضروری ہے کہ ایسے جائز وسائل سے، جو جن میں سود، دھوکہ اور حرام نہ ہو۔

سوہ ۱۔ شریعت اسلامیہ نے تعاون و تضامن کے لئے جو عملی طریقہ مقرر کیا ہے وہ معاملات عطیات ہیں جن میں قربانی دینے والا یا تعاون کرنے والا اپنے تعاون یا قربانی سے کسی قسم کا فائدہ حاصل کرنا نہیں چاہتا اور نہ ہی وہ جو کچھ اس مقصد کے لئے خرچ کرتا ہے اس کا کوئی مالی معاوضہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ معاملات دھوکہ اور جہالت (لا علمی) پر مبنی ہونے کے باوجود جائز ہیں اور ان میں جواز شرط بدنا اور سود غیر مؤثر ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ عطیات کے معاملات میں اگر ان خامیوں کی وجہ سے وہ شخص جس پر احسان کیا جا رہا ہے محروم بھی رہ جائے تب بھی اس سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ کیونکہ اس نے اس احسان کے بدلے میں کچھ بھی خرچ نہیں کیا۔ بخلاف معاوضہ والے معاملات کے کہ ان میں اگر صاحب معاوضہ کو وہ معاوضہ نہ مل سکے تو اسے نقصان سے دوچار ہونا پڑتا ہے کیونکہ اس طرح اس نے اس مقصد کے لئے جو مال خرچ کیا ہے وہ ضائع ہو جاتا ہے۔ سود کے بارے میں بھی وہی جواب ہے جو دھوکہ، لا علمی، شرط بدنے اور جوئے کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ سود خور تھوڑی رقم دے کر ایک مدت کے بعد زیادہ رقم حاصل کرتا ہے۔ جبکہ عطیہ دینے والا دیتا ہے لیکن لیتا کچھ بھی نہیں۔ لہذا عطیات میں سود متحقق نہیں ہوتا۔

چہارہ۔ ۱۔ اسلام نے تعاون، تضامن اور مالی قربانی دیتے کے لئے جو طریقہ کار متعین کیا ہے وہ تعاونی بیمہ اور اجتماعی بیمہ سے پورا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بیمہ کی ان دونوں اقسام کی بنیاد تبرع، تعاون اور تضامن کی نیت پر قائم ہے اور ان سے مالی فوائد کا حصول یا منافع کا نام مقصود نہیں ہوتا۔ لہذا ہماری رائے میں بیمہ کی سوچ اور نظریہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے یہ دونوں اقسام بہت ہی موزوں اور مناسب ہیں۔ اس لئے کہ یہ دونوں اقسام بیمہ ہیں ہی اس تعاون کا نام جو ایک جیسے خطرات سے دوچار لوگوں کی ایک بڑی تعداد کے لئے بہت ہی محنت اور باریک بینی سے منظم کئے گئے ہیں تاکہ ان میں سے جب کسی ایک پر یہ مصیبت آپڑے تو وہ مل کر معمولی مالی قربانی سے اس کا مقابلہ کریں اور اس طرح اس عظیم نقصان کی تلافی کر دیں جو ان میں سے کسی کے لئے تھا ہی کا سبب بن جاتا اگر یہ تعاون نہ ہوتا۔

پنجم۔ ۱۔ مقررہ قسط والا بیمہ : یعنی وہ کاروبار بیمہ جسے بیمہ کمپنیاں کرتی ہیں، اس تعاون و تضامن کے مقاصد کو پورا نہیں کرتا جسے اسلام نے جائز قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ یہ بیمہ کمپنیاں جو کاروبار کرتی ہیں وہ مالی معاوضہ والے معاملات ہیں جن میں دھوکہ جو اور سود شامل ہو گیا ہے۔ اور معاوضہ والے معاملات میں جب یہ باتیں شامل ہو جائیں تو وہ معاملات باطل ہو جاتے ہیں۔ محققین نے اس حقیقت کو جھٹلانے کی بڑی کوشش کی ہے اس مقصد کے لئے کبھی تو انہوں نے اس کاروبار بیمہ کو عطیہ والے معاملات میں شامل کرنے کی کوشش کی اور کبھی اسے کسی بیمہ کمپنی سے معاملہ طے کرنے والے تمام بیمہ داران کے مابین یہ کہہ کر تعاون کا نام دیا کہ معاہدہ بیمہ سے تمام بیمہ داران کے مابین ایک ایسا تعلق پیدا ہو جاتا ہے جس کی بنیاد تعاون اور تضامن پر ہوتی ہے اور بیمہ کمپنی کا اس میں کردار ایک واسطے اور نائب کا ہوتا ہے جو ان کی طرف سے ان کے

اس تعلق کو منظم کرتا ہے اور کبھی انہوں نے یہ کوشش کی ہے کہ بیمہ کمپنی کی جانب سے اس کاروبار میں سے دھوکہ کو یہ کہہ کر کہ زائل قرار دئے سکیں کہ بیمہ کمپنی کا تمام بیمہ داران سے ایک مجموعی نوعیت کا تعلق بھی پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے یہ کمپنی اسکانی حسابات، قانون کثرت اور ریاضی کے قواعد کی بنیاد پر پہلے سے ٹھیک ٹھیک پتہ چلا سکتی ہے کہ اس نے ان بیمہ داران سے مجموعی طور پر کتنا کچھ وصول کرنا ہے یا کتنا کچھ انہیں ادا کرنا ہے۔ اور کہیں کہیں انہوں نے یہ کوشش بھی کی کہ بیمہ دار کی جانب سے بھی دھوکہ اور جوا کو غیر ثابت قرار دئے سکیں یہ کہہ کر کہ کاروبار بیمہ میں معاوضہ بیمہ دار کی طرف سے ادا کردہ قسط اور اس کے بدلے میں حاصل ہونے والے تحفظ کی درمیانی کڑی ہے اور یہ کہ یہ تحفظ بیمہ دار کو معاوضہ کے وقت ہی سے حاصل ہو جاتا ہے اور اس کا انحصار حادثہ کے پیش آنے پر نہیں ہوتا۔ چونکہ اس کے لئے حادثہ کا پیش آنا اور نہ آنا برابر ہے لہذا بیمہ دار کی طرف سے بھی یہ کاروبار دھوکہ سے پاک ٹھہرا۔ اس لئے کہ اگر حادثہ پیش آ گیا تو وہ بیمہ کی رقم حاصل کر کے اپنے اموال و مفادات اور حقوق کے نقصان کی تلافی کی صورت میں تحفظ کو پالے گا اور اگر حادثہ پیش نہ آیا تو اسے یہ تحفظ اس طرح حاصل رہے گا کہ اس کا مال لم اس کے حقوق اور مفادات محفوظ ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ تمام تر مفروضوں پر مشتمل دعوے ہیں اور حقیقت سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

ششم: اگر شریعت اسلامیہ کو پوری طرح نافذ کر دیا جائے تو تعاون و تضامن اور اجتماعی کفالت کو ایک ایسے مستحکم اور پائیدار بنیاد پر استوار کیا جاسکتا ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہوگی۔ اس مقصد کے لئے اسلامی حکومتوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اجتماعی بیمہ کاری کو وسعت دے کر اپنی مملکت کے ان تمام شہریوں کو اس میں شامل کر لیں جن کی آمدنی خطرات و حادثات کے بوجھ کو نہیں سہا سکتی۔ کیونکہ

اسلام کی نظر میں اسلامی مملکت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ہر ایسے شخص کو جو کام کرنے پر قادر ہے کام کے حصول کے مواقع فراہم کرنے کو یقینی بنائے اور جو کام کرنے سے معذور ہیں انہیں اتنی امداد فراہم کرے جو ان کے کھانے پینے اور لباس وغیرہ کی ضروریات کے لئے کافی ہو۔ بعض فقہاء نے صراحت سے اس کلیہ کو بیان کیا ہے۔ اس کے لئے زکوٰۃ کی آمدنی کو استعمال کیا جاسکتا ہے اور اگر وہ پوری نہ ہو تو پھر حکومت امیر لوگوں پر ایسے ٹیکس لگا سکتی ہے جن سے فقیر و محتاج لوگوں کی ضرورتیں پوری ہو سکیں۔

ہفتم :- بیمہ کے اعراض کی تکمیل اور خطرات کے اثرات سے بچنے کے ضمن میں تعاون و تضامن کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے جو عملی طریقہ لوگوں کے لئے جائز ہے وہ تبادلہ بیمہ ہے جسے انجمن ہائے امداد باہمی انجام دیتی ہیں۔ اس کو توسیع دینے کے لئے جدید علمی وسائل سے استفادہ کیا جاسکتا ہے تاکہ اس سے وابستہ اعراض و مقاصد پورے ہو سکیں۔ اس سلسلہ میں بعض اسلامی حکومتوں کے تجربات سے بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے جو انہوں نے اس ضمن میں حاصل کئے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر عبدالرزاق السنهوری: الوسيط في شرح القانون المدني المصري - ۲: ۴: ۱۰۸۷

حاشیہ نمبر (۱)

۲۔ یہ بحث ہفتہ فقہ اسلامی اور حبش امام ابن تیمیہ کے سلسلہ میں فنون و آداب اور علوم اجتماعیہ کی مرکزی مجلس کی طرف سے ۱۶ تا ۲۱ شوال ۱۳۸۰ھ بمطابق اتنا ۶ اپریل ۱۹۶۱ء کو منعقد کردہ اجلاس میں عقد التأمین وموقف الشرعیۃ الاسلامیہ منہ کے عنوان سے پیش کی گئی۔ حوالہ ہفتہ کی مجموعی کارروائی صفحہ ۳۸۵۔

۳۔ الفرق للقرانی - ۱: ۱۵۰

۴۔ اس دفعہ کی نظیر سواریا کے قانون مدنی کا دفعہ نمبر ۱۳۷، لیبیا کے قانون مدنی کا دفعہ نمبر ۴۷، لیبیا کے قانون مدنی کا دفعہ نمبر ۴۷، عراق کے قانون مدنی کا دفعہ نمبر ۹۸ اور لبنان کے قانون مدنی کا دفعہ نمبر ۹۵ ہے۔

۵۔ ڈاکٹر السنهوری: "الوسيط في شرح القانون المدني" ۲: ۴: ۱۱۳۹۔

۶۔ الوسيط ۲: ۴: ۱۳۱۳۔

۷۔ دیکھیے مصری قانون مدنی کے دفعہ ۵۴ کا متن جس میں یہ قاعدہ وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

۸۔ پروفیسر مصطفیٰ الزرقاء کا مقالہ بعنوان: عقد التأمین وموقف الشرعیۃ الاسلامیہ منہ

صفحہ ۲۰۳۔

۹۔ ڈاکٹر السنهوری: الوسيط ۲: ۴: ۱۱۳۸

۱۰۔ الوسيط ۲: ۴: ۱۱۳۸

۱۱۔ الوسيط ۴: ۲: ۱۱۳۹

۱۲۔ پروفیسر مصطفیٰ الزرقاء: بحوالہ سابقہ صفحہ ۲۰۳۔

۱۳۔ دیکھئے، الوسيط ۴: ۲: ۱۱۵۷۔

۱۴۔ دیکھئے: التائبین وحکمہ علی ہدی الشریعۃ الاسلامیۃ / جناب استاد محترم شیخ

علی الخفیف کی طرف سے مکہ مکرمہ میں منعقدہ اسلامی اقتصادیات پر پہلے عالمی کانفرنس میں

یہ تحقیق پیش کی گئی۔ صفحہ: ۱۰۔

۱۵۔ حوالہ بالا صفحہ: ۹۔

۱۶۔ فتح العزیز ۸: ۱۵۳۔

۱۷۔ المحلی لابن حزم ۹: ۲۷۲۔

۱۸۔ مواہب الجلیل ۴: ۳۶۲۔

۱۹۔ مواہب الجلیل ۴: ۳۶۸۔

۲۰۔ حاشیۃ الاسوقی علی الشرح الکبیر ۳: ۲۵۔

۲۱۔ حوالہ مذکورہ بالا

۲۲۔ الشرح الکبیر ۳: ۲۵۔

۲۳۔ الخطاب ۴: ۳۶۸۔

۲۴۔ فتح العزیز شرح الوجیز ۸: ۱۲۷۔

۲۵۔ فتح العزیز شرح الوجیز شرح المہذب کے مجموعہ کے ساتھ طبع شدہ، ج ۸-۷ ص ۱۲۷

۲۶۔ فتح الباری ۵: ۲۶۰۔

۲۷۔ حاشیۃ القلیوبی و عمیرۃ علی شرح المنہاج ۲: ۵۸۔

۲۸۔ بدائع الصنائع ۶: ۳۰۵۳۔

۲۹۔ حاشیۃ ابن عابدین ۴: ۱۰۹۔

۳۰۔ شرح منتہی الارادات ۲: ۱۲۵۔

- ۳۱- الفروق للقرانی ۳ : ۳۶۵
- ۳۲- شرح النووی علی مسلم ۱۰ : ۱۵۶
- ۳۳- الفروق للقرانی ۳ : ۲۶۵
- ۳۴- بحوالہ بالا
- ۳۵- المعنی لابن قدامتہ ۳ : ۱۸۶ -
- ۳۶- فتح العزیز ۸ : ۱۳۹
- ۳۷- فتح العزیز ۸ : ۱۴۰
- ۳۸- فتح العزیز ۸ : ۱۴۳
- ۳۹- الخطاب ۴ : ۲۷۶
- ۴۰- بداية المجتمع ۲ : ۱۷۲
- ۴۱- ۱ سے الخطاب کے مواہب الجلیل میں نقل کیا ہے : ۳ : ۳۶۲
- ۴۲- بحوالہ سابقہ ج ۲ : ۳۶۳
- ۴۳- الفروع ۴ : ۲۰
- ۴۴- منتهی الابدات ۱ : ۳۲۵ -
- ۴۵- الفتاویٰ الضمینیہ ۳ : ۴۲۵ -
- ۴۶- بذائع الصنائع ۶ : ۳۰۴۱ -
- ۴۷- حاشیہ ابن عابدین ۴ : ۲۱ -
- ۴۸- الفروق للقرانی المالکی ۳ : ۲۶۵
- ۴۹- بداية المجتمع ۲ : ۱۷۲ -
- ۵۰- بذائع الصنائع ۷ : ۳۰۹۳ -
- ۵۱- فتح العزیز ۸ : ۱۹۶ -
- ۵۲- الشرح الكبير ۳ : ۵۳ -
- ۵۳- حوالہ سابقہ -

- ۵۴ - الخطاب فی مواہب الجلیل ۴ : ۳۶۵ -
- ۵۵ - الوسيط ۷ : ۲ : ۹۸۶ -
- ۵۶ - الوسيط ۷ : ۲ : ۹۸۸ -
- ۵۷ - بحوالہ بالا -
- ۵۸ - بحوالہ بالا -
- ۵۹ - الوسيط ۷ : ۲ : ۱۰۸۶ -
- ۶۰ - بحوالہ بالا -
- ۶۱ - بحوالہ بالا -
- ۶۲ - تحفۃ المحتاج ۴ : ۲۷۳ -
- ۶۳ - حاشیۃ الدسوقي علی الشرح الکبیر ۳ : ۲۵ -
- ۶۴ - المبسوط للسرخسی ۱۱ : ۱۱۷ -
- ۶۵ - ہدایۃ المجتہد ۲ : ۱۴۷ -
- ۶۶ - الوسيط ۷ : ۲ : ۱۱۴۸ -
- ۶۷ - مواہب الجلیل ۴ : ۳۶۷ -
- ۶۸ - مواہب الجلیل ۳ : ۲۰ -
- ۶۹ - مطالب اولی النہی ۴ : ۲۷۶ -
- ۷۰ - مقالہ شیخ علی الحفیف بحوالہ سابقہ صفحہ ۳ -
- ۷۱ - مقالہ تذکرہ بلا صفحہ ۹ -
- ۷۲ - مقالہ تذکرہ بالا صفحہ ۱۲ -
- ۷۳ - مقالہ تذکرہ بالا صفحہ ۶۰ -
- ۷۴ - مقالہ پروفیسر مصطفیٰ الزرقاد بحوالہ سابقہ صفحہ ۳۹۵ -
- ۷۵ - مقالہ بعنوان : نظام التامین - موقعہ فی المیدان الاقتصادي بوجہ عام و موقف الشریعہ

صفحہ ۳۵۔ یہ مقالہ مکہ مکرمہ میں منعقد ہونے والے اسلامی اقتصادیات کے بارے میں پہلی بین الاقوامی کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا۔

۷۶۔ مقالہ مذکورہ بالا : صفحہ ۳۸

۷۷۔ مقالہ مذکورہ بالا : صفحہ ۴۰

۷۸۔ حوالہ سابقہ صفحہ ۲۵

۷۹۔ حوالہ سابقہ ص ۲۵

۸۰۔ حوالہ سابقہ صفحہ ۳۲

۸۱۔ حوالہ سابقہ صفحہ ۲۵

۸۲۔ پروفیسر شیخ علی الخفیف بحوالہ سابقہ صفحہ ۲۵

۸۳۔ معجم مقاییس اللغة لابن فارس ۴ : ۳۸۰

۸۴۔ الفرق للقرانی ۳ : ۳۶۵

۸۵۔ مختصر شرح سنن ابی داؤد ۵ : ۲۷

۸۶۔ مواصب الجلیل ۴ : ۳۶۲

۸۷۔ حوالہ سابقہ ۴ : ۳۶۸

۸۸۔ بدائع الصنائع ۶ : ۳ : ۳۰۵

۸۹۔ مطالب اولی النہی ۳ : ۲۰

۹۰۔ تلخیص الجبیر مطبوع بذیل المجموع شرح المہذب مع فتح العزیز ۸ : ۱۲۷

۹۱۔ فتح العزیز مطبوع مع المجموع شرح المہذب ۸ : ۱۳۲

۹۲۔ تلبوبی و عمیرہ کے دونوں حاشیے بر شرح جلال الدین المہلی ۲ : ۱۸۵

۹۳۔ شرح منتهی الارادات ۲ : ۱۴۵

۹۴۔ بحوالہ سابقہ

۹۵۔ شیخ علی الخفیف بحوالہ سابقہ صفحہ ۲۸، پروفیسر مصطفیٰ الزرقاد بحوالہ سابقہ صفحہ ۴۰۳

- ۹۶- شیخ علی الخفیف بحوالہ سابقہ صفحہ ۲۸
- ۹۷- پروفیسر مصطفیٰ الزرقاد بحوالہ سابقہ صفحہ ۴۰۳
- ۹۸- پروفیسر مصطفیٰ الزرقاد بحوالہ سابقہ صفحہ ۴۰۴
- ۹۹- شیخ علی الخفیف بحوالہ سابقہ صفحہ ۲۹
- ۱۰۰- پروفیسر مصطفیٰ الزرقاد بحوالہ سابقہ صفحہ ۳۹۹
- ۱۰۱- حاشیہ الدر المختار ۳ : ۵۴۱
- ۱۰۲- حوالہ مذکورہ بالا - صفحہ ۱۰۹
- ۱۰۳- فتح الباری ۵ : ۲۶۰
- ۱۰۴- بدایۃ المجتہد ۲ : ۱۱۱
- ۱۰۵- الفروع ۴ : ۲۴
- ۱۰۶- پروفیسر مصطفیٰ الزرقاد بحوالہ سابقہ صفحہ ۳۹۸
- ۱۰۷- سورة المائدہ ، آیت ۹۱
- ۱۰۸- پروفیسر مصطفیٰ الزرقاد بحوالہ سابقہ صفحہ ۳۹۹
- ۱۰۹- حوالہ مذکورہ بالا - صفحہ ایضاً
- ۱۱۰- حوالہ مذکورہ بالا صفحات ۴۰۶ ، ۴۵۷
- ۱۱۱- حوالہ مذکورہ بالا صفحہ ایضاً
- ۱۱۲- پروفیسر مصطفیٰ احمد الزرقاد : نظام التأمین : موقعہ فی النظام الاقتصادي وموقف الشریعۃ الاسلامیۃ منہ ، ص ۲۵ -

اصطلاحات

- ۱- اِذعان : مجبوراً دوسرے کی ناجائز مطالبات و شرائط کے آگے جھک جانا۔
 - ۲- بیع السلم : فقہ کی اصطلاح میں لین دین کے دونوں طرف کے معاوضوں میں سے کسی ایک معاوضہ کا نقد اور دوسرے کا ادھار ہونا۔
 - ۳- رھان : شرط لگانا، جیسے گھوڑوں کے دوڑنے پر کچھ رقم وغیرہ رکھ کر شرط لگانا۔
 - ۳- غرر : دھوکہ، مالی معاملات میں پایا جانے والا دھوکہ جو انہیں باطل کر دیتا ہے۔
 - ۵- کالی : ادھار کو کہتے ہیں، کاروبار میں معاوضہ کا ادھار ہونا۔
 - ۶- مضاربت : ایک شخص کے سرمایہ اور دوسرے کی محنت کے اشتراک سے تجارتی کاروبار کرنے کو مضاربت کہتے ہیں۔
 - ۷- مضامین : وہ بچہ جو اپنی اپنے باپ کے صلب میں ہے اسے فروخت کرنا۔
 - ۸- متاخرہ : جو ۔
 - ۹- طایف : وہ بچہ جو اپنی رحم مادر میں ہے، دور جاہلیت میں صلب پدر اور رحم مادر میں ہونے والے جانور کے بچہ کی خرید و فروخت ہوتی تھی جس سے روک دیا گیا ہے
- (لسان العرب)
- ۱۰- طامس : کسی چیز کو چھولنے کی شرط پر فروخت کرنا یا خریدنا۔
 - ۱۱- معاخذہ : کسی چیز کے پھینک دینے پر اس کے خرید و فروخت کو معلق کرنا۔
- (نوٹ) دور جاہلیت میں خریدار یا فروخت کرنے والا یہ کہتا کہ اگر میں نے فلاں کپڑے وغیرہ کو چھویا یا اسے ہاتھ سے گرا دیا تو گویا میں نے اسے خرید لیا یا فروخت کر دیا۔

اشارہ

۱۔ اسماء الرجال

- ۱۔ ابن حزم : ابو محمد علی بن احمد، المتوفی ۳۵۶ھ : ۹۶، ۸۰
- ۲۔ ابن رشد : ابو الولید محمد بن احمد، المتوفی ۵۲۰ھ : ۱۱۹۳، ۱۱۹۳
- ۳۔ ابن عابدین : ایشیح محمد امین الشیربائی بن عابدین : ۹۰، ۱۶۱
- ۴۔ ابن عوف : ابو عبد اللہ محمد بن محمد المتوفی ۸۰۳ھ : ۱۲۰، ۱۹۸، ۱۶۹
- ۵۔ ابن قدامہ : ابو محمد عبد اللہ بن احمد، المتوفی ۴۲۰ھ : ۸۸
- ۶۔ ابن المنذر : ۱۲۰
- ۷۔ الخطاب : محمد بن محمد بن عبد الرحمن المتوفی ۹۵۴ھ : ۸۸، ۹۸
- ۸۔ حکیم بن حزام : ۱۶۲
- ۹۔ حلوانی : محمد بن علی بن محمد المتوفی ۵۰۵ھ : ۱۶۱
- ۱۰۔ الخطابی : ابو یسلمان محمد بن محمد بن ابراہیم المتوفی ۳۸۸ھ : ۱۳۵
- ۱۱۔ الدررید : ابو البرکات احمد بن محمد : ۹۶، ۱۰۰
- ۱۲۔ الدسوقی : ۷۰
- ۱۳۔ الرافعی : ایشیح عبد القادر الفاروقی : ۶۶
- ۱۳۔ الزرقاء : الاتاود مصطفیٰ احمد : ۱۱، ۱۱۵، ۱۲۹، ۱۵۲
- ۱۵۔ زید بن ثابت الانصاری : ۱۳۹
- ۱۶۔ السنهوری : ڈاکٹر عبد الرزاق : ۱۱۵، ۱۱۹، ۱۲۰
- ۱۷۔ علی الخفیف : ایشیح، الاتاود : ۱۰، ۱۱۵، ۱۲۸، ۱۳۶
- ۱۸۔ القرانی : الامام ابو العباس احمد بن ادیس : ۱۲، ۸۳

۱۰۰، ۹۳، ۸۶، ۸۶

- ۱۹- الکاسانی : علاؤالدین ابی بکر بن مسعود، المتوفی ۵۸۷ھ : ۷۰
 ۲۰- المازری : محمد بن علی المتوفی ۵۲۶ھ : ۶۰، ۶۸
 ۲۱- مالکسون انس : الامام، المتوفی ۱۶۹ھ : ۵۲، ۸۳، ۸۹
 ۲۲- نووی : الامام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن خضر المتوفی ۶۷۶ھ : ۸۶

۲- اسما والاماکن

- ۱- برطانیہ : ۶۲
 ۲- مصر : ۴۳
 ۳- مکہ مکرمہ : ۱۹۳، ۵۶
 ۴- یورپ : ۹۳، ۶۲

۳- اسما والکتب

- ۱- بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع : ۹۳، ۹۰، ۷۵
 ۲- بدایۃ المجتہدین لابن رشد : ۱۱۸، ۸۸
 ۳- تحفۃ المحتاج : ۱۱۸
 ۴- حاشیۃ ابن عابدین : ۹۰
 ۵- حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر : ۱۱۸
 ۶- حاشیۃ قلیوبی وعمیرہ علی المنہاج : ۷۳
 ۷- الشرح الکبیر : ۱۱۸
 ۸- شرح منتقى الارادات : ۷۹
 ۹- شرح المنہاج : ۷۳
 ۱۰- الفتاویٰ البندیۃ : ۸۹

- ۱۱ - فتح الباری : ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۱
- ۱۲ - فتح العزیز (شرح الوجیز) : ۶۶، ۶۲، ۸۸، ۹۳
- ۱۳ - الفتح (فتح القدیہ) : ۱۶۱
- ۱۴ - الفروع : ۸۹، ۱۶۲
- ۱۵ - الفرق القرآنی : ۹۳
- ۱۶ - المبسوط للشمسی : ۱۱۸
- ۱۷ - المحلی لابن حزم : ۶۷
- ۱۸ - المدوّنۃ الکبریٰ : ۸۹
- ۱۹ - مطالب اولی المنہی : ۱۲۰
- ۲۰ - المنہی لابن قدامہ : ۸۸
- ۲۱ - منہی الارادات : ۸۹
- ۲۲ - مواہب الجلیل : ۹۸، ۱۲۰۰
- ۲۳ - الوجیز : ۷۲



کچھ مصنف کے بارے میں

ڈاکٹر حسین حامد حسان ۲۵ جولائی ۱۹۳۲ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ مصر اور امریکہ کی ممتاز علمی درسگاہوں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ قاہرہ یونیورسٹی سے قانون و اقتصاد کے ساتھ ایل ایل بی (۱۹۵۹ء)، اور الازھر سے اسلامی قانون (شریہ) میں ایل ایل ایم (۱۹۶۰ء) اور فقہ و اصول فقہ میں بی ایچ ڈی (۱۹۶۶ء) کی ڈگریاں حاصل کیں۔ نیویارک یونیورسٹی لاء کالج سے ۱۹۶۵ء میں تقابلی قانون میں ماسٹر ڈگری (M.C.I) حاصل کی۔

تدریسی زندگی کا آغاز ۱۹۶۶ء میں فیکلٹی آف لاء، قاہرہ یونیورسٹی میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے کیا، محنت اور خدا داد صلاحیت کے سبب ۱۹۶۶ء میں پروفیسر آف شریہ (آج تک اس منصب پر فائز ہیں) اور ۱۹۸۱ء میں شعبہ شریہ کے چیئرمین کے منصب تک پہنچے۔ آپ کی غیر معمولی صلاحیتوں کے سبب غیر ملکی علمی اداروں نے بھی آپ کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھایا۔ ۱۹۶۶ء میں محمد بن علی السنوسی یونیورسٹی لیبیا کے شعبہ علوم شرعیہ کی تاسیس کی اور ۱۹۶۰ء تک اس کے سربراہ رہے۔ ۱۹۶۳ء سے ملک عبدالعزیز یونیورسٹی مکہ المکرمہ سے بطور پروفیسر

منسلک ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں انٹرنیشنل مسلم بینک کے قانونی مشیر رہے۔ ۱۹۶۹ء میں جب قائداعظم یونیورسٹی (اسلام آباد) میں شریہ فیکلٹی کا قیام عمل میں آیا تو آپ کی خدمات بطور ڈین فیکلٹی آف شریہ حاصل کی گئیں۔ ۱۹۸۰ء میں اسلام آباد میں اسلامی یونیورسٹی کے قیام کے بعد ابتداءً ڈین آف انسٹرکشن کے طور پر خدمات انجام دیں (۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۳ء)، پھر وائس چانسلر کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ سال رواں میں اسلامی یونیورسٹی کو بین الاقوامی حیثیت ملی تو ان کے عہدہ کو وائس چانسلر کی بجائے پریذیڈنٹ کے نام سے موسوم کیا گیا۔

مندرجہ ذیل کتب آپ کے علم و فضل کی شاہد ہیں :

- ۱۔ نظریۃ المصلحۃ فی الفقہ الاسلامی - طبع قاہرہ ۱۹۶۹ء
- ۲۔ المدخل لدراسة الفقہ الاسلامی - طبع قاہرہ ۱۹۶۱ء
- ۳۔ اصول الفقہ - طبع قاہرہ ۱۹۶۱ء
- ۴۔ الحجر والافلاس فی الفقہ الاسلامی - طبع قاہرہ ۱۹۶۹ء
- ۵۔ حکم السریعۃ الاسلامیہ فی عقود التأمین -

زیر نظر کتاب آپ کی مؤخر الذکر کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔

کچھ کتاب کے بارے میں

معاهدہ بیمہ ان جدید کاروباری معاہدوں میں سے ایک ہے جن کا اسلامی فقہ کے ابتدائی دور میں کوئی وجود نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دور حاضر کے جن فقہاء نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے، ان کی آراء مختلف ہیں۔ شریعت اسلامیہ کی روشنی میں انہوں نے اس موضوع پر مقدور بھر تحقیق کی ہے۔ ان علماء میں سے بعض اس کے جواز کے قائل ہیں اور بعض عدم جواز کے۔ جبکہ ایک تیسرا گروہ ایسا ہے جو اس کو مطلقاً حرام قرار نہیں دیتا بلکہ پورے تجزیے کے بعد اس کی بعض قسموں پر عدم جواز کا حکم لگاتا ہے اور بعض کو اس سے مستثنیٰ گردانتا ہے۔

فاضل مصنف نے معاهدہ بیمہ کے تمام اجزاء کا تجزیہ کر کے اس حقیقت کو نمایاں کیا ہے کہ یہ باہمی تعاون و کفالت کا ایک نظام ہے۔ کیا موجودہ ذرائع سے زیادہ بہتر ایسے ذرائع اور طریقے ممکن ہیں جن کے ذریعے بیمہ کے نظریہ کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ ان جائز ذرائع کو تلاش کیا جائے جو لوگوں کو بیمہ کے حقیقی مقصد تک پہنچا سکیں۔

اپنے موضوع پر ایک منفرد اور اچھوتی کتاب۔

مطبع: ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

marfat.com

Marfat.com

کچھ کتاب کے بارے میں

معاهدہ بیمہ ان جدید کاروباری معاہدوں میں سے ایک ہے جن کا اسلامی فقہ کے ابتدائی دور میں کوئی وجود نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دور حاضر کے جن فقہاء نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے، ان کی آراء مختلف ہیں۔ شریعت اسلامیہ کی روشنی میں انہوں نے اس موضوع پر مقدور بھر تحقیق کی ہے۔ ان علماء میں سے بعض اس کے جواز کے قائل ہیں اور بعض عدم جواز کے۔ جبکہ ایک تیسرا گروہ ایسا ہے جو اس کو مطلقاً حرام قرار نہیں دیتا بلکہ پورے تجزیے کے بعد اس کی بعض قسموں پر عدم جواز کا حکم لگاتا ہے اور بعض کو اس سے مستثنیٰ گردانتا ہے۔

فاضل مصنف نے معاهدہ بیمہ کے تمام اجزاء کا تجزیہ کر کے اس حقیقت کو نمایاں کیا ہے کہ یہ باہمی تعاون و کفالت کا ایک نظام ہے۔ کیا موجودہ ذرائع سے زیادہ بہتر ایسے ذرائع اور طریقے ممکن ہیں جن کے ذریعے بیمہ کے نظریہ کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ ان جائز ذرائع کو تلاش کیا جائے جو لوگوں کو بیمہ کے حقیقی مقصد تک پہنچا سکیں۔

اپنے موضوع پر ایک منفرد اور اچھوتی کتاب۔